پلکوں پر چمکتے آنسو



سعدیہ عابد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سعدیہ عابد

پلکوں پر چمکتے آنسو

"واثقہ یار! دادو راضی نہیں ہو رہیں، فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ پندرہ ہے، تم ہی بتاؤ میں کیا کروں......؟" عفیف یزدانی اپنی کلاس فیلو واثقہ سے بات کر رہی تھی۔

"عفی! تو بھی کس جھنجھٹ میں پڑ رہی ہے یار سمپل بی اے کر لے"۔

"جی نہیں، مجھے لائر بننا ہے اور میں لاء کالج میں ہی ایڈمیشن لوں گی"۔ عفیف یزدانی نے فوراً اس کی بات کاٹی تھی اور لاؤنج میں آتیں زرمینہ یزدانی ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

"تو فکر نہ کر، دادو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں، میں ان کو راضی کر ہی لوں گی"۔ وہ بہت پر یقین تھی۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری دادی ماں تمہیں بہت چاہتی ہیں"۔ واثقہ کا رشک میں ڈوبا لہجہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

"کل تک تو مجھے لگتا تھا کہ تم بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہو مگر اب لگتا ہے......"

"زیادہ بکواس نہ کر، میرا انٹرسٹ نہیں ہے لیکن تیری خاطر میں لاء کالج میں ایڈمیشن لے لوں گی، دادو کو راضی کر لو تو مجھے فون کر دینا، فارم لینے ساتھ جائیں گے"۔ واثقہ کی بات اسے بے حد خوش کر گئی تھی۔

"یہ ہوئی ناں اچھے دوستوں والی بات، ابھی میں رکھتی ہوں رات کو فون کروں گی"۔ اس نے دادو کو دیکھ کر فون بند کر دیا اور مسکراتے ہوئے اُن کے پاس آ گئی تھی۔

"دادو! واثقہ تھی' وہ بھی میرے ساتھ ہی لاء کالج میں ایڈمیشن....."

"عفی! ہم نے تمہارے لیے زوہیب سے جناح یونیورسٹی کا فارم منگوالیا ہے' تم آگے بھی سائنس پڑھوگی"۔ انہوں نے لہجے کو مقدور بھر نرم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"دادو! میں میڈیکل میں نہیں جانا چاہتی مجھے وکیل بننا ہے"۔ وہ بولی تھی اور اندر آتے زوہیب یزدانی سمجھ گئے تھے کہ آج پھر اُن دونوں کا کیا موضوع زیرِ بحث ہے۔

"عفی' انیف از انیف' ہم روز روز کی تکرار سے تنگ آگئے ہیں' ایک دفعہ کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی"۔ وہ بہت درشتگی سے بولی تھیں اور اس کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں' آج سے قبل کہاں انہوں نے اس لہجے میں اپنی چہیتی پوتی سے بات کی تھی۔

"سوری دادو! بٹ ایل ایل بی کرنے میں کیا خرابی ہے؟" اس کے لہجے میں نمی گھلی ہوئی تھی' وہ ان کے سخت لہجے سے خائف ہوگئی تھی۔

"زوہیب بیٹے! تم ہی اسے سمجھاؤ' یہ کیوں ہماری بات نہیں مان لیتی"۔ اس کی نم پلکوں کو دیکھ کر انہوں نے بیٹے سے مدد طلب کی تھی۔

"چاچو! آپ ہی دادو کو سمجھائیں آخر یہ کیوں نہیں چاہتیں کہ میں لائر بنوں"۔ اس نے سوں سوں کرتے ہوئے چاچو کو دیکھا تھا۔

"گڑیا! پرابلم آپ کے لائر بننے میں نہیں ہے مگر جب ہم آپ کو منع کر رہے ہیں تو بیٹا کوئی تو وجہ ہوگی"۔

"چاچو! وہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ ایسی کیا وجہ ہے کہ آپ دونوں مجھے وکیل بننے سے روک رہے ہیں' میں نے اب تک بائیو سائنس صرف آپ کی وجہ سے پڑھی مگر اب میں مزید نہیں پڑھ سکتی کیونکہ میرا بچپن سے لاء پڑھنے کا ارادہ تھا' وکیل بننا میرا خواب ہے"۔ وہ اب باقاعدہ رو رہی تھی مگر وہ اس کے آنسوؤں سے نرم پڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

"عفی! آپ کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کو منع کر دیا ہے' آپ کی نگاہ میں وجوہات زیادہ معنی رکھتی ہیں ہماری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟" انہوں نے اپنے دکھ کو اندر ہی اندر گھولتے ہوئے بے بسی سے سوال کیا تھا۔

"دادو! آپ میری خوشی کی خاطر اپنی فضول سی ضد....."

"عفی! آپ کو ہماری بات ہمارا انکار فضول کی ضد لگتا ہے تو یونہی سہی' تعلیم جاری رکھنا ہے تو لاء کالج میں ایڈمیشن کی اب بات بھی نہیں کروگی' ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں' کوئی اچھا لڑکا دیکھ کر آپ کی شادی....." وہ غصے میں اُسے آپ جناب سے ہی بات کرتی تھیں۔

"دشمن نہیں ہیں مگر سلوک میرے ساتھ دشمنوں والا ہی کر رہی ہیں' نہیں کرنی مجھے کوئی شادی وادی' میرے پیرنٹس زندہ ہوتے تو وہ ضرور میری خواہش کا مان رکھتے مگر یہاں تو کسی کو میری فکر ہی نہیں ہے"۔ اس کا بلکنا اور الفاظ اُن دونوں کو تڑپا سے گئے تھے۔

"گڑیا....." زوہیب یزدانی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے برابر آبیٹھے تھے۔

"بات بھی نہ کریں مجھ سے....." اس نے ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے خفگی بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔

"عفی! اردو نہیں چندا' ہم نے آج تک کبھی تمہاری کوئی بات نہیں ٹالی اور تم ہماری ایک بات نہیں مان سکتیں"۔

"چاچو! میں نے کبھی بے جا ضدیں نہیں کیں' آپ نے اور دادو نے جو کہا وہ میں نے کیا' اب تک سائنس بھی آپ لوگوں کی خوشی کی خاطر پڑھی اور آپ لوگوں کو میری جیسے اب کوئی پرواہ ہی نہیں ہے"۔ انہوں نے ماں کو دیکھا تھا

اور ماں کی جھلملاتی نگاہیں انہیں بہت بے بس کر گئیں تھیں' نہ وہ ماں کو راضی کر سکتے تھے اور نہ ہی عفیف اس وقت اُن کی سن رہی تھی۔

"زوہیب! اسے کہہ دو ہم کبھی اسے لائر بننے کی اجازت نہیں دیں گے"۔ زرینہ یزدانی اٹھتے ہوئے بولی تھیں' پوتی کا رونا ان کی برداشت کی حدیں توڑ رہا تھا۔

"دادو! آپ کو مجھ سے پیار ہی نہیں ہے' میرے پیرنٹس زندہ ہوتے تو وہ ضرور میرا مان رکھتے مگر آپ کو مجھ سے زیادہ اپنی ضد عزیز ہے' کسی کو میرے مستقبل......"

"زوہیب! صبح لاء کالج سے ایک فارم لے آنا"۔ پوتی کی بات کاٹ کر انہوں نے فیصلہ سنایا تھا' وہ دونوں ششدر رہ گئے تھے۔

"اور اسے کہو کہ یہ رونا بند کر دے' ہم اس کی ضد کے آگے ہار گئے ہیں' ہمیں اس کا مستقبل اور خوشیاں جان سے بڑھ کر عزیز ہیں"۔ لہجے میں نمی گھلی ہوئی تھی اور وہ جو اپنی ضد اور دکھ کے آگے ان دونوں کو نظر انداز کر رہی تھی تڑپ اٹھی تھی۔

"دادو! ایکسٹریملی سوری' میں آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی' آپ چاہتی ہیں کہ میں میڈیکل کی لائن میں جاؤں تو میں ایسا ہی کروں گی' مجھے معاف کر دیں"۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے دلگرفتگی سے بولی تھی۔

"نہیں عفی جانو! ہم ہرٹ نہیں ہوئے اور اب تمہیں (وہ صرف غصہ میں آپ کہا کرتی تھیں) ہم زبردستی کے سبجیکٹ پڑھنے کو نہیں کہیں گے' تم لاء کرنا چاہتی ہو ناں زوہیب کل ہی تمہارا ایڈمیشن......"

"نہیں دادو! مجھے ایڈمیشن نہیں لینا' آپ منع کر رہی ہیں تو کوئی تو وجہ ہو گی' میں نے ضد تو بس اس لیے کی تھی کہ مجھے یقین تھا آپ میری کوئی بات نہیں ٹال سکتیں اور دادو جب آپ میری خوشی کی خاطر اپنے فیصلے سے انحراف کر سکتی ہیں تو میں کیوں نہیں آپ کی خوشی کی خاطر اپنا ارادہ بدل سکتی"۔ وہ روتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"زوہیب! ہم اسے دکھی نہیں دیکھ سکتے مگر ہم مجبور ہیں' ہمیں اب کسی کو بھی کھونے سے بہت ڈر لگتا ہے اور تم دونوں ہی تو اب ہماری زندگی کا مقصد ہو"۔ وہ روتے ہوئے بیٹے سے بولی تھیں۔

"اماں! پریشان نہ ہوں' وہ بچی ہے' سمجھ جائے گی' مان گئی ہے"۔

"ہاں' وہ مان تو گئی ہے مگر ہمیں ساری زندگی اس کے ادھورے خواب ستاتے رہیں گے"۔ وہ بہت کرب سے بولی تھیں۔

"اماں! آپ عفی کو اجازت دے دیتیں تو اچھا ہوتا' ضروری تو نہیں جو ماضی......"

"ضروری تو کچھ بھی نہیں ہوتا مگر اب ہمیں کالے کوٹ سے خوف آتا ہے اور ہم اپنی معصوم بچی کو اُن اندھیروں کی نذر نہیں کر سکتے"۔ ماضی کے چند بہت اپنے چہرے آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے تھے اور وہ بمشکل خود کو ماضی میں کھونے سے بچاتی اٹھ گئی تھیں اور وہ بھی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

☆☆☆

"اماں سائیں! آپ فکر نہ کریں میں خود بابا سائیں سے بات کر لوں گا"۔ ماں کو اپنی بات پر ڈٹے دیکھ کر اس نے چڑ کر جان چھڑانی چاہی تھی۔

"کیا بات کر لے گا' کیا تو اپنے بابا سائیں کو نہیں جانتا وہ تو سنتے ہی مجھ سے اُکھڑ جائیں گے' اپنی بات کی

خاطر وہ جان دے بھی سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں اور انہوں نے خود تیری بات عظمیٰ دھمی سے پکی کی تھی' وہ تیری منگ ہے اور ہماری برادری میں آج تک ایسا نہیں......"

"بس اماں سائیں' فضول کی داستانیں سننے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے اور میں نے بابا سائیں کو زبان دینے کے لیے نہیں کہا تھا' میں اُجڈ گنوار لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا"۔ وہ طیش میں آ گیا تھا۔

"ہوش میں رہ کر بات کر پتر' تیرے ایک انکار کی وجہ سے تیری بہن کا گھر بسنے سے پہلے ہی اُجڑ جائے گا"۔ سکینہ شاہ کو بیٹے کے تیور ڈرا گئے تھے۔

"اماں سائیں! یہ بات آپ لوگوں کو پہلے سوچنی چاہیے تھی' مجھے عظمیٰ سے شادی کرنے پر اعتراض ہے اور کیوں اعتراض ہے آپ جانتی ہیں"۔ مستغیر شاہ کو غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر ماں کے احترام میں وہ خود پر کنٹرول رکھے ہوئے تھا۔

"پتر! تو عظمیٰ سے شادی نہیں کرے گا تو کیا پھر کسی شہری لڑکی سے بیاہ کرے گا' ہماری برادری میں تو کسی لڑکی نے اسکول کی شکل نہیں دیکھی"۔ وہ تیکھے چتونوں سے بیٹے کو گھور رہی تھیں۔

"کیوں نہیں دیکھی' دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور آپ لوگ اب تک عورت کے غیر تعلیم یافتہ......"

"تو شہری تعلیم اپنے تک رکھ' اسی لیے ہم تیرے شہر جانے کے خلاف تھے مگر کان کھول کر سن لے پتر' میں کسی انگریزن کو ہرگز بھی اپنی بہو نہیں بناؤں گی"۔ انہوں نے اٹل فیصلہ سنایا تھا اور وہ کچھ اور کہتا کہ باپ کو دیکھ کر رُک گیا تھا اور وہ اُن دونوں ماں بیٹے کی چپقلش سن چکے تھے۔

"ملکانی! کل ہی حویلی میں ڈھولک رکھوا دو"۔ انہوں نے فیصلہ سنایا تھا اور وہ غصے میں آ گیا تھا۔

"بابا سائیں! شادیانے بجانے سے پہلے سوچ لیجیے گا میں عظمیٰ سے ہرگز بھی شادی نہیں کروں گا"۔ باپ کو دیکھا تھا ان کے چہرے پر اس کی بات سے ناگواری کی لہریں دَر آئی تھیں۔

"فیصلہ ہو چکا ہے اور تم ہمارے فیصلوں کے آگے کچھ بھی نہیں ہو' اگلے ماہ کی گیارہ کو تمہارا عظمیٰ دھمی سے نکاح ہے' اب میں آگے سے کچھ نہیں سننا چاہتا' تم جا سکتے ہو"۔ اٹل لہجے میں کہا گیا تھا۔

"بابا سائیں! میں حویلی کے دوسرے بے زبان لوگوں کی طرح نہیں ہوں جو آپ نے کہہ دیا سب سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے' میں اپنی زندگی اپنے انداز سے گزارنے کا عادی ہوں اور آپ نے زبردستی اپنے فیصلے مجھ پر مسلط کرنا چاہے تو میں یہ حویلی چھوڑ دوں گا"۔ وہ اپنی بات کہہ کر رُکا نہیں تھا جبکہ وہ کھول کر رہ گئے تھے۔

"ملکانی! جا کر سمجھاؤ اپنے پتر کو' ہمارے غضب کو آواز نہ دے کیونکہ شادی تو اس کی عظمیٰ دھمی سے ہی ہو گی"۔ اصغر شاہ نے غصہ سے بیوی کو باور کرا دیا تھا اور واپس ڈیرے کی طرف چلے گئے تھے اور سکینہ شاہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں' بیٹے کے تیور انہیں ہولا رہے تھے تو شوہر کا غصہ ان کے ہاتھ پاؤں پھلا رہا تھا اور ایسے میں وہ رب سائیں سے بہتری کے لیے مناجات کرنے لگی تھیں کیونکہ اس کے علاوہ تو وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں۔

............☆☆☆............

"ہائے...... چاچو میں تو مر گئی"۔

"عفی جانو! کیا ہوا' تم ٹھیک تو ہو"۔ زوہیب یزدانی گھبرا کر اُسے دیکھنے لگے تھے۔

"آپ بھی ناں چاچو! پریشان ہونے میں آپ کو لمحہ لگتا ہے' مجھے فی الحال تو کچھ نہیں ہوا مگر ایسے ہی دھوپ میں کھڑی رہی تو یقیناً گرمی کے مارے میری جان نکل جائے گی"۔ وہ ان کے پریشان چہرے کو دیکھ کر خجل سی ہو گئی تھی۔

"تم کبھی بڑی نہیں ہوسکتیں بدتمیز لڑکی...... جاؤ جا کر گاڑی میں بیٹھو میں فارم جمع کروا کے آتا ہوں"۔ انہوں نے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے دونوں فارم (ایک واثقہ کا تھا) لیے تھے اور وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی تھی' لاسٹ ڈیٹ ہونے کی وجہ سے لائن کافی لمبی تھی اس لیے انہیں پورے 30 منٹ لگ گئے تھے۔

"اتنی غصے میں کیوں ہو؟" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

"بات بھی نہ کریں مجھ سے' ابھی کا کہہ کر آدھے گھنٹے میں آئے ہیں یہاں بھوک کے مارے میری جان نکل رہی تھی"۔ وہ ناک چڑھا کر بول رہی تھی۔

"یار! دیکھی تو تھی کتنی لمبی لائن تھی' فارم جمع کروائے بغیر تو نہیں آسکتا تھا"۔ انہوں نے صفائی دی تھی جبکہ وہ ہنوز منہ پھلائے بیٹھی تھی' انہوں نے مسکراتے ہوئے جیب میں سے چاکلیٹ نکال کر اُسے دی تھی اور اس کی ناراضی (مصنوعی) پل بھر میں کافور ہوگئی تھی۔

"تھینکس سویٹ چاچو!" وہ ریپر شیشہ کھول کر باہر پھینکتے ہوئے بولی تھی۔

"اونہوں......" انہوں نے اس کی اس حرکت پر گھورا تھا۔

"ویری سوری چاچو! دھیان نہیں رہا تھا' بٹ آئندہ خیال رکھوں گی"۔ وہ اپنی بے دھیانی پر کچھ شرمندہ سی ہوگئی تھی۔

"چاچو! یہ ہم کہاں جارہے ہیں؟"

"گھر جارہے ہیں اور کہاں جانا ہے"۔ وہ جانتے تھے کہ اس نے کیوں پوچھا ہے مگر جان کر بھی انجان بن گئے تھے۔

"وہ تو مجھے بھی راستے دیکھ کر پتہ چل ہی رہا ہے بٹ آپ کچھ بھول رہے ہیں"۔ اس نے قدرے خفگی سے انہیں یاد دلانا چاہا تھا۔

"نہیں بھئی' میں تو کچھ نہیں بھول رہا' ویسے بھی میری یادداشت تو بہت اچھی ہے' بچپن میں اماں نے مجھے بادام تم سے زیادہ کھلائے ہیں"۔ انہیں اپنی پیاری سی بھتیجی کو ستانے میں بہت مزہ آرہا تھا۔

"جائیے میں آپ سے نہیں بولتی"۔ اس نے پھر سے منہ پھلا لیا تھا۔

"آئسکریم کھانے کے بعد کی کیا پلاننگ ہے' بولو گی یا......" انہوں نے گاڑی آئسکریم پارلر کے سامنے روکتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا مطلب آپ مجھے بیوقوف بنارہے تھے"۔ وہ بالکل لڑاکا لڑکیوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھے انہیں گھور رہی تھی۔

"خدائی کاموں میں مداخلت کردں' میری یہ مجال......"

"چاچو......!" اس کے ٹھنکنے پر وہ ہنس دیئے تھے۔

"اوکے اب لڑو نہیں' گھر بھی جانا ہے' اماں انتظار کررہی ہوں گی"۔ وہ دونوں آئسکریم پارلر میں داخل ہوگئے تھے یہ ان کی برسوں پرانی عادت تھی' جب بھی گھر سے نکلتے تھے آئسکریم کھائے بغیر نہیں لوٹتے تھے' وہ دونوں ہی آئسکریم کے دیوانے تھے' وہ ہمیشہ ایک ہی پارلر میں جاتے تھے مگر اس آئسکریم پارلر میں وہ فرسٹ ٹائم آئے تھے۔

☆☆☆

مستقیم شاہ بلیک جیپ کا بیک ڈور کھول کر باہر نکلا تھا اور ڈھولک کی تھاپ سنگ۔ چند عورتوں کی گا[illegible]

کانوں میں زہر بن کر اُتری تھی اور راہداری سے گزرتے ہوئے عورتوں کی نگاہ اُس پر پڑی تھی اور اُن کے جوش میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

"پتر! تیرے کمرے میں کپڑے رکھے ہیں، وہ پہن کر آ جا اُبٹن کی رسم......" سکینہ شاہ نے اسے روک کر بولا تھا اور وہ ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی مڑتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا۔

"گاؤ تم لوگ چپکی بیٹھی نہ رہو۔" وہ گاؤں کی عورتوں کو ہدایت دیتیں خود بھی بیٹے کے تیور دیکھتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی تھیں، کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ گھبرا گئی تھیں، اس نے اتنی سی دیر میں کمرے کا حشر نشر کر دیا تھا۔

"پتر......" اس نے ماں کو دیکھ کر ہاتھ میں موجود گلدان غصے میں بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا تھا اور الماری کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"پتر! عظمیٰ بہت اچھی خاندانی لڑکی ہے، جاہل ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، کون سا تو نے اس سے نوکری کروانی ہے"۔ وہ اسے سوٹ کیس میں کپڑے رکھتے دیکھ کر بول رہی تھیں۔

"اماں سائیں! تعلیم حاصل کرنے کا مقصد نوکری کرنا نہیں ہوتا، یہ انسان میں شعور پیدا کرتی ہے اور عظمیٰ سے شادی سے انکار میں نے کبھی نہیں کیا (جبکہ اس نے اسے دیکھا نہ تھا وہ ایک ہی حویلی میں رہتے تھے) میری ایک شرط تھی جسے آپ لوگ پورا نہ کر سکے اس لیے میں یہ شادی نہیں کر سکتا"۔ وہ سوٹ کیس اٹھا تا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"اماں سائیں! مجھے روکنے کی کوشش نہ کریں، میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا میں حویلی چھوڑ سکتا ہوں لیکن عظمیٰ سے شادی نہیں کر سکتا"۔ اس نے لہجے کو مقدور بھر نرم رکھنے کی کوشش کی تھی اور ماں کی سائیڈ سے نکلنا چاہا تھا۔

سکینہ شاہ نے اسے بازو سے تھام لیا تھا مگر وہ غصہ اور ضد میں ماں کی التجائیہ نگاہوں کو نظر انداز کرتا باہر نکلنے کو تھا کہ سکینہ شاہ نے اپنی اوڑھنی اتار کر بیٹے کے قدموں میں ڈال دی تھی، اس نے پیر فوراً پیچھے کیے تھے اور سارا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھتا چلا گیا تھا، اس نے بہت تڑپ کر زمین پر پڑی ماں کی اوڑھنی اٹھا کر ماں کے سر پر ڈالی تھی اور پھر بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں ایک ہارے ہوئے جواری کی مانند بیٹھتا چلا گیا تھا، جو بات وہ پیار اور غصہ سے منوا نہیں سکی تھیں ان کی اس حرکت کے بعد تو انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ بچی تھی کیونکہ اس کی ضد اور خواہشات ماں کی ردا کی حرمت سے بہت کمتر تھیں اور اس نے وہی کیا تھا جو ایک اچھے بیٹے کو کرنا چاہیے تھا، اس نے ماں کی ردا کی حرمت کا پاس رکھنے کی خاطر نہ چاہتے ہوئے بھی چچازاد عظمیٰ سے نکاح کر لیا تھا۔

"اماں سائیں! مجھے اجازت دیں میں شہر جا رہا ہوں، آپ کی خاطر میں نے نکاح کر لیا مگر اس رشتے کو نباہنے کے لیے مجھے ابھی کچھ وقت درکار ہے"۔ وہ رخصتی سے انکار کرتا نکاح کے آدھے گھنٹے بعد ہی شہر کے لیے نکل پڑا تھا اور اسے روکنے کی کسی نے کوشش نہیں کی تھی وہ بھی اسے وقت دینا چاہتے تھے۔

............☆☆☆............

اکبر شاہ کی 3 اولادیں تھیں، بیٹی خالدہ شاہ سب سے چھوٹی تھی اور اس کا ایک ہی بیٹا منظر شاہ تھا، اصغر شاہ سب سے بڑے تھے ان کی دو بیٹیاں مقدس، سندس اور ایک بیٹا مستجیر شاہ تھا۔ ظفر شاہ کے دو بیٹے اطہر، مظفر اور دو ہی بیٹیاں نجمہ، عظمیٰ تھیں۔ عورتوں کی تعلیم کا رواج نہ تھا اس لیے حویلی کی لڑکیوں نے صرف قرآن پاک پڑھا تھا اور باقی سب لڑکوں نے آٹھ تو کسی نے دس جماعتیں پڑھی تھیں۔ ایک واحد مستجیر شاہ تھا جس نے سائیکولوجی میں ماسٹرز کیا تھا اور اس کی پہلے ایجوکیشن کی وجہ سے اور اب کلینک کی وجہ سے رہائش مستقلاً کراچی میں تھی، وہ ہفتہ کی شام گاؤں آتا اور واپسی اتوار کی شب کو ہوا کرتی تھی، حویلی میں چونکہ غیر برادری میں شادی کا رواج نہ تھا اس لیے سب کی شادیاں آپس

میں ہی ہو گئیں تھیں' حویلی کا سب سے چھوٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے ایک وہی کنوارہ رہ گیا تھا' وہ عظمیٰ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا' اس کا گاؤں کے روایت پسند اور جاہلانہ ماحول میں بچپن سے ہی دل نہیں لگتا تھا' وہ عظمیٰ کے پڑھنے کے حق میں تھا مگر باپ کے آگے اس کی ایک نہ چلی تھی اور اس بار بھی وہ والدین کے آگے ہار گیا تھا اور اس نے دل کی رضا کے بنا نکاح کر لیا تھا۔

............☆☆☆............

''ڈیئر اسٹوڈنٹ مائی نیم از فرحانہ کنول' یورز اکنامکس ٹیچر''۔آج ان دونوں کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا' عفیف نے داود کی ضد سے مجبور ہو کر جناح یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا مگر اس نے سائنس کی بجائے آرٹس ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لیا تھا' وانقہ نے بھی یہی سبجیکٹ منتخب کیے تھے' آج چونکہ فرسٹ کلاس تھی میم فرحانہ نے یونیورسٹی کے رولز اور ریگولیشن بتانے کے بعد سبجیکٹ سے ریلیٹڈ انٹروڈکشن دیا تھا اور ان کی کلاس کا ٹائم ختم ہو گیا تھا' باقی تمام ٹیچرز نے بھی صرف انٹروڈکشن دینا ہی مناسب سمجھا تھا اور نیکسٹ ڈے سے باقاعدہ کلاسز کا آغاز ہو گیا تھا' شروع شروع میں ان دونوں کو ہی آرٹس کے سبجیکٹ میں پرابلم ہو رہی تھی مگر دھیرے دھیرے وہ سیٹ ہو گئیں تھیں۔

............☆☆☆............

''عفی! آج اتنی دیر کر دی آنے میں' وہ تو اچھا ہوا آج میم صبا حمید (انگلش کمپلسری) چھٹی پر ہیں''۔وانقہ اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھی۔

''یار! چاچو کو فیور تھا اس لیے میں نے سوچا تھا چھٹی کر لوں گی لیکن چاچو طبیعت خراب ہونے کے باوجود مجھے ڈراپ کر گئے''۔اس نے دیر ہو جانے کی وجہ بتائی تھی اور وہ دونوں کلاس میں آ گئی تھیں۔

''ہر انسان کی سائیکی دوسرے سے ڈفرنٹ ہوتی ہے' ہمیں بچوں کے ساتھ بچہ اور بزرگوں کے ساتھ میچور بی ہیو کرنا پڑتا ہے اور جب ہم لوگوں کو ان کی سوچ کے مطابق ڈیل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو پرابلمز کا گراف کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جاتا ہے اور ایجوکیشن میں بیسک ایلیمنٹ لوگوں کو ڈیل کرنا کا مقصد ہے اور میں آج کے ٹاپک میں یہی ڈسکس کروں گی کہ لوگوں کی نفسیات کو کس طرح سمجھا جا سکتا ہے اور اسپیشل لوگوں کی سائیکی کو کیسے ڈیل کیا جاتا ہے''۔میم آصفہ کے لیکچر کو وہ جلدی جلدی اتار رہی تھی' وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔

''وانقہ! مجھے تو میم آصفہ کی کلاس ختم ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا' میم اتنا اچھا سمجھاتی ہیں کہ میرا دل کرتا ہے وہ کلاس لیتی ہی رہیں کبھی ختم نہ ہو''۔

''چاہے سب کی برداشت ختم ہو جائے' یار! نو ڈاؤٹ میم آصفہ زبردست پڑھاتی ہیں مگر ایک پیریڈ بھی کافی ہے''۔عفیف کے گھورنے پر وہ مسکرا کر بولی تھی اور وہ دونوں کینٹین میں داخل ہو گئی تھیں۔

............☆☆☆............

''تم گھر کیسے جاؤ گی؟ تمہاری وین تو چلی گئی ساڑھے 3 ہو رہے ہیں''۔عفیف یزدانی نے گھڑی دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا' وانقہ دین نے جبکہ اسے لینے اور چھوڑنے زوہیب یزدانی خود آتے تھے۔

''بس سے چلی جاؤں گی''۔وہ ماتھے پر سے پسینہ صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بس سے کیوں جاؤ گی' چاچو آ جائیں گے تو ساتھ ہی چلنا' میں ڈراپ کر دوں گی''۔وہ چہرے پر فائلز کی آڑ کرتے ہوئے دھوپ سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی' جبھی بلیک سٹی اُن سے کچھ فاصلے پر رُکی تھی۔

''عفی! یہ ہینڈسم کون ہے یار؟'' اس کے برابر میں کھڑی اُن کی کلاس فیلو ماہین نے پوچھا تھا۔

''زیادہ فضول سوچنے کی ضرورت نہیں ہے' یہ میرے چاچو ہیں''۔ وہ اس کی معنی خیزی پر تپ کر بولی تھی جبکہ اس نے زیر لب ''چاچو'' کہا تھا کیونکہ اسے یقین نہیں آیا تھا' زوہیب یزدانی کافی پرکشش شخصیت کے حامل تھے' لانبا قد' سانولا چہرہ' خوبصورت براؤن آنکھیں اور کلین شیو والے زوہیب یزدانی کہیں سے بھی تو چاچو نہیں لگتے تھے مگر یہ بھی حقیقت ہی تھی' عفیف کے والد زوہیب یزدانی سے پورے اٹھارہ برس بڑے تھے اور وہ خود عفیف سے 8 برس بڑے تھے اور اتنا فرق تو تین چار بہن بھائیوں میں سب سے بڑے اور چھوٹے میں بھی ہوا کرتا ہے۔

''یہ......اتنے ہینڈسم اور گڈ لکنگ تمہارے چاچو ہیں''۔ ماہین بمشکل بولی تھی اور وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

''آؤ' تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں تمہارا اپنے چاچو سے تعارف کروا دیتی ہوں''۔ وہ ماہین کو لیے زوہیب یزدانی کے پاس آ رکی تھی' ماہین کافی بولڈ لڑکی تھی اور زوہیب یزدانی کو وہ لڑکی کچھ خاص پسند نہ آئی تھی اور انہوں نے اس کا اظہار کرتے ہوئے ان دونوں کو اس سے دور رہنے کو کہا تھا' واثقہ بھی اسے خاص پسند نہ کرتی تھی مگر جب وہ خود چل کر ان کے پاس آتی تھی وہ اسے اگنور نہیں کر پاتی تھیں یہ اور بات تھی کہ اس سے بات عفیف ہی کیا کرتی تھی' واثقہ سے تو وہ خود بھی کھنچی کھنچی سی رہتی تھی۔

............☆☆☆............

''چاچو! آپ کی مزیداری کافی حاضر ہے''۔ کمپیوٹر پر کام کرتے زوہیب یزدانی اسے دیکھ کر مسکرائے تھے اور اس کے ہاتھوں سے مگ لے لیا تھا۔

''خیریت تو ہے کون سی بات منوانی ہے جو چاچو کو مسکا لگایا جا رہا ہے''۔ انہوں نے سپ لیتے ہوئے شوخی سے اس سے پوچھا تھا۔

''میرا کافی پینے کو دل چاہ رہا تھا تو سوچا آپ کے لیے بھی بنا لوں''۔ وہ شان بے نیازی سے بولی تھی۔

''اوہو......محترمہ! آپ کی آنکھوں کی تحریر پڑھ سکتا ہوں' چلو شاباش بتاؤ کیا بات ہے جس کی وجہ سے تمہاری نیند تک اڑ گئی ہے''۔ وہ بہت یقین سے بولے تھے اور وہ خفیف سی ہو کر مسکرا دی تھی۔

''چاچو! آپ میری بات مان تو لیں گے ناں......'' وہ خدشے کا شکار ہوئی تھی۔

''ماننے والی بات ہوگی تو فوراً مان لوں گا بالفرض نہ ماننے والی ہوئی......تب بھی تمہاری خوشی کو ہی اولیت دوں گا اس لیے بلا جھجک جو کہنا ہے کہہ سکتی ہو''۔ وہ بہت نرمی اور پیار سے بولے تھے اور وہ تو جیسے جوش میں آ گئی تھی۔

''چاچو میری فرینڈ واثقہ ہے ناں' میں نے اس کی بڑی سسٹر کو اپنی چاچی بنانے کے بارے میں سوچا ہے''۔ عفیف اپنے جوش میں ان کے چہرے پر پھیلتے سائے دیکھ نہ پائی تھی۔

''سچ چاچو! آپ کی اور ریتا آپی (واثقہ کی طرح وہ بھی معقیہ کو آپی کہتی تھی) کی جوڑی بہت زبردست لگے گی''۔ اس نے ان کے چہرے کو دیکھا تھا' وہ خود کو نارمل کر چکے تھے۔

''عفی! ابھی میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور گڑیا! تم ان فضول خرافات سے دور ہی رہو تو اچھا ہے' صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دو''۔ وہ کافی سنجیدگی سے بو[illegible]ے تھے۔

''چاچو! آپ ایک دفعہ ریتا آپی [illegible]یکھ لیں' وہ اتنی اچھی ہیں کہ آپ انکار کر ہی نہیں پائیں گے''۔ وہ بضد ہوئی تھی۔

''میں نے کہا ناں عفی! یہ باتیں تمہارے کرنے کی نہیں ہیں......''

''[illegible] چاچو! [illegible] کر رہے ہیں' میں نے دادو سے بھی بات کر لی ہے انہیں بھی اعتراض نہیں ہے' آپ

ایک دفعہ جیا آپی کو دیکھ لیں' میری پسند کی داد دیے بغیر نہ رہ سکیں گے"۔ اس نے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے بہت یقین سے کہا تھا۔

"او کے میں سوچ کے جواب دوں گا"۔ انہوں نے اُسے ٹالا تھا۔

"بہانے مت کریں چاچو! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا"۔ وہ ان کی بے دلی محسوس کر گئی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" پوچھا تھا۔

"آپ جیا آپی کو دیکھ لیں"۔ وہ جلدی سے بولی تھی۔

"تم نے لڑکی پسند کر لی' اماں جان سے بات کر لو جو تم لوگوں کو مناسب لگے"۔ انہوں نے اندر کے شور کو دباتے ہوئے لمحے میں فیصلہ کیا تھا اور وہ تو حیران ہی رہ گئی تھی۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں چاچو؟"

"پہلے کب جھوٹ بولا ہے جو آج جھوٹ بولوں گا اور تم سارے فیصلے خود ہی کیے بیٹھی ہو' تمہاری فرینڈ کے پیرنٹس نے منع کر دیا تو......"

"واہ...... ایسے کیسے منع کر دیں گے' میرے چاچو تو اتنے اچھے ہیں کہ کوئی بھی لڑکی آپ کے ساتھ پر فخر کر سکتی ہے"۔ وہ بڑے فخر سے بولی تھی۔

"ایسا صرف تم سوچتی ہو' ضروری نہیں سب ہی میرے متعلق ایسے سوچنے لگیں"۔ انہوں نے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے اسے کمرے میں جانے کو کہا تھا کیونکہ اس وقت انہیں تنہائی درکار تھی اور وہ ان کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے دکھ کو کچھ بھی اور نہ کچھ بھی سے دیکھتی ان کے روم سے نکل گئی تھی جبکہ وہ کھڑکی میں آ کھڑے ہوئے تھے' کوئی پرانی یاد ان کے دل کے ایوانوں پر دستک دینے لگی تھی اور وہ چار برس پیچھے چلے گئے تھے۔

............☆☆☆............

"کیا ہو رہا ہے پریٹی گرل!" اس نے نگاہ اوپر اٹھا کر دیکھا تھا' ماہین کو دیکھ کر وہ مسکرا دی تھی اور وہ بھی گھاس پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

"واثقہ نہیں آئی تھی اس لیے بور ہو رہی ہوں"۔ واثقہ نے آج اچانک چھٹی کر لی تھی' ماہین کی وجہ سے اس کا وقت اچھا پاس ہو گیا تھا۔

"چاچو! میں واثقہ کی دین میں کیسے آ سکتی ہوں' آج واثقہ نہیں آئی"۔ وہ سیل کان سے لگائے بولی تھی۔

"تم میرے ساتھ چلنا میں ڈراپ کر دوں گی"۔ ماہین اس کی باتوں سے انداز لگا کر فوراً بولی تھی' عفیف نے زوہیب یزدانی سے کہہ دیا تھا' وہ بھی راضی ہو گئے تھے کیونکہ ان کی بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔

"تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے؟" عفیف فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا' وہ بڑی مہارت سے ڈرائیو کر رہی تھی کہ کار جھٹکا کھا کر رک گئی تھی۔

"اوشٹ......" ماہین بے وقت کی مصیبت سے جھنجلا گئی تھی۔

"اب کیا ہو گا ماہی؟ ہم گھر کیسے جائیں گے' میں تو چاچو کو بھی نہیں بلا سکتی"۔ عفیف یزدانی پریشانی سے گویا ہوئی تھی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' ہم رکشے سے چلے جائیں گے"۔ وہ جتنی پریشان تھی ماہین اتنی ہی ریلیکس تھی۔

"ماہی! یہاں تو کتنا سناٹا ہو رہا ہے' مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے اور کوئی ٹیکسی یا رکشہ' مجھے نہیں لگتا کہ ملے گا"۔ وہ ادھر

اُدھر نگاہ گھماتی متفکر نظر آ رہی تھی' انہیں اسٹاپ پر کھڑے 20 منٹ گزر چکے تھے مگر اتنی دیر میں کوئی ٹیکسی گزری ہی نہ تھی' گرمی کے مارے دونوں کا ہی بُرا حال ہو رہا تھا' تبھی اسے ایک رکشہ آتا دکھائی دیا تھا وہ اُسے روکنے کو جلدی سے آگے بڑھی تھی اور اپنی عجلت میں ٹھوکر کھا کر سڑک پر گر پڑی تھی۔

''عفی......!'' ماہین نے اسے اٹھنے میں مدد دی تھی اس کے ماتھے سے خون نکل رہا تھا جسے دیکھ کر ماہین پریشان ہو گئی تھی۔

''عفی! یہ سامنے کلینک ہے ہم بینڈ یج کروا لیتے ہیں''۔ وہ روڈ کراس کر تیں کلینک میں داخل ہو گئی تھیں۔

''آپ پلیز باہر ہی ویٹ کیجیے' ڈاکٹر اس وقت روم میں نہیں''۔ اس نے اندر داخل ہوتی لڑکی کو دیکھ کر کہنا چاہا تھا مگر اس کے پیچھے بہت روتی ہوئی لڑکی پر نگاہ پڑی تھی ماتھے سے خون بہتا چہرے کو تر کر رہا تھا' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر انہیں اندر آنے کو کہا تھا اور چیئر سنبھال لی تھی' اس کے بیٹھتے ہی مستعیر شاہ نے ٹارچ کی مدد سے زخم کا جائزہ لیا تھا' زخم زیادہ گہرا نہ تھا مگر وہ بالکل بچوں کی طرح رو رہی تھی' وہ قدرے حیران ہوتا روئی کی مدد سے بلڈ صاف کرنے لگا تھا جبکہ وہ لب کچلتی ''سی سی'' کرنے لگی تھی۔

''آنکھیں کھول لیجیے خطرہ ٹل گیا ہے''۔ گھمبیر آواز پر اس نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اس کی نگاہیں ڈارک براؤن آنکھوں کی طغیانی میں اٹک سی گئی تھیں' آنکھیں بلاشبہ حسین تھیں مگر ان کی خوبصورتی میں اضافہ موتیوں نے کیا تھا۔

''آپ کو چوٹ لگی کیسے؟'' وہ نگاہ ہٹا کر لکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور ماہین نے اسے تفصیل بتا دی تھی۔

''او سوسیڈ آپ کے تو ٹیٹنس کا انجکشن......''

''مجھے...... مجھے کوئی نہیں لگوانا انجکشن' مجھے بہت ڈر لگتا ہے''۔ اس نے نگاہ اٹھائی تھی' سرخ چہرہ اب خوف کا منظر پیش کر رہا تھا۔

''انجکشن تو آ...پ کو لگوانا پڑے گا' یہ بتائیں کہیں اور تو چوٹ......'' اس کی بات مکمل ہونے سے قبل عفیف نے زخمی ہتھیلیاں آ...گے بڑھا دی تھیں۔

''آپ اتنی دیر سے بتا کیوں نہیں رہیں کہ آپ کے ہاتھ بھی زخمی ہیں؟'' وہ گلابی ہتھیلیوں پر جا بجا لہو اور مٹی کے داغ دیکھ کر ا...بنہ...ا انرٹ ہو گیا تھا' اس نے اس کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے بلڈ صاف کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ لمحے میں ...نا... چیخ سی تھی۔

''ریلیکس! ہٹ زیادہ نہیں لگی آپ تو بچ... ...رہی ہیں......''

''آپ کو نہیں لگی نا اس لیے ایسے کہہ رہے ہیں' میری تو درد کے ...ے جان نکلی جا رہی ہے''۔ وہ سوں سوں کرتی نم ...ہ... اس کی بات کاٹ گئی تھی اور وہ ایک بار پھر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ...گیا تھا' نم پلکیں' گلابی چہرہ سرخ متورم ناک' وہ بلاشبہ دوسروں کو اپنی جانب متوجہ کر لینے کے تمام ہتھیاروں سے لیس تھی' ...س نے بمشکل ...ہ ہٹا کر اس کی دونوں ہتھیلیاں پٹی میں جکڑ دی تھیں۔

''ماہی! مجھے انجکشن نہیں لگوانا ہے' تم میرے بیگ سے انہیں فیس نکال کر دے دو''۔ اس نے جلدی سے ماہین کو مخاطب کیا تھا اور کھڑی ہو گئی تھی' اس نے فیس لینے سے انکار کر دیا تو وہ یکدم ...بھڑک اٹھی تھی۔

''آپ نے کیا سوچ کر فیس لینے سے انکار کیا ہے؟'' وہ ناگواری سے اُ...سے دیکھ رہی تھی۔

''پلیز...... غلط فہمی کا شکار نہ ہوں' یہ میری کلینک نہیں ہے اس لیے......''

''او یعنی کہ آپ ڈاکٹر ہی نہیں ہیں' جبھی تو اتنے اناڑی انداز میں بینڈ یج کر رہے تھے یہ پکڑیں مجھے آپ کی

بتائی ہوگی دوائیں کھا کر مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے"۔اس نے ماہین کے ہاتھ سے نسخہ لے کر ٹیبل پر ڈال دیا تھا۔

"محترمہ! میں ڈاکٹر نہیں ہوں' میں ایک سائیکاٹرسٹ ہوں اور آپ جیسے پاگلوں کا تو بہت اچھے سے علاج کرتا ہوں"۔وہ تنگ گیا تھا۔

"اے مسٹر! پاگل کس کو......" وہ آگے کچھ کہتی مگر اس کی توجہ بیگ میں گنگناتے سیل نے لے لی تھی اور اس نے بیل سے سیل نکال کر "یس" کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

"گڑیا! تم ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچیں؟" زوہیب یزدانی کی فکر میں ڈوبی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"چاچو! گاڑی خراب ہوگئی ہے اور ہمیں کوئی ٹیکسی بھی نہیں مل رہی"۔ان کی آواز سنتے ہی آنسو بہنے لگے تھے۔

"تمہاری آواز کو کیا ہوا' تم ٹھیک تو ہو؟" اس کا نم لہجہ انہیں متفکر کر گیا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں چاچو! بس آپ جلدی سے آ جائیں"۔اس کی آواز بھرا گئی تھی' ماہین نے انہیں ڈاکٹر سے ایڈریس پوچھ کر سمجھایا تھا اور وہ دونوں وہیں رک کر ان کا انتظار کرنے لگی تھیں' زوہیب یزدانی فوراً آفس سے نکلے تھے اور آدھے گھنٹے کا راستہ 20 منٹ میں طے کر کے وہ "مراد کلینک" کے سامنے کھڑے تھے اور وہ دونوں بھی اسی وقت باہر نکلی تھیں زوہیب یزدانی اس کے ماتھے پر بندھی پٹی دیکھ کر از حد پریشان ہو گئے تھے جبکہ وہ ان کے سینے سے لگی بلک اٹھی تھی اور اس کا اس طرح رونا انہیں اور زیادہ متفکر کر گیا تھا جبکہ کلینک سے نکلتے مستغیر شاہ نے کچھ حیرت اور کچھ ناگواری سے یہ سب دیکھا تھا' انہوں نے کسی لڑکی کو اس طرح روتے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

"عنمی جانو! یہ چوٹ کیسے لگی؟" وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے اور اس نے انہیں تفصیل کہہ سنائی تھی۔

"دیکھ کر تو چلتیں گڑیا! چوٹ زیادہ تو نہیں لگی' چلو میں خود تمہیں ڈاکٹر......"

"آئی ایم اوکے چاچو! میں نے ڈاکٹر کو دکھایا ہے' پریشان نہ ہوں اور فوراً گھر چلیں' مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے"۔اس نے جان کر ان کی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی تھی۔

"آئی ایم ایکسٹریملی سوری' یہ سب میری وجہ سے......"

"ارے نہیں بیٹا! اس میں آپ کا کیا قصور' یہ تو شکر ہے کہ عنمی کے زیادہ نہیں لگی"۔انہوں نے اس کی شرمندگی کم کرنا چاہی تھی جبکہ وہ تو لفظ بیٹا پر اٹک گئی تھی' ایک ہینڈسم شخص کا اسے اس طرح مخاطب کرنا قطعاً نہیں بھایا تھا' زوہیب یزدانی نے پہلے ماہین کو ڈراپ کیا تھا اور دوائیں لیتے گھر آ گئے تھے۔

"دادو! میں بالکل ٹھیک ہوں"۔وہ اسے دیکھتے ہی پریشان ہو گئی تھیں۔

"زوہیب! تم روز کی طرح عنمی کو پک کرنے جاتے تو اس کا ایکسیڈنٹ کبھی نہ ہوتا' میٹنگ اٹینڈ کرنا ضروری تھا' جانتے بھی ہو یہ کتنی کیئرلیس ہے"۔زرینہ یزدانی پوتی کو سینے سے لگائے بیٹے کو ڈانٹ رہی تھیں۔

"دادو! چاچو کو نہ ڈانٹیں' ان کا کوئی قصور نہیں ہے' چاچو تو میٹنگ چھوڑ کر آنے کو تیار تھے میں نے ہی کہا کہ میں اپنی کلاس فیلو......"

"زوہیب! تم ایسے کیسے کسی پر اعتبار کر سکتے ہو؟ اگر عنمی کو کچھ ہو جاتا تو...... تم اتنے غیر ذمہ دار کیسے ہو سکتے ہو؟" وہ انہیں ڈپٹ رہی تھیں۔

"دادو! مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے"۔ اس نے ان کی توجہ ہٹائی تھی۔

"جاؤ! جا کر چینج کرو، ہم جب تک ہاجرہ سے کہہ کر کھانا لگواتے ہیں"۔ وہ فوراً کچن کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

"سوری چاچا! میری وجہ سے آپ کو ڈانٹ کھانا پڑی، بٹ آئی ایم ویری ہیپی"۔ وہ مسکرائی۔

"ہیں..... وہ کیوں بھئی! مجھے ڈانٹ پڑ رہی تھی اور محترمہ خوش ہو رہی ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے"۔ انہوں نے آنکھیں نکالیں تھیں۔

"ارے چاچو! آپ کو ڈانٹ کھاتے دیکھ کر نہیں، دادو کی ڈانٹ میں چھپے اپنے لیے پیار کو دیکھ کر میں خوش ہو رہی تھی"۔ وہ انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"اچھا اب جا کر چینج کر لو شرارتی بلی..... ورنہ اماں سے مجھے پھر ڈانٹ پڑے گی اور تم جیسی بدتمیز بھتیجی کو بڑی مسرت حاصل ہوگی"۔ ان کے مصنوعی خفگی سے کہنے پر وہ ہنستے ہوئے اپنے روم میں چلی گئی تھی۔

............☆☆☆............

"دادو! میں نے تمہیں بتایا، یہ سوپ وپ، سر میں ہی تو لگی ہے کوئی میرا ہارٹ فیل نہیں ہو گیا جو اتنے پرہیز......"

"عفیف......!" وہ دونوں ساتھ ہی اُس کو ٹوک گئے تھے۔

"عفی! کبھی تو بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو"۔ زوھیب یزدانی نے اُسے ڈپٹا تھا اور وہ شرمندہ ہوتے ہوئے

سوری کرنے لگی تھی۔
''اب بیٹھی کیوں ہو سوپ ٹھنڈا ہو رہا ہے''۔ زرینہ یزدانی کے کہنے پر اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیے تھے اپنے لیے پلیٹ میں چاول نکالتے زوہیب یزدانی کے ہاتھ رُک گئے تھے وہ دونوں کھانا چھوڑ کر باری باری اسے سوپ اور بریانی کھلا رہے تھے۔
''بس میرا پیٹ بھر گیا ہے میں سونے جا رہی ہوں آپ دونوں بھی کھانا کھالیں''۔ وہ چیئر کھسکا کر اُٹھ گئی تھی۔
''فوراً سونے کی ضرورت نہیں ہے' میں ہاجرہ کے ہاتھ دوا بھیج رہی ہوں وہ کھا کر سونا''۔ انہوں نے اُسی وقت ملازمہ کو آواز لگائی تھی۔
''سوری زوہیب بیٹا! عفی کو دیکھ کر تو ہماری جان ہی نکل گئی تھی اس لیے تم پر بے جا خفا ہونے لگے تھے''۔ وہ بیٹے کی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے بولی تھیں۔
''عفی کو دیکھ کر تو میں بھی کافی ڈر گیا تھا' مستقل رونے کی وجہ سے آنکھیں کس قدر سرخ ہو گئی تھیں' آپ پریشان نہ ہوں آئندہ عفی سے زیادہ کسی بھی چیز کو امپورٹنس دینے کے بارے میں سوچوں گا بھی نہیں''۔ وہ سچائی سے بولے تھے۔
''تمہاری میٹنگ کیسی رہی؟''
''بہت اچھی...... میرے باس بھی میرے کام سے بہت خوش ہیں''۔ زوہیب یزدانی ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک اچھی پوسٹ پر کام کر رہے تھے۔
''خدا تمہیں بہت زیادہ ترقی عطا فرمائے' آمین''۔ وہ بیٹے کو دعا دیتی اٹھ گئی تھیں' ان کا رُخ عفیف کے روم کی جانب تھا۔

............☆☆☆............

''دادو! آپ نے میرا سیل فون دیکھا ہے؟ کہیں مل ہی نہیں رہا......'' وہ کچن میں ملازمہ کو رات کے کھانے کی ہدایت دیتیں زرینہ یزدانی سے پوچھ رہی تھی۔
''اِدھر اُدھر رکھ دیا ہوگا' تمہیں اپنی چیزوں کا خیال رہتا ہی کب ہے''۔ انہوں نے کہتے ہوئے ملازمہ کو موبائل ڈھونڈنے کے لیے کہا تھا۔
''بی بی جی! میں نے سب جگہ دیکھ لیا' موبائل کہیں نہیں ملا''۔
''پھر آخر میرا موبائل گیا کہاں' اچھا پہلے دیکھو کس کا فون ہے''۔ وہ جھنجھلا کر بولتی مستقل بجتے فون کی جانب متوجہ ہو گئی تھی' تھوڑی ہی دیر بعد ملازمہ کارڈلیس اٹھائے اس کے پاس آ گئی تھی جسے تھامتے ہوئے وہ بولی تھی۔
''ہیلو' عفیف یزدانی اسپیکنگ''۔ وہ کچھ غصے میں اتنا ہی کہہ سکی تھی کہ بھاری مردانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔
''میں مستنیر شاہ بات کر رہا ہوں' آپ اپنا موبا......''
''ارے بتا تو ایسے رہے ہیں جیسے میں آپ کو بڑا جانتی ہوں' آپ ہیں کون؟ اور کیوں فون کیا ہے؟''
''آپ دوپہر میں ''مراد کلینک'' آئی تھیں اور اپنا موبائل یہیں......''
''میرا سیل فون آپ کے پاس ہے اور میں یہاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئی''۔ اس نے پوری بات سنے بغیر کہا تھا اور اُسے غصہ آ گیا تھا۔
''مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے' میں آپ کا مرض پہلے ہی تشخیص کر چکا ہوں' میں نے اپنا کارڈ آپ کو وقت سے پہلے دے دیا ہے' اس سے قبل آپ کی دماغی حالت سنبھلنے کے قابل نہ رہے میرے کلینک آ کر اپنا علاج کروا

لیں"۔ وہ نہایت تپے ہوئے لہجے میں کہتا اُسے بھی غصہ دلا گیا تھا۔
"میں پاگل نہیں ہوں' مجھے تو آپ پاگل لگتے ہیں' پاگلوں کا علاج کرتے کرتے آپ کی دماغی حالت مشکوک......"
"مس عفیف! آپ کا سیل میرے پاس ہے جب چاہیں آ کر لے جائیں' اللہ حافظ"۔ اس نے غصے سے فون رکھ دینا چاہا تھا' تبھی ایئر پیس سے ابھری آواز سن کر رک گیا تھا۔
"جی فرمایئے......" وہ نہایت سرد لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"پلیز...... اپنا ایڈریس لکھوا دیں' کارڈ میں نے وہیں پھینک دیا تھا"۔ اس نے ہاجرہ کی بیٹی کو بلا کر ایڈریس نوٹ کروایا تھا۔
"آپ جتنا جلدی ہو سکے اپنی امانت لے جائیں کیونکہ......"
"آپ کو زیادہ ہدایت دینے کی ضرورت نہیں ہے' ہمیں اپنی چیز جب چاہیے ہو گی آ کر لے جائیں گے"۔ وہ اس کے روکھے لہجے پر تپ کر بولی تھی۔
"آپ کی مرضی ہے' میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ کل صبح تک لے جائیں گی تو ٹھیک ورنہ......"
"ورنہ کیا مسٹر! میرے قیمتی موبائل پر نیت خراب ہو رہی تھی تو ویسے ہی ہضم کر لیا ہوتا' انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر طنز سے بولی تھی۔
"محترمہ! کبھی تو کسی کی مکمل بات سن لیا کریں اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں کوئی ٹٹ پونجیا نہیں ہوں جس کی نیت بیس پچیس ہزار کے موبائل فون پر خراب ہو جائے گی' میں ایک فون تو کیا لمحوں میں پورے موبائل مال کا مالک بن سکتا ہوں"۔
"کیوں آپ کہیں کے ڈان ہیں کیا؟" اس کی زبان پھسلی تھی۔
"یہی سمجھ لیں اور کل 3 بجے کے بعد دو دن بعد تشریف لایئے گا کیونکہ میں کل شام کو گاؤں چلا جاؤں گا"۔ اس نے بات مکمل کر کے فوراً فون بند کر دیا تھا مبادا کہ وہ کچھ اور نہ کہہ بیٹھے۔
"ڈان ہے تو گاؤں کیوں جا رہا ہے"۔ ریسیور کو گھورتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔
"اور کہہ کیسے رہا تھا" دو دن بعد تشریف لایئے گا" جیسے میں واقعی اس سڑے پاگل ڈاکٹر کی پیشنٹ ہوں"۔ اس نے غصہ سے ریسیور پٹخ دیا تھا اور پھر یاد آنے پر واثقہ کا نمبر ملانے لگی تھی۔

............☆☆☆............

"عفی! اب کیسی طبیعت ہے؟" ماہین اس کے گلے لگتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"بہت خراب......" وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔
"کیا تکلیف بہت زیادہ ہے؟" وہ دونوں بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔
"تکلیف شکلیف مجھے کوئی نہیں ہے بٹ میری دادو نے مجھے برسوں کا مریض بنا دیا ہے' اتنی سی چوٹ پر اتنے پرہیز کروائی ہیں کہ مت پوچھو"۔ وہ منہ بنا کر اپنے مخصوص انداز میں بول رہی تھی۔
"تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا یار! تم تو بڑی لکی ہو تمہارے گھر والے تمہیں اتنا چاہتے ہیں"۔ وہ رشک بھرے لہجے میں بولی تھی' ماہین اپنے پیرنٹس کی اکلوتی اولاد تھی مگر ان دونوں کے پاس ہی اس کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا اور بھائی فارن میں تھا' اس کی مما سوشل ورکر جبکہ والد بیوروکریٹ تھے۔

''انہوں' پتہ ہے اس دن دادو نے چاچو کو کتنا ڈانٹا تھا' بے چارے چاچو نے میٹنگ اٹینڈ کرنے سے ہی توبہ کرلی''۔ وہ ہنسنے لگی تھی' اس نے کافی حیرت سے اُسے دیکھا تھا وہ کتنی پرسکون اور خوش تھی۔

''تم میری کال ریسیو کیوں نہیں کررہی تھیں؟'' اس نے موضوع بدلا تھا۔

''موبائل ہوتا تو کرتی''۔اس نے ساری تفصیل اسے بتادی تھی۔

''تو یار تم اپنے چاچو کو میسج کر منگوا......''

''نہ بابا' وہ تو ڈان ہے میرے پیچھے ہی نہ پڑ جائیں' میں نے تو چاچو کو بتایا بھی نہیں' انہوں نے مجھے نیا سیل لا دیا ہے' میں آج تمہیں فون کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ تم خود آ گئیں''۔عفیف کی بے وقوفی پر وہ ہنسنے لگی۔

''مغی...... یو آر میڈ' اس نے محض مذاق میں کہا ہوگا اور تم ہو کہ سیریس سمجھیں''۔ وہ کچھ خفیف سی ہوگئی تھی۔

''خیر چھوڑ' معمولی سا موبائل ہی تو تھا''۔ وہ خفت مٹانے کو بولی تھی۔

''ابھی سے کہاں جارہی ہو' کھانا کھا کر چلی جانا''۔اسے جانے کو پرتولتے دیکھ کر عفیف نے بولا تھا اور وہ پھر بھی آنے کا کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی' وہ جس کی وجہ سے آئی تھی اُن سے ملاقات ہونہ سکی تھی' وہ لان میں تھیں جب زوہیب یزدانی کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی اور ایک مسکراہٹ ماہین کے چہرے پر پھیل گئی تھی مگر اس کی مسکراہٹ ان کے فارمل انداز پر سمٹتی چلی گئی تھی' وہ محض ہائے ہیلو کہہ کر اندر چلے گئے تھے۔

''آپ شاید عفی کی وجہ سے بننے کی کوشش کررہے ہیں مگر میں جانتی ہوں آپ مجھے زیادہ دن اگنور نہیں کرپائیں گے''۔اس نے اُن کی پشت کو گھورتے ہوئے خود سے کہا تھا' اس کی کافی لڑکوں سے دوستی تھی' وہ کافی خوبصورت بھی تھی اس لیے لوگوں کی توجہ جلد سمیٹ لیتی تھی اور اُسے بھی لوگوں کو متوجہ کرلینے کے سارے ہنر آتے تھے' وہ خود پہلی دفعہ کسی سے انسپائر ہوئی تھی اس لیے وہ جلد سے جلد اپنا آپ منوالینا چاہتی تھی جبکہ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے غلط شخص کا انتخاب کیا ہے وہ تو پہلے ہی اپنا سب کچھ کسی اور کے نام کرچکے تھے۔

............☆☆☆............

''آخر جانے کیا وجہ ہے جو دادو اور چاچو مجھ سے میرے پیرنٹس کی کوئی بات کرتے ہی نہیں ہیں......؟ میں نے تو ان کی ایک تصویر تک نہیں دیکھی جبکہ میں نے کل ہی دادو کو کسی تصویر کو دیکھ کر روتے دیکھا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہ یقیناً میرے پیرنٹس کی ہی تصویر ہوگی مگر نہ جانے کیوں دادو مجھ سے چھپاتی رہتی ہیں' مگر میں نے سوچ لیا ہے آج چاچو سے ضرور بات کروں گی' اپنے پیرنٹس کے بارے میں جاننے کا مجھے پورا حق ہے' دادو اور چاچو مجھ سے اب سچائی نہیں چھپا سکتے' میں اب بچی نہیں رہی جو دادو کے بہلانے سے بہل جاؤں گی' اب مجھے حقیقت بتانا ہی پڑے گی''۔ وہ دل میں ارادہ باندھتی زوہیب کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''چاچو! ایک بات پوچھوں گی تو آپ سچ سچ بتائیں گے''؟ کمپیوٹر پر کام کرتے زوہیب یزدانی کو غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا اور وہ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے مکمل اس کی جانب متوجہ ہوگئے تھے۔

''تم سے کب جھوٹ بولا ہے جو اس طرح تمہید باندھ رہی ہو''۔کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا تھا' وہ خلاف فطرت کافی سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

''کبھی آپ نے اور دادو نے مجھے سچ کا چہرہ بھی تو نہیں دکھایا' میں جانتی ہی نہیں ہوں کہ میرے پیرنٹس کون تھے کیا تھے' کیسے تھے؟'' وہ رنجیدگی سے بولی تھی۔

''مغی! اماں جان نے کچھ کہا ہے؟''

"دادو نے کچھ نہیں کہا' یہی تو افسوس ہے چاچو! کہ مجھ سے کوئی کچھ کہتا نہیں ہے' رات دادو کسی تصویر کو دیکھ دیکھ کر رو رہی تھیں مجھے دیکھتے ہی انہوں نے وہ تصویر فوراً چھپا دی' میں جاننا چاہتی ہوں چاچو! کہ وہ تصویر کس کی تھی؟ اور میرے پیرنٹس کی کوئی تصویر کیوں نہیں ہے' میں اپنے بابا......"

"گڑیا! کیا میں تمہارا بابا نہیں ہوں؟" روتی ہوئی عفیف سے پوچھا تھا۔

"چاچو آپ میرے کیا ہیں میں لفظوں میں بتا ہی نہیں سکتی آپ میرے دوست' بھائی' بہن' مما' بابا' میرا ہر قریبی رشتہ صرف آپ اور دادو ہیں' میری تو زندگی آپ لوگوں کے دم سے ہے' مجھے کبھی نہیں لگا کہ میرے پیرنٹس نہیں ہیں آپ دونوں کی چاہت نے کبھی کمی کی گنجائش نکلنے دی ہی نہیں اور میں اپنے پیرنٹس کی بابت اس لیے نہیں جاننا چاہتی کہ آپ کے پیار میں کوئی کمی رہ گئی ہے' یہ تو میرا فطری تجسس ہے چاچو جو مجھے یہ جان لینے پر اُکساتا ہے کہ میرے پیرنٹس کون تھے اور کیسے مجھے چھوڑ کر ابدی سفر پر چلے گئے اور ابدی سفر پر جانے والے تو کبھی بھی لوٹ کر نہیں آتے مگر کیا چاچو! جانے والوں کو یادوں میں زندہ رکھنے کا بھی مجھے حق نہیں ہے۔" وہ ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے برستی آنکھوں سے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔

"عفی! بعض باتوں سے لاعلم رہنا ہی بہتر ہوتا ہے یہی سوچ کر ہم نے کبھی تمہیں ماضی کے پنوں سے آشنائی نہ دی' مگر تم فورس کر رہی ہو تو میں کچھ نہیں چھپاؤں گا۔" وہ دھیرے دھیرے ماضی کے اوراق پلٹتے جا رہے تھے اور جیسے جیسے اُسے آگاہی مل رہی تھی حیرتوں اور دکھ کے انگنت پہاڑ اس پر ٹوٹتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

"عفی! گڑیا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اتنا اندھیرا کیے کیوں بیٹھی ہو؟" زوہیب یزدانی کے لائٹس آن کر دینے پر وہ آنسو صاف کرتی اٹھ بیٹھی۔

"گڑیا! یہ تم نے اپنا کیا حال بنایا ہوا ہے؟" وہ اس کے بکھرے بال اور سوجی آنکھیں دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں چاچو! آپ بتائیں کوئی کام تھا؟"

"اسی وجہ سے ہم تمہیں حقیقت بتانا نہیں چاہتے تھے' اماں جان تمہاری وجہ سے کس قدر پریشان ہیں' گڑیا بھول جاؤ وہ سب اور اپنی زندگی پہلے کی طرح گزارو۔" انہیں اس کی حالت دیکھ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوا سا ہوا تھا۔

"آج تمہاری فرینڈ کی انگیج منٹ ہے' چلو شاباش اٹھ کر جانے کی تیاری کرو' اپنی دوست سے ملو گی باہر نکلو گی تو طبیعت پر اس کا اچھا اثر پڑے گا۔" وہ تو بالکل ہی بھول گئی تھی کہ آج وائقہ کی منگنی ہے۔

"میرا دل نہیں کر رہا چاچو!"

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے' میں ابھی باہر جا رہا ہوں لوٹوں تو تم مجھے تیار ملو۔" وہ اسے پیار بھری دھمکی دیتے باہر نکل گئے تھے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

"واؤ...... آج تو میری گڑیا بڑی پریٹی گرل لگ رہی ہے۔" وہ اپنی تعریف پر جھینپ گئی تھی۔

"اماں جان! مجھے لگتا ہے ہماری گڑیا اب بڑی ہوگئی ہے اور ہمیں اس کے ہاتھ پیلے کرنے کے متعلق سوچنا چاہیے۔" وہ شرارت سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"اونہہ...... تم کہہ تو ٹھیک......"

"جی نہیں' کوئی ٹھیک نہیں کہا' مجھے ابھی تو کیا کبھی شادی نہیں کرنی' میں آپ دونوں کو چھوڑ کر کہیں جانے والی نہیں ہوں۔" وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

''اماں! سن رہی ہیں آپ اپنی پوتی صاحبہ کی گفتگو' یہ ساری عمر ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے یعنی اس کا ارادہ ہے کہ ہم اس کے باگڑ بلے کو گھر جمائی بنا کر رکھیں گے''۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اُسے چھیڑا تھا اور اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''تم بہت گندے ہو زوہیب! تم نے ہماری پوتی کو رُلا دیا ہے''۔ وہ اسے منانے کو بیٹے کو مصنوعی خفگی سے کہہ رہی تھیں۔

''اماں جان! آپ بڑی بھولی ہیں' اس کے رونے کی کوئی ''خاص'' وجہ ہے' میں نے آپ کی پوتی کے شہزادے کو باگڑ بلے کا نام جو دے دیا ہے''۔ وہ اُسے مستقل چھیڑ رہے تھے۔

''چاچو! آپ خاموش نہیں ہوئے تو میں ناراض ہو جاؤں گی اور آپ کے ساتھ کہیں بھی نہیں جاؤں گی''۔ وہ جھینپی جھینپی سی اُن دونوں کے ہی دل میں اتری جا رہی تھی۔ زرینہ یزدانی نے پوتی کی پیشانی چومتے ہوئے اس کی خوشیوں کے لیے ڈھیر ساری دعائیں مانگ ڈالی تھیں۔

''آپ دونوں ''دادی پوتی'' کا فیملی ڈرامہ ختم ہو گیا ہو تو چلیں' کافی لیٹ ہو چکے ہیں''۔ وہ اسے مسکراتے دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے۔

''ہائے...... میں مرگئی......'' وہ دو قدم چل کر رُکتے ہوئے بولی تھی۔

''خیر تو ہے' کیا ہوا؟'' زرینہ یزدانی نے ہول کر اُسے دیکھا تھا۔

''میں نے واثقہ کے لیے کوئی گفٹ تو لیا ہی نہیں''۔ وہ اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی تھی۔

''میری بھلکڑ گڑیا! وہ میں لے چکا ہوں اس لیے تو آنے میں دیر ہو گئی تھی''۔ انہوں نے اُسے گھورا تھا اور وہ خجل ہوتی دادی کو خدا حافظ کہنے لگی تھی۔

''عفی! پرس تو لیتی جاؤ''۔ زرینہ یزدانی نے پیچھے سے آواز لگائی تھی اور وہ اپنی یادداشت پر افسوس کرتی صوفے پر رکھے پرس کو اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔

............☆☆☆............

مستنیر شاہ اپنے دوست سے باتوں میں مشغول تھا کہ خوبصورت نسوانی قہقہے نے اس کی توجہ بٹا دی تھی اور اس نے ہنسی کے تعاقب میں نگاہ دوڑائی تھی اور جو چہرہ نگاہ کے حصار میں آیا تھا اُسے دیکھ کر وہ دیکھتا رہ گیا تھا' وہ آدھے چہرے پر ہاتھ رکھے مستقل ہنسے جا رہی تھی۔

''عفیف یزدانی نام ہے' جناح یونیورسٹی میں پڑھتی ہے' پیرنٹس ......''

''یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟'' مستنیر شاہ حیران ہوا تھا۔

''جس طرح تو اسے دیکھ رہا تھا مجھے لگا کہ......''

''شٹ اپ واصف!'' اس نے فوراً اسے ٹوک دیا تھا۔

''بہت اچھی لڑکی ہے' تیرے سیریس ہو جانے میں کوئی برائی نہیں ہے' کہے تو میں تیری بات کرواؤں؟'' واصف اب بھی سیریس نہیں ہوا تھا اور وہ کوئی جواب دیتا کہ عفیف' عاتکہ (واصف کی سسٹر) کے ساتھ وہیں چلی آئی تھی اور واصف سے بات کرتے ہوئے اس کی نگاہ مستنیر شاہ پر پڑی تھی اور اس کا منہ بن گیا تھا۔

''عفیف! یہ میرے بیسٹ فرینڈ ڈاکٹر مستنیر شاہ ہیں اور مستنیر یہ میری سسٹر واثقہ کی دوست عفیف ہیں''۔ اس نے تعارف کروایا تھا۔

''نائس ٹو میٹ یو مس عفیف!'' اُس نے فارمیلٹی نبھائی تھی۔

''بٹ...... مجھے آپ سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ میں ڈان ٹائپ کی شخصیتوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی''۔ وہ نہ جانے کیوں ہائپر ہو گئی تھی۔

''مسٹر! پر تو تم زیادتی کر رہی ہو' اتنی زبردست پرسنیلٹی ہے میرے یار کی اور یہ ڈان شان نہیں پکا جاگیردار ہے' خیر یہ خیال کیونکر گزرا کہ یہ ڈان......''

''یہ جاگیردار بھی تو کسی ڈان سے کم نہیں ہوتے''۔ وہ تلخی سے کہتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ وہ بہت مشکلوں سے غصہ کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

''سوری یار! نہ جانے کیوں عفیف نے ایساری ایکٹ کیا' پھر بھی میں اس کی طرف سے سوری کرتا ہوں''۔ دامق اس کے ماتھے پر پڑے بلوں کو دیکھ کر شرمندگی سے بولا تھا۔

''اٹس او کے یار! اب مجھے اجازت دو''۔ وہ اندر کے اشتعال کو دباتا سادہ لہجے میں بولا تھا اور دامق اسے چھوڑنے باہر تک آ گیا تھا' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ عفیف پر پڑی تھی جو کسی کلاس میں بیٹھ رہی تھی۔

''مس عفیف! آپ کا سیل فون' ہم جاگیردار کسی کی چیز اپنے پاس نہیں رکھتے''۔ وہ تھینکس کہے بنا سیل لے کر کھلے فرنٹ ڈور سے اندر بیٹھ گئی تھی جبکہ وہ لب بھینچتا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

............☆☆☆............

''نیر! تیرے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ میں تجھ سے بات کر رہا ہوں اور تو ہے کہ میری جانب متوجہ ہی نہیں ہے''۔ دامق اس کی غائب دماغی نوٹ کرتا ٹوک گیا تھا اور وہ جیسے چونک اٹھا تھا۔

''سوری دامق! میں کچھ ڈپریس تھا بس اسی لیے توجہ نہ دے سکا' تم بتاؤ کیا کہہ رہے تھے' میں سن رہا ہوں''۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہوئے خود کو ریلیکس کیا تھا اور مکمل اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

''تو مجھے چھوڑ اور یہ بتا کہ کیوں ڈپریس ہے؟'' وہ اُسے کھوجتی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

''اماں سائیں کی وجہ سے پریشان ہوں' وہ مجھے حویلی میں رہنے کو کہہ رہی ہیں اور تو جانتا ہے دامق! میں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس گھر اور شہر میں گزارا ہے' مجھے تنہا رہنے کی اب عادت سی ہو گئی ہے' اور یار گاؤں کا فرسودہ ماحول تو مجھے بچپن سے ہی اری ٹیٹ کرتا ہے' وہاں کی جہالت' جاگیرداروں کا اثر و رسوخ' عورتوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا بھیڑ بکریوں کا سا سلوک' کچھ بھی تو مجھے اپیل نہیں کرتا' تو میں کیسے وہاں جا بسوں''۔ مستنیر شاہ کافی بے بسی سے کہہ رہا تھا' دامق نے اسے اتنا پژمردہ اور اداس کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''نیر! تو اپنے اصل سے آخر کب تک بھاگ سکتا ہے' تو کتنا ہی اس ماحول سے فرار ہونے کی کوشش کیوں نہ کر لے مگر تیری جڑیں تو اسی گاؤں میں پنپ رہی ہیں''۔ اس کی بات پر مستنیر شاہ نے اک ٹھنڈی سی آہ بھری تھی اور اسی کی بات کو آگے بڑھانے لگا تھا۔

''تو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے دامق! کبھی تو میرا دل کرتا ہے کہ میں اپنے اصل کی طرف لوٹ جاؤں مگر میں خود اپنے فیصلے اور سوچ کے درمیان لٹک رہا ہوں' کیونکہ میں آخر کب تک یہ کھوکھلی سی تنہا زندگی جی سکتا ہوں' ایک نہ ایک دن مجھے لوٹنا وہیں ہے جہاں کی میری خاک ہے' مگر دامق! جس دن میں وہاں گیا میں خود کو کھو دوں گا کیونکہ وہاں میرے اندر کی اچھائی یا اچھی سوچ چل ہی نہیں سکتی' مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں اپنے باپ' دادا کی پیروی نہ کرنے لگوں اور جس فعل کو میں نے بچپن سے بُرا جانا ہے اُسی فعل کو اپنی زندگی میں عمل کی صورت نہیں لانا چاہتا''۔ وہ شکستگی سے کہتا

اس پر حیرتوں کے کئی دروازے کھولتا جارہا تھا۔

''تو جب اُن سب روایات کو درست سمجھتا ہی نہیں ہے تو علم کی شمع روشن کیوں نہیں کر دیتا''۔ اس نے دل کی بات زبان پر لانے میں چند لمحے لگائے تھے۔

''اتنا آسان نہیں ہے واصف! اور تجھے کیا لگتا ہے کہ میں نے کبھی تبدیلی لانے کی کوشش کی ہی نہیں' نہیں یار! بہت بار میں نے کوشش کی مگر نتیجہ حسب منشاء نہیں نکلا' جیسے میرے باپ دادا کو حکمرانی کی عادت سی پڑ گئی ہے ٹھیک ویسے ہی وہاں کے لوگ بھی غلامی کے عادی ہو چکے ہیں' میرے گھر والوں کے نزدیک میری کسی بات کی کوئی اہمیت ہے ہی نہیں' جب کبھی بابا سائیں کو اُن کے بُرے رویے پر نظر ثانی کرنے کو کہا انہوں نے شہر نہ بھیجنے کی دھمکی دیتے ہوئے مجھے کہا کہ میں اپنی تعلیم اور شہری طریقے اپنے تک محدود رکھوں' انہیں سبق پڑھانے کی کوشش نہ کروں' گاؤں کے لوگ تو میری عزت پہلے بھی کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں مگر ان کا عزت دینے کا طریقہ ''چھوٹے سائیں'' کہتے ہوئے قدموں میں جھکے جانے تک محدود ہے' وہ میری ہر بات غور سے ایسے سنتے کہ ایک لمحے کے لیے مجھے لگتا کہ شاید تبدیلی کا آغاز ہونے کو ہے مگر نہیں واصف! وہ عقل کے دشمن میری ہر بات من وعن بابا سائیں تک پہنچا دیتے اور ایسے میں بابا سائیں کا جو رویہ میرے ساتھ ہوگا اُسے تم سمجھ ہی سکتے ہو' میرے یار وہاں کسی کو تبدیلی کی ضرورت ہے ہی نہیں' جاگیردار' کسانوں' غریبوں اور عورتوں کو اپنے قدموں میں جھکا کر' مرد' عورتوں پر حکمرانی کر کے 4 جماعت پاس جاہل کو اپنے سے کمتر سمجھ کر وہ کسی نہ کسی صورت بہت مطمئن ہیں' ایک غیر مطمئن تو بس میں ہی ہوں' جس کا اس ماحول کی پیداوار ہو کر بھی اس ماحول میں دَم گھٹتا ہے''۔ واصف بہت حیرانگی سے اُسے سن رہا تھا۔

''واصف! کبھی کبھی سوچتا ہوں یار کہ کاش میں بھی ایک عام جاگیردار ہوتا جس کی گھٹی میں اسے جہالت اور حکمرانی گھول کر پلائی جاتی ہے مگر رب سائیں نے جانے کیوں مجھے جاگیردار بنا کر ایک عام انسانوں والی سوچ عطا کر دی' میں بھی یا تو اپنے باپ کی طرح پکا جاگیردار ہوتا (جو اپنے اصولوں کی خاطر کسی کی بھی جان لے سکتا ہے) یا کم از کم جاگیردار گھرانے میں پیدا نہ ہوا ہوتا' اس طرح میں غیر مطمئن تو نہ ہوتا' اس طرح تو میں اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا' نہ اپنے اصل کی طرف لوٹنے کی خواہش ہے اور نہ ہی اس اجنبی ماحول میں ہی میں خوش ہوں''۔ مستغیر شاہ کے سانولے چہرے پر حزن وملال اور گہری سیاہ آنکھوں میں دکھ کی گہری سیاہ رات اتری ہوئی تھی' واصف نے موضوع تبدیل کر دینا ہی مناسب سمجھا تھا۔

''تیرے مریض کا کیا بنا' اس میں کچھ امپرودمنٹ ہوئی یا نہیں؟'' مستغیر شاہ نے خود کو ریلیکس کرنے کو پاؤں پھیلا لیے تھے اور صوفے پر نیم دراز ہو گیا تھا۔

''نہیں یار! اس میں کوئی امپرودمنٹ نہیں ہوئی' جب تک مریض کی کیس ہسٹری معلوم نہ ہو اس میں امپرودمنٹ کی توقع ہی عبث ہے' میں اس کی بہتری سے زیادہ ایک سراغ کی تلاش میں ہوں' 3 ماہ میں تو مجھے سراغ نہ مل سکا اور آگے بھی اُمید نہیں ہے لیکن میں ہمت نہیں ہاروں گا' نہ جانے کیوں واصف! وہ خاموش مریض مجھے اتنا اپیل کیوں کرتا ہے کہ میں اُسے امپرود ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں''۔ واصف اسے فرسٹریشن سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا' وہ دونوں میٹرک کلاس سے دوست تھے مستغیر شاہ اس کے گھر اکثر جاتا رہتا تھا' وہ ایک سائیکاٹرسٹ جبکہ واصف چائلڈ اسپیشلسٹ تھا۔

☆☆☆

''مسٹر اینڈ مسز شیرازی' اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم معقیہ بیٹی کو انگوٹھی پہنانا چاہتے ہیں''۔ زرینہ یزدانی تو پوتی کی پسند پر فریفتہ ہو گئی تھیں' اسی لیے پہلی دفعہ میں ہی انگوٹھی پہنا دینا چاہتی تھیں جبکہ وہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے

کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

''بیگم یزدانی! ہمیں سوچنے کے لیے کچھ وقت......''

''آپ سوچنے کے لیے جتنا چاہیں وقت لیں' ہم تو چاہتے ہیں کہ آپ کی جانب سے اقرار ہو' انکار کی صورت میں بھی ہم ہرگز بُرا نہیں منائیں گے' کیونکہ والدین اپنی اولاد کا کبھی بُرا نہیں چاہتے' اب ہمیں اجازت دیں انشاء اللہ اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا''۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ گئی تھیں اور زوہیب یزدانی کی تصویر مسز شیرازی کو دے دی تھی۔

''چاچو کی تصویر ضرور دیکھیے گا' انکار نہیں کر پائیں گی''۔ وہ جاتے جاتے اس کے کان میں شرارت سے سرگوشی کر گئی تھی جبکہ مقیتہ اپنے کمرے میں دُکھی دل سے آ گئی تھی اور بیڈ پر گرتے ہی اس نے کتنے ہی آنسو بہا ڈالے تھے۔

''سن سن دیدی' تیرے لیے ایک رشتہ آیا ہے''۔ واثقہ کی گنگناہٹ پر وہ اپنے آنسو صاف کرتی اٹھ بیٹھی تھی' واثقہ نے شرارت سے اس کی آنکھوں کے سامنے تصویر لہرائی تھی اور جو جھلک اس نے دیکھی تھی وہ بے چین ہو کر تصویر پر جھپٹ پڑی تھی جبکہ واثقہ تو اس کی حرکت پر ششدر رہ گئی تھی۔

''بیتا آپی! آپ زوہیب یزدانی کو پہلے سے جانتی ہیں؟'' مقیتہ کو اس کے حیرانگی سے پوچھنے پر اپنی بے اختیاری سی حرکت پر افسوس ہوا تھا مگر وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

''واثقہ! پلیز...... مما سے کہنا وہ اس رشتے سے انکار نہ کریں کیونکہ یہ منزل مجھے بہت دعاؤں کے بعد اپنے ساتھ چلنے کو کہہ رہی ہے اور میں اس منزل کی آخری حد تک جانا چاہتی ہوں''۔ واثقہ نے بہن کو بہت دن بعد کھل کر مسکراتے دیکھا تھا۔

''بیتا آپی! مجھے بتائیں گی کہ یہ سب......''

''واثقہ! مجھے نہیں پتہ تھا جس شخص کو میں تلاش کر رہی ہوں وہ میرے آس پاس تھے''۔ وہ اسے حالِ دل سنانے لگی تھی۔

''جب میں فرسٹ ڈے یونیورسٹی گئی تھی میری پہلی ملاقات زوہیب یزدانی سے ہوئی تھی' انہی کی مدد سے میں باآسانی اپنے ڈیپارٹمنٹ پہنچ گئی تھی' زوہیب مجھ سے سینئر تھے اور ان کے سبجیکٹ ڈیفرنٹ ہونے کی وجہ سے ان کا ڈیپارٹمنٹ میرے ڈیپارٹمنٹ سے بالکل آؤٹ سائیڈ پر تھا لیکن میں نے زوہیب کو اکثر اپنے ڈیپارٹمنٹ کے پاس دیکھا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے میں اُن سے محبت کرنے لگی' میں ان کے دل کے حال سے ناواقف تھی اور خود سے کچھ کہنے کی کبھی ہمت ہی نہیں پڑی' فرسٹ ڈے کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو کبھی مخاطب نہیں کیا تھا' میں ان سے خاموش محبت کر رہی تھی اور دو سال بعد میں نے یونیورسٹی چھوڑ دی اور آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میری چاہت یکطرفہ نہ تھی''۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

''بیتا آپی! پہلے کبھی آپ نے مجھ سے ذکر کیا ہوتا تو شاید آپ کو دو سال انتظار میں نہ گزارنے پڑتے لیکن میں آپ کے لیے بہت خوش ہوں' زوہیب یزدانی بہت زیادہ اچھے ہیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے روم سے نکل گئی تھی اور اس نے فوراً جا کر اپنی مما کو مقیتہ کے اقرار کا بتا دیا تھا۔

............☆☆☆............

''چاچو! ایک گڈ نیوز ہے' واثقہ کے گھر والوں نے ہاں کر دی ہے''۔ اس کے جوش و خروش سے بتانے پر ایک سایہ سا اُن کے چہرے پر لہرانے لگا تھا۔

''چاچو! آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ ان کو اداس دیکھ کر پوچھ رہی تھی مگر انہوں نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجالی تھی۔

''عفی! تمہاری خوشی میں ہی میری خوشی ہے''۔

''بٹ چاچو! آپ ایک دفعہ مینا آپی سے مل تو لیں''۔ وہ اُن سے بول رہی تھی لیکن انہوں نے نفی میں گردن ہلادی تھی۔

''تمہاری خوشی کی خاطر شادی کر رہا ہوں ورنہ میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہ تھا اور جہاں تک دیکھنے کی بات ہے تم نے پسند کرلیا تو سمجھو مجھے بھی پسند آ گئی اب فالتو کی باتوں میں پڑنے کے بجائے اماں کے ساتھ مل کر تیاری کرلو''۔ وہ اندر کے شور کو دباتے زبردستی مسکرا رہے تھے۔

''چاچو! دو ماہ بعد کی ڈیٹ فکس ہوئی ہے اور مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ اتنی ساری تیاریاں کیسے ہوں گی؟''

''تمیرا! تم نے پھیلایا ہے' خود ہی اس سب سے نمٹو اور اس وقت چلتی پھرتی نظر آؤ' مجھے آفس کا ضروری کام کرنا ہے''۔ وہ اس وقت تنہائی چاہتے تھے اس لیے اُسے ٹالا تھا اور اس کے جاتے ہی وہ نڈھال سے انداز میں بیڈ پر ڈھے گئے تھے۔

''وہ شاید میری قسمت میں ہی نہ تھی''۔ انہوں نے دلگرفتگی سے سوچا تھا اور الماری میں سے ایک ڈائری نکال لائے تھے اور بیڈ پر واپس بیٹھتے ہوئے ڈائری کھول کر اس میں سے ایک تصویر نکالی تھی' چند لمحے اسے پیار سے دیکھنے کے بعد اس کے ٹکڑے کردیئے تھے۔

''تمہیں بھول جانا میرے بس میں نہیں ہے ورنہ چار سال کسی کو دل میں بسا کر اور اُسے بھلانے کے لیے کم نہیں ہوتے مگر اب مجھے تمہیں بھلانا ہوگا' کیونکہ اب میری تمام چاہتیں کسی اور کے نام ہونے جارہی ہیں اور میں نہیں چاہوں گا کہ جانے انجانے میں' میں کسی کے ساتھ ناانصافی کر جاؤں''۔ انہوں نے اپنی متاعِ حیات کو شعلوں کی نذر کردیا تھا۔ وہ ڈائری جو چار برسوں سے ان کی چاہت' ان کی تنہائی کی ساتھی تھی دھیرے دھیرے ان کے تن من کی طرح سلگ رہی تھی اور بھڑکتے شعلے اُن کے اندر کی تڑپ میں اضافہ کررہے تھے اور انہوں نے دُکھی دل کے ساتھ تصویر کے چاروں ٹکڑے بھی شعلوں کی نذر کردیئے تھے' ہر ایک یادگار مٹاتے وہ نئے سفر کا آغاز کرنے کے لیے خود کو کسی حد تک تیار کرچکے تھے۔

............☆☆☆............

''دادو! یہ ڈریس دیکھیں! اچھا لگ رہا ہے ناں' میں چاچو کی برات میں پہنوں گی''۔ وہ ستائش بھری نگاہوں سے بھاری کامدانی سوٹ کو دیکھ رہی تھی۔

''پاگل ہوئی ہے بچی! اتنا بھاری سوٹ کیسے پہنوگی تم کوئی دوسرا سوٹ پسند کرلو''۔ انہوں نے سوٹ ریجیکٹ کردیا تھا۔

''دادو! اس میں کیا خرابی ہے؟ میں چاچو کی شادی میں سادے کاٹن کے سوٹ تو پہننے سے رہی''۔ اس کا فوراً منہ بن گیا تھا۔

''عفی چندا! یہ بہت زیادہ بھاری ہے تم کوئی اور سوٹ دیکھ لو' ایسے سوٹ تو شادی شدہ لڑکیاں پہنتی.....''

''میری شادی نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور..... کیا میں اپنی پسند سے ایک ڈریس بھی نہیں لے سکتی؟'' وہ بنا سوچے سمجھے بولی تھی اور اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ شاپ کیپرز بھی ہنسنے لگے تھے جبکہ وہ صرف اسے گھور کر رہ گئی تھیں' وہ چونکہ ہمیشہ یہیں سے شاپنگ کرتی تھیں اس لیے دکان کا مالک انہیں جانتا تھا' اس نے ان کی بحث سمٹنے کے لیے اسٹائلش سوٹوں کے ڈھیر لگادیئے تھے' اس نے تین سوٹ پسند کرلیے تھے۔

''انکل! آپ پلیز یہ سوٹ سیل مت کیجیے گا' میں اپنے چاچو کے ساتھ آ کرلے جاؤں گی''۔ وہ زرینہ یزدانی سے آنکھ بچا کر بولتی ان کے پیچھے ہی دکان سے نکل گئی تھی اور اس کی نگاہ سامنے سے آتی مقیتہ اور اس کی مدر پر پڑی تھی اور وہ خوشی سے چلائی تھی۔

"دادو! وہ دیکھیں چاچی......"

"آرام سے عفی! یہ گھر نہیں ہے"۔ انہوں نے پوتی کو سرزنش کی تھی اور وہ سوری کرتی اُن دونوں کے پاس آرکی تھی۔ زرینہ یزدانی نے موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ویڈنگ ڈریس معقیتہ کی پسند کا لینے کا سوچا تھا' مسز شیرازی نے بلاحجت معقیتہ کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تھی اور وہ خود عاتکہ کے ساتھ چلی گئی تھیں۔

"بیٹا! وہ سوٹ میں نے آپ کے لیے......"

"شش...... شش...... انکل! دادو میرے ساتھ ہیں"۔ وہ گھبرا کر بولی تھی مگر اس کے اشارے کو انہوں نے دیکھ لیا تھا اور وہ خجل ہوگئی تھی۔

"خان صاحب! ہماری بہو کے لیے اپنی شاپ کے سب سے قیمتی سوٹ دکھائیے"۔ معقیتہ ان کے طرز تخاطب پر مزید کنفیوژ ہوگئی تھی جبکہ وہ کھی کھی کرنے لگی تھی' ویڈنگ ڈریس انہوں نے معقیتہ کی رائے و پسند سے اورنج اور ریڈ کنٹراسٹ میں چوز کیا تھا اور ویسے کے لیے مرجنڈا کلر کی ساڑھی زرینہ یزدانی نے پسند کی تھی۔

"بیٹا! پوری شاپ میں گھوم کر دیکھ لو جو ڈریس پسند آتا جائے لیتی جانا' اچھا ہے تمہاری پسند کی بن جائے گی' پہننا بھی تو تمہیں ہی ہے"۔ وہ زرینہ یزدانی کے کہنے پر خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔

"چاچو کا فیورٹ کلر اورنج ہے"۔ اس نے شرارت سے سرگوشی کی تھی۔

"عفی! تم بیٹھ جاؤ' اسے یونہی تنگ کرتی رہیں تو وہ کچھ بھی خرید نہیں پائے گی"۔ دادو نے عفیف کو ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا تھا۔

"جائیے چاچی جان! پورے دس سوٹ پسند کر کے لو لے گا"۔ وہ شرارت سے باز نہیں آئی تھی۔ معقیتہ نے 4 سوٹ پسند کیے تھے جس میں سے ایک وہی فیروزی سوٹ تھا جو عفیف کو انہوں نے لینے نہیں دیا تھا۔

"دیکھا دادو! یہ سوٹ ہے ہی بہت خوبصورت' جو دیکھتا ہے اُسے پسند آجاتا ہے"۔ وہ سوٹ دیکھتے ہی بولی تھی۔

"عفی! یہ سوٹ تمہیں پسند ہے تو تم لے لو"۔ وہ نرمی سے بولی تھی۔

"مجھ سے زیادہ یہ سوٹ آپ پر جچے گا اور مزے کی بات' دادو آپ کو ردکیں گی بھی نہیں کیونکہ آپ شادی شدہ جو ہونے والی ہیں' مجھے تو صاف منع کر دیا تھا"۔ اس نے شرارت سے دادو کو دیکھا تھا جبکہ وہ بُری طرح جھینپ گئی تھی اور وہ ایک بار پھر ہنسنے لگی تھی اور وہ لوگ اس کے بعد جیولر کے پاس چلے گئے تھے۔

............☆☆☆............

مہندی کی یہ رات
آئی مہندی کی یہ رات
تجنیا ساجن کے ہے ساتھ
لے کر ہاتھوں میں ہاتھ
گوری کرت سنگھار......

"چاچو! دل تھام کے بیٹھیں' چاچی صاحبہ تشریف لا رہی ہیں"۔ عفیف نے سنجیدہ بیٹھے زوہیب یزدانی کو چھیڑا تھا اور پیلے رنگ کے غرارے میں چہرے کو گوٹے کنارے کے سبز آنچل سے ڈھانپے وہ اُن کے برابر آ بیٹھی تھی اور زرینہ یزدانی نے باقاعدہ رسم کا آغاز کیا تھا' معقیتہ کی گلابی ہتھیلی پر پان رکھ کر اس پر مہندی لگائی تھی اور گھونگھٹ میں سے ہاتھ لے جا کر اس کے ماتھے پر تیل اور اُبٹن لگایا تھا اور عفیف کو آنے کا اشارہ کیا تھا' اس نے زرینہ یزدانی کی

طرح اسے مہندی اور ابٹن لگایا تھا اور جبھی اسے شرارت سوجھی تھی۔

"چاچو! آپ کہیں تو چاچی کا گھونگھٹ......"

"ابھی نہیں ہو رہی ہے' مٹھائی کھلا دی آپ کا کام ختم......" واثقہ آگے بڑھ کر بولی تھی اور وہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئی تھی اور چند ایک لوگوں کے رسم سے فارغ ہونے کے بعد منیحہ کے گھر والوں نے رسم کا آغاز کیا تھا اور انگلی پکڑائی کی رسم کے لیے واثقہ آگے بڑھی تھی' اس نے زوہیب یزدانی کی چوڑی ہتھیلی تھام کر مہندی لگائی تھی اور مضبوطی سے انگلی تھام کر نیگ مانگنے لگی تھی۔

"چاچو! بے چاری اتنا مانگ ہی رہی ہے تو ایک سکہ دے دیں' خوش ہو جائے گی"۔ وہ زوہیب یزدانی کے کاندھے پر ہاتھ رکھے واثقہ کو شرارت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"اپنے سکے اپنے پاس رکھیں' ہمیں تو صرف 50 ہزار روپے دے دیں"۔ وہ چمک کر بولی تھی۔

"ایسا کر زوہیب' ایک ایک روپے کے 50 سکے دے دے"۔ یہ ان کا اکلوتا دوست وقاص خالد تھا اور عفیف ہنستی چلی گئی' وقاص خالد نے اس نٹ کھٹ سی لڑکی کو دیکھا تھا دھانی رنگ کے بنارسی سوٹ میں' آنکھوں میں کاجل' نیچرل لپ اسٹک' شولڈر کٹ شہد رنگ بال اور کلائیوں میں ہم رنگ کھنکتی چوڑیاں پہنے وہ زوہیب یزدانی کے برابر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بڑی بے نیازی سے ان کا دل دھڑکا گئی تھی' زوہیب یزدانی نے خاموشی سے جیب سے نیگ نکال کر دے دیا تھا۔

☆☆☆

"واثقہ! کوشش کرنے میں کیا حرج ہے' کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا"۔ وہ عفیف کے فورس کرنے پر نا چاہتے ہوئے بھی راضی ہو گئی تھی۔

"سوری چاچو! نہ جانے کیسے میرا پاؤں مڑ گیا اور میں آپ سے ٹکرا گئی"۔ عفیف کے ٹکرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں موجود کولڈ ڈرنک ان کے وائٹ بے داغ کاٹن کی قمیص کو داغدار کر گئی تھی۔

"عفی! گڑیا! دکھاؤ مجھے! اچھا ہے' موچ تو نہیں آئی"۔ وہ فکر مندی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"چاچو! موچ ووچ کچھ نہیں آئی' میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ اندر جا کر اپنے کپڑے صاف کر لیں"۔ اس کے بولتے ہی واثقہ آگے بڑھی تھی اور وہ اس کی ہمراہی میں چلتے ہوئے اس کے بتاتے ہوئے روم میں داخل ہو گئے تھے۔

"عفی! تم یہاں کیوں آ گئیں' کسی کو شک ہو گیا تو......"

"کچھ نہیں ہوتا یار! مجھے چاچو کے ایکسپریشن بھی تو دیکھنا تھے"۔ واثقہ کی جان پر بنی تھی جبکہ اسے مذاق سوجھ رہا تھا زوہیب یزدانی نے روم میں جیسے ہی قدم رکھا تھا ان کی نگاہ دیوار کی جانب منہ کر کے کھڑی لڑکی پر پڑی تھی۔

"آئی ایم سوری' مجھے نہیں پتہ تھا کہ......" اُن کی بات منیحہ کے پلٹنے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی۔ زوہیب یزدانی پیلے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس' پھولوں کے زیور پہنے' سادہ سے گلابی چہرے والی لڑکی کو 3 سال بعد اپنے سامنے دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔

"چاچو! کچھ کہنا یا پوچھنا ہے تو جلدی سے پوچھ لیں' ٹائم ضائع کیوں کر رہے ہیں"۔ وہ دروازے میں سے سر نکالتے ہوئے بولی تھی اور وہ جیسے ہوش میں آ گئے تھے جبکہ وہ اندر آ گئی تھی۔

''کہیے چاچو! آپ کو میری چاچی جان کیسی لگیں؟'' وہ شرارت سے پوچھ رہی تھی۔
''یہ سب کیا ہے شرارتی بلی......؟'' انہوں نے اس کا کان پکڑ لیا تھا۔

''ہائے...... میں مرگئی چاچو! کان چھوڑیں سب بتادوں گی''۔ اس نے کراہنے کی ایکٹنگ کی تھی۔
''زیادہ زور سے تو نہیں پکڑا''۔ وہ فوراً گھبرا گئے۔
''اُف...... چاچو! میری نہیں اپنی ہونے والی مسز کی فکر کریں صرف 5 منٹ ہیں آپ کے پاس آپ نے محبت بھی جانے کیسے کرلی''۔ وہ منہ بنا کر کہتی روم سے نکل گئی تھی۔
''ہمارا ملنا مقدر میں لکھا تھا اور یہ میری دعاؤں کا ثمر ہے جو آپ میری ہونے جا رہی ہیں ورنہ...... میں نے تو ہمت ہی ہار دی تھی' آپ کو بہت سی باتیں اور ہجر کی کہانیاں سنانی ہیں اور ایک اظہار کرنا ہے جو کبھی نہیں کر سکا اور اس سب کے لئے آج سے ٹھیک 4 دن بعد کی شب ہی مناسب رہے گی' مجھے اجازت دیں''۔ عفیف نے دروازہ ناک کیا تھا اور وہ جو کچھ اور کہہ رہے تھے فوراً اجازت طلب کر بیٹھے تھے۔

............☆☆☆............

''عفی! تمہیں کیسے پتہ لگا تھا کہ میں کسی میں انٹرسٹڈ ہوں اور وہ مقیتہ ہے؟'' وہ اپنی حیرت کو زبان پر لے آئے تھے۔

"چاچو! آج سے چھ ماہ قبل آپ کی برتھ ڈے تھی اور میں سویرے سویرے آپ کو وِش کرنے کے ارادے سے آپ کے روم میں گئی تھی' میں آپ کو اٹھانے کا سوچ رہی تھی کہ میری نگاہ ایک ڈائری پر پڑی تھی' ڈائری کھولتے ہی اس میں سے ایک تصویر گری تھی جسے دیکھ کر میں حیران رہ گئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ بینا آپی کی تصویر آپ کی ڈائری میں کیا کر رہی ہے' تصویر کی پشت پر "آئی لو یو" لکھے دیکھ کر مجھے ایک دفعہ پھر خوشگوار حیرت ہوئی تھی اور میں آپ کی ڈائری پڑھنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ آپ کو کسمساتے دیکھ کر میں نے ڈائری واپس رکھ دی تھی' اس کے بعد میں نے دادو کو بتایا اور جب آپ سے بات کی تو آپ راضی ہو گئے جس کی مجھے امید نہ تھی' چاچو! جب آپ کسی سے محبت کرتے تھے تو آپ میری پسند کردہ لڑکی سے شادی کیوں کرنے جا رہے تھے؟" کب سے ذہن میں کلبلاتے سوال کو اس نے آج کر ہی ڈالا تھا۔

"میں نے مقیتہ کو فرسٹ ٹائم لابی میں دیکھا تھا' وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کی تلاش میں ادھر اُدھر نگاہ گھما رہی تھی اور اس چہرے میں نہ جانے کیا تھا کہ میں پہلی ہی نگاہ میں اپنا دل ہار بیٹھا تھا مگر میں ایسا اُسے دو سال کے عرصے میں بھی نہ کہہ سکا اور مقیتہ نے اچانک یونیورسٹی چھوڑ دی' بعد میں' میں نے اُسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر وہ بہت قریب ہو کر بھی میری نگاہ سے اوجھل ہی رہی (وہ اکثر واثقہ کے گھر عفیف کو چھوڑنے اور لینے جاتے تھے) اور جب تم نے میری شادی کی بات کی تو میں نے سوچا مجھے تو میری محبت مل نہیں رہی کم از کم میں تمہاری خوشی ہی رکھ لوں مگر مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہی راستہ میری محبت کی جانب جاتا ہے' میری بھتیجی نے میری راہوں کے کانٹے چن لئے ہیں"۔ انہوں نے اُسے پوری تفصیل بتا کر شرارت سے اس کی ناک کھینچی تھی اور وہ اپنے چاچو کو خوش دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی۔

"چاچو! ایسے ہی خوش رہا کریں' آپ کی آنکھوں میں اداسی بالکل اچھی نہیں لگتی"۔

"او کے دادی ماں"۔ انہوں نے سر تسلیم خم کیا تھا۔

"چاچو! آپ مجھے ایسے ہی پیار کرتے رہیں گے' کبھی بدلیں گے تو نہیں...... بی کاز آئی ریئلی لو یو سو مچ"۔ کسی خدشے کے تحت آنکھ میں موتی چمکنے لگے تھے۔

"آئی لو یو ٹو عفی جانو! تمہیں کب میرے پیار میں کمی محسوس ہوئی جو اس طرح خدشات کا شکار ہو رہی ہو' تمہاری اہمیت و جگہ کوئی نہیں لے سکتا"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے آنسو صاف کئے تھے اور وہ مطمئن ہو کر اُن کے کاندھے پر سر لگا گئی تھی اور وہ اس کی معصومیت پر ہنس دیئے تھے۔

............☆☆☆............

"عفی! بہت پیاری لگ رہی ہو"۔ ماہین نے اس کی تعریف کی تھی جبکہ وہ جھینپ گئی تھی۔

"یار ماہی! کیا میں واقعی اچھی لگ رہی ہوں جبکہ میں نے نیچرل لپ اسٹک اور کاجل کے علاوہ کچھ لگایا ہی نہیں' مجھے تو تم بہت اچھی لگ رہی ہو' آئی شیڈ اور ڈارک لپ اسٹک (میرون) تم پر بہت سوٹ کر رہی ہے"۔ وہ اُسے ستائش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی' میرون شارٹ شرٹ اور ٹراؤزر میں فل میک اپ کیے وہ واقعی بہت زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

"بھئی تم تو اس سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی ہو اور مجھے لگتا ہے کہ آج تو کوئی ہینڈسم ضرور تم پر مر مٹے گا"۔ اس نے سچ ہی کہا تھا وہ بلیک لہنگے میں سادگی سے تیار ہوئی بھی کافی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔

"شٹ اپ ماہی!" وہ بلش کر گئی تھی' وہ دونوں ہال میں انٹرنس سے تھوڑے فاصلے پر سائیڈ میں کھڑی تھیں اور

ہال میں انٹر ہوتا مستغیر شاہ سرخ چہرے کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا تھا۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں عفی! تم بہت زیادہ حسین ہو کوئی بھی تم سے محبت کر سکتا ہے"۔ ماہین نے اُسے اُس کی خوبصورتی کا یقین دلانا چاہا تھا۔
"ماہی! کیا میں واقعی خوبصورت ہوں میری تو دادو اور چاچو کے علاوہ کسی نے کبھی تعریف ہی نہیں کی اور یار آج کل لڑکیاں اتنا سب کچھ کرتی ہیں اور ایک میری دادو ہیں میں نے کہا مجھے ریڈ لپ اسٹک لگانے دیں صاف منع کر دیا اور مایوں میں برانڈہ ڈالنا چاہتی تھی کہنے لگیں لڑکیاں گجرے نہیں لگاتیں اب تم خود بتاؤ ڈھلے ہوئے منہ کے ساتھ کون اچھا لگتا ہے؟ لیکن دادو کو سمجھ ہی نہیں آتی جو بھی کرنے کو کہتی ہوں صاف منع کر دیتی ہیں کہ غیر شادی شدہ لڑکیاں یہ نہیں کرتیں وہ نہیں کرتیں اب میری شادی نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور"۔ وہ ناک چڑھا کر کہتی ماہین کو ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی اور کچھ فاصلے پر موجود شخص نے اس کی گفتگو بمعہ انداز کے ملاحظہ کی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔
"اوہ تو میڈم کو شادی کرنے کا بہت شوق ہے"۔ ماہین نے اُسے چھیڑا تھا۔
"بکواس نہ کرو میں نے ایسا کب کہا مجھے شادی وادی کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے"۔ وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔
"سوچ لو شادی ہو جائے گی تو تم ساڑھی بھی پہن سکو گی اور ریڈ لپ اسٹک بھی لگا سکو گی تم پر سجنے سنورنے کی کوئی پابندی نہ رہے گی"۔ ماہین اسے مستقل تنگ کر رہی تھی۔
"ویسے ماہی! جب بھی میں نے شادی کی تو بس اسی لئے کروں گی تاکہ خوب سنگھار کر سکوں اور دادو مجھے روک بھی نہ سکیں"۔ اس نے منہ بنا کر اپنے عزائم بتائے تھے۔
"یہ بات ہے عفی ڈیئر! تو اب دیکھ لو اس ہال میں کون ایسا ہے جس کی خاطر تم سجنا سنورنا چاہو گی"۔ ماہین نے معنی خیزی سے آنکھیں گھمائی تھیں۔
"بہت فضول بولتی ہو ماہی!" اس نے لہو چھلکاتے چہرے کو بغور دیکھا تھا اُسے نفرت سی محسوس ہوئی تھی اور وہ کچھ کہتی کہ واثقہ اسے بلانے چلی آئی تھی اور وہ لوگ اسٹیج کی جانب بڑھ گئی تھیں۔
"چاچو! منع کر دیں ورنہ نیگ بھی دینا پڑے گا"۔
"وہ بھی جھوٹے دودھ کا"۔ عفیف کے ساتھ ماہین نے بھی ٹکڑا لگایا تھا۔ زوہیب یزدانی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور انہیں اس کی آنکھیں نم لگی تھیں۔
"جھوٹا کھانے پینے سے محبت بڑھتی ہے اسی لئے مائی فرینڈ لگے رہو"۔ وقاص خالد کی بات پر سب ہی ہنسنے لگے تھے۔
"سوچ کیا رہے ہو بیٹا! یہ رسم ہے بھائی تو پڑے گی"۔ ماں کے کہنے پر انہوں نے چند گھونٹ پی کر گلاس واثقہ کو دیا تھا اور ساتھ ہی نیگ بھی دے دیا تھا۔
"آپ بھی فضول ہیں چاچو! اتنی آسانی سے نیگ دے دیا اپنی سالی صاحبہ کو تھوڑا تو تنگ کرتے"۔ اس نے چاچو کو کہتے اُسے شرارت سے دیکھا تھا اور واثقہ اسے منہ چڑاتی اسٹیج سے اتر گئی تھی وہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکی تھی کہ لہنگے میں پاؤں ایسا الجھا تھا کہ وہ گر گئی تھی۔
"دادو......" اس کا سر پائیدان سے ٹکرایا تھا اور درد کی ایک لہر پورے وجود میں دوڑ گئی تھی۔
"عفی......" زوہیب یزدانی نے اُسے لپک کر اٹھایا تھا اور اس کے ماتھے سے بہتے خون کو دیکھ کر وہ اور زرینہ

یزدانی ازحد پریشان ہو گئے تھے۔

''زوہیب! اس کے کتنا خون بہہ رہا ہے جلدی سے ڈاکٹر کے پاس لے کر چلو''۔ زوہیب یزدانی رومال میں خون جذب کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو اس کے ماتھے سے بہہ کر گالوں کو تر کرنے لگا تھا جبکہ وہ روئے جا رہی تھی۔

''آپ لوگ پلیز پریشان نہ ہوں' میں دیکھ لیتا ہوں''۔ مستغیر شاہ نے آگے بڑھ کر کہا تھا اور واصف کے ہاتھ سے فرسٹ ایڈ باکس لے لیا تھا' عفیف آنکھیں بند کر کے چیئر پر بیٹھی تھی' زرینہ یزدانی دائیں طرف اس کا ہاتھ پکڑے جبکہ بائیں طرف زوہیب یزدانی کھڑے تھے۔

''پلیز مس عفیف! حوصلہ رکھیں''۔ وہ اس کے گلابی چہرے میں اپنا دل اٹکتا محسوس کر رہے تھے اور اپنی ذہنی رو کو بھٹکنے سے محفوظ رکھنے کے لئے دھیرے سے کہتے ہوئے بینڈیج کر دی تھی۔

''گڑیا! اب چپ بھی کر جاؤ' سارے مہمان کیا سوچ رہے ہوں گے کہ ہماری عفیف اتنی کمزور ہے کہ اتنی سی چوٹ پر بچوں کی طرح رونے بیٹھ گئی ہے''۔ وہ واثقہ کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے اسے پانی پلاتے بولے تھے۔

''سوری چاچو! بٹ...... بچوں' بڑوں سب کو تکلیف تو ایک جیسی ہی ہوتی ہے''۔ وہ سوں سوں کرتی معصومیت سے بولی تھی اور کتنے ہی چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی مگر کوئی ایک ایسا بھی تھا جس کا دماغ شیطانی جال بُن رہا تھا۔

''عفی! یہاں سے اب بالکل نہیں اٹھنا' رخصتی بس ہو رہی ہے''۔ دادو اُسے ہدایت دیتیں اسٹیج کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

''ماہی! ہم بھی چلتے ہیں''۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی مگر ماہین نے آنے سے انکار کر دیا تھا' وہ خود ہی اسٹیج کی جانب بڑھی تھی' چل آگے رہی تھی اور دیکھ پیچھے رہی تھی اس لئے لڑکھڑا گئی تھی' اسے دو بازوؤں نے اپنے گھیرے میں لے کر گرنے سے بچا لیا تھا۔

''محترمہ! آپ کو گرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے کیا......؟'' مستغیر شاہ اس کی چمکتی ہوئی سیدھی مانگ پر نگاہ جمائے بولا تھا اور دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا' وہ سانولے چہرے پر ناچتی شرارت اور گہری سیاہ آنکھوں میں دوڑتے خمار کی تاب نہ لاتے ہوئے نگاہ جھکاتے ہوئے اس کے بازوؤں کی پناہوں سے نکلی تھی۔

''عفی...... یو آل رائٹ؟'' ماہین نے اس کے نزدیک آ کر پوچھا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلاتی آگے بڑھ گئی تھی۔

''اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو''۔ اس کے ٹماٹر جیسے سرخ چہرے کو دیکھ کر زوہیب یزدانی نے پوچھا تھا۔

''کک...... کچھ...... نہیں چاچو......!'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے نگاہ اٹھائی تھی اور اسٹیج کی دوسری طرف واصف کے ساتھ کھڑے مستغیر شاہ پر جا ٹھہری تھی' وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے اور اُن کے اسمائل پاس کرنے پر اس کی گھنیری پلکیں عارضوں کو چھونے لگیں تھیں۔

............☆☆☆............

''چھوٹے سائیں! آج آپ نے آنے میں بہت دیر کر دی' کھانا لگاؤں؟''

''کھانا میں کھا چکا ہوں' ایک کپ چائے لے آؤ''۔ جتنی دیر میں اس نے کپڑے چینج کئے تھے فخر دین اس کے لئے چائے بنا لایا تھا۔

''فخر دین! اب جا کر تم آرام کرو اور مجھے جاتے جاتے یہ نیلی جلد والی کتاب دے جاؤ''۔ اس نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کتاب کھول لی تھی اور کچھ ہی دیر میں صفحے پر ایک ہنستا مسکراتا گلابی چہرہ جھلملانے لگا تھا' اس نے

کتاب بند کر کے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں' درد کی شدت سے سرخ پڑتا چہرہ اور لرزتے لب' اس کی بند پلکوں کے پیچھے اپنا عکس دکھانے لگے تھے' اس نے گھبرا کر آنکھیں پٹ سے کھول دی تھیں۔

''اوگاڈ! بار بار ایک ہی چہرہ میری آنکھوں کے سامنے کیوں آ رہا ہے؟'' وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا تھا۔

''اس چہرے میں ایسا کیا ہے جو مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے؟ اس کی ہنسی کی مترنم کھنک مجھے کیوں کافی دور سے بھی اپنی جانب متوجہ کر لینے کی طاقت رکھتی ہے؟ وہ کیوں میرے حواسوں پر چھاتی جا رہی ہے''۔ وہ خود سے ایک کے بعد ایک سوال کر رہا تھا مگر اس کے پاس اپنے کسی سوال کا جواب نہ تھا' یہ اور بات تھی کہ اس کا دل دیوار دل توڑ کر باہر آ جانے کو بے تاب ہو رہا تھا مگر وہ اپنی فیلنگز ابھی سمجھ نہیں پا رہا تھا مگر کب تک......؟

............☆☆☆............

''عفی کی بچی! تصویریں لے کر نہیں آ سکتی تھیں؟'' عفیف نے تصویریں آ جانے کا بتایا تھا جس پر واثقہ اسے خالی ہاتھ آ جانے پر گھورنے لگی تھی۔

''دادو نے لانے ہی نہیں دیں' تم شام کو گھر آ کر دیکھ لینا''۔ وہ ماہین کی نوٹ بک سے لیکچرز نوٹ کرتے ہوئے معروف سے انداز میں بولی تھی' ان تک تصویریں بھی وقاص خالد کے ذریعے پہنچی تھیں کیونکہ زوہیب یزدانی تو ہنی مون پر گئے ہوئے تھے۔

''یار عفی! مجھے تمہاری دادو کی بھی سمجھ نہیں آئی' اب تم بچی نہیں ہو مگر اب تک اپنی دادو کی انگلی تھام کر چلتی ہو' وہ اتنی سی تصویریں تمہیں لانے دیتیں تو کیا ہو جاتا''۔

''ایسی بات نہیں ماہی! دادو نے مجھے اس خیال سے منع کر دیا کہ ہم یہاں پڑھنے آتے ہیں اور تصویریں تو گھر جا کر بھی دیکھی جا سکتی ہیں''۔ وہ نوٹ بک سے نگاہ ہٹا کر بولی تھی اور بات مکمل ہوتے ہی اس کا قلم پھر سے چلنے لگا تھا۔

''یار! ایتا آپی اور زوہیب بھائی کی واپسی کب تک متوقع ہے؟'' واثقہ کتابیں سمیٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے دو چار دنوں میں آ جائیں' رات ہی میری چاچو سے بات ہوئی تھی''۔ عفیف کا کام مکمل ہو چکا تھا اس لئے اس نے نوٹ بک بند کر دی تھی۔

''عفی! کیا خیال ہے آج تم میرے ساتھ چلو' میں تمہیں ڈراپ بھی کر دوں گی اور اسی بہانے تصویریں بھی دیکھ لوں گی''۔ ماہین کے کہنے پر وہ فوراً راضی ہو گئی تھی۔

''ہوں یہی ٹھیک رہے گا' وین سے تو بہت زیادہ ٹائم لگ جاتا ہے''۔ زوہیب یزدانی نے واثقہ کے وین ڈرائیور سے بات کر لی تھی۔

''واثقہ! تم بھی ہمارے ساتھ......''

''نہیں' مجھے وین سے جانے کی عادت ہے''۔ اس نے ماہین کو فوراً ٹوک دیا تھا اور اپنی وین کی جانب بڑھ گئی تھی اور وہ ماہین کی گاڑی میں آ بیٹھی تھی اس نے دادو کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ ماہین کے ساتھ آ رہی ہے۔

''ماہی! موسم بہت اچھا ہو رہا ہے آئس کریم کھائیں''۔ عفیف کے کہنے پر ماہین نے آئسکریم پارلر کے سامنے گاڑی روک دی تھی' عفیف جیسے ہی آئسکریم لے کر مڑی تھی ایک نوجوان اسے بازو سے تھام کر اس پر ریوالور تان چکا تھا اس کی تو چیخیں بلند ہو گئی تھیں' کافی مشہور جگہ تھی مگر دوپہر کے ساڑھے تین ہو رہے تھے اس لئے کافی سنسان پڑی ہوئی تھی' چیخوں کی آواز پر بل بے کر کے پلٹتی ماہین ڈر کر وہیں تھم گئی تھی' عفیف نے کانپتے ہوئے گلے میں سے چین اور ٹاپس اتار کر اسے دیئے تھے' تبھی اس کی نگاہ عفیف کی کلائی میں موجود خوبصورت گولڈ کے بریسلٹ پر جم گئی تھی

جس میں ننھے ننھے سے ڈائمنڈ جگمگاتے اپنی بھاری قیمت کا اظہار کر رہے تھے۔

"یہ بھی اتارو"

"یہ یہ میں نہیں دے سکتی' یہ میری مما کی نشانی......" اس کی بات بھی پوری نہ ہوئی تھی کہ نوجوان نے مضبوطی سے اس کی کلائی جکڑ کر بریسلٹ اتارنے کی کوشش کی تھی ابھی وہ کامیاب نہ ہو سکا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس پر وار کیا تھا اور وہ اُسے چھوڑ کر سر کو پکڑ کر چکرانے لگا تھا' عفیف اس مشکل گھڑی میں شناسا چہرے کو دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ پائی تھی اور اس کے چوڑے سینے میں سماتی بلکنے لگی تھی اور معتبر شاہ تو ساکت رہ گیا تھا' اسے خود سے الگ کر رہا تھا کہ اُس نوجوان نے ہاتھ سے چھوٹ جانے والی پسٹل زمین سے اٹھاتے ہوئے عفیف کا نشانہ لیا تھا' معتبر شاہ نے لمحہ ضائع کیے بنا اُسے واپس اپنی جانب کھینچا تھا اور گولی خود اس کے بازو کو چیرتی ہوئی گزر گئی تھی' وہ جو پہلے ہی بُری طرح ڈری ہوئی تھی اس کے بازو سے نکلتے خون کو دیکھ کر وہ اپنی سدھ بدھ کھونے لگی تھی' اس شخص کو بھاگتے دیکھ کر اس نے پینٹ کی پچھلی جیب سے ریوالور نکال کر اس کے پیر کا نشانہ لیا تھا اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا تھا۔

عفیف کی ہمت جواب دے گئی تھی اور وہ اس سے پہلے کہ چکرا کر نیچے گرتی معتبر شاہ نے اسے اپنے بازوؤں کا سہارا دے دیا تھا اسی وقت پولیس کی گاڑی کا مخصوص سائرن سنائی دیا تھا اور کب سے ساکت کھڑی تماشا دیکھتی ماہین اس کے پاس آ رُکی تھی (15 پر اسی نے کال کی تھی) معتبر شاہ نے ماہین کے کہنے پر ہوش و حواس سے بیگانہ عفیف کو بازوؤں میں اٹھا کر اس کی گاڑی میں ڈالا تھا' گال تھپتھپانے اور پانی کے چھینٹے چہرے پر ڈالنے سے چند ہی منٹوں میں اس نے آنکھیں کھول دی تھیں اور وہ ماہین سے لپٹ کر بُری طرح رونے لگی تھی اور وہ خاموشی سے گاڑی سے اُتر گیا تھا' اس کی سفید شرٹ بازوؤں کے پاس سے لہو رنگ ہو رہی تھی' اس نے پولیس کے پاس رُکتے ہوئے فارمیلٹی جھاڑی تھی اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا' اس نے ڈرائیور کو واصف کے کلینک چلنے کو کہا تھا' معتبر شاہ یہاں کسی کام کے سلسلے میں آیا تھا اور گاڑی سے اترتے ہوئے اس کی نگاہ عفیف اور اس پر ریوالور تانے شخص پر پڑی تھی اور وہ پہلی فرصت میں گاڑی میں سے پستول نکال لایا تھا۔

"دل میں تو آ رہی تھی کہ چھ کی چھ گولیاں اس کے سینے میں اتار دوں"۔ پٹی کرتا واصف اس کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے کو حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

خیر تو ہے یار! تو تو بڑا کول مائنڈڈ بندہ ہے مگر اس وقت پکا جاگیردار لگ رہا ہے"۔ اس کی ڈریسنگ مکمل ہو گئی تھی' اس نے فولڈ کی ہوئی آستین کھولتے ہوئے اُسے گھورا تھا۔

"لگنے والی کون سی بات ہے؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں جاگیردار کا بیٹا ہوں اور میری جگہ بابا سائیں ہوتے تو جان لینے سے دریغ نہ کرتے"۔

"تجھے کیا لگتا ہے تیرے بابا سائیں ہوتے تو وہ سب دیکھ کر رُک سکتے؟ اور یہ تو بتا نیر! کہ تجھے اتنا غصہ ایک راہ چلتی ریوالور تاننے کی وجہ سے آ رہا ہے یا اس لئے آ رہا ہے کہ وہ لڑکی عفیف یزدانی تھی؟ کوئی اور ہوتی تو شاید تجھے نہ پڑتا"۔ وہ اسے کافی معنی خیزی سے دیکھ رہا تھا۔

وہاں کوئی بھی لڑکی ہوتی میں وہی کرتا جو ابھی......"

چل' مان لیا تیرا ری ایکشن یہی ہوتا' بٹ میرے یار تو اب تک بھول بھی چکا ہوتا' چھ کی چھ گولیاں اس

کے سینے......"

"تو کہنا کیا چاہتا ہے؟" وہ اس کی معنی خیز نگاہوں اور جملوں کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔

"جو میں کہنا چاہتا ہوں تو خوب سمجھ رہا ہے اور یہ اور بات ہے کہ نا سمجھی کی ایکٹنگ کر رہا ہے"۔ وہ ہنستے ہوئے بولا تھا اور وہ بری طرح تپ گیا تھا۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے"۔

"میرا تو صرف دماغ مگر تیرا تو لگتا ہے دل و نیت"۔

"شٹ اپ واصف! جیسا تو سوچ رہا ہے ویسا کچھ نہیں ہے"۔ اس نے واصف کو ڈپٹا تھا جبکہ اس نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔

"اچھا تو پھر کیا ہے؟ تو خود نہیں بتائے گا' جانتا ہوں کتنا گھنا ہے' مگر تیرے بتائے بنا بھی جان سکتا ہوں کہ آج کل تو کن چکروں میں ہے' میرا یار کسی کی معصومیت کا اسیر ہونے لگا"۔

"واٹ ربش' محبت اور مستنیر شاہ کو"۔ اس نے گویا مذاق اڑایا تھا۔

"میں نے کب کہا کہ تجھے محبت ہو گئی ہے مگر دیکھ لے دل کی بات آخر زبان پر آ ہی گئی"۔ وہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

"تو مجھے لگتا ہے پاگل ہو گیا ہے' میں ان خرافات میں اس وقت نہیں پڑا جب اکثر نوجوان ان چکروں میں پڑ جاتے ہیں"۔

"اوئے یار! محبت کرنے کے لئے کوئی وقت و عمر مختص نہیں ہے' یہ جذبہ تو 18 برس اور 64 برس کی عمر میں بھی یکساں الاؤ جگایا کرتا ہے اور تو کون سا بڈھا کھوسٹ ہو گیا ہے صرف 28 برس کا ہی تو ہے"۔

"تو یہ اپنی افسانوی کہانیاں مجھے نہ سنا' بات کچھ بھی ہو تو اُسے اپنی مرضی کے معنی پہنانا خوب جانتا ہے"۔ وہ اب بُری طرح چڑ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں ہی بُرے کو اپنا رہا ہوں' بٹ پر تھا تو میں کو اپنا پایا ہوں"۔ وہ اُسے زچ کر کے مسکرا رہا تھا۔

"تو اپنے کوئے کبوترا کیلئے ہی اُڑا' میں تو چلا"۔ وہ اُسے گھورتا ہوا جانے کو کھڑا ہو گیا تھا۔

"تنہائی میں میری بات پر غور ضرور کرنا' مجھے تو جھٹلا کر جا رہا ہے مگر خود کو کبھی بھی جھٹلا نہیں سکے گا"۔ اس نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی اور وہ پلٹ کر اُسے گھورتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی کلینک سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ دھیرے سے مسکراتا خود بھی جانے کے لئے اٹھ گیا تھا۔

............☆☆☆............

"اماں جان! عفی کہاں رہ گئی ہے' اب تک تو اُسے آ جانا چاہئے تھا"۔ زوہیب یزدانی 45 منٹ قبل ہی پہنچے تھے' ان کا ارادہ عفی کو سرپرائز دینے کا تھا۔

"ہم تو خود سوچ رہے ہیں کہ عفی اب تک کیوں نہیں آئی؟ اس وقت تک تو وہ وین سے آ جاتی ہے جبکہ اس نے فون کر کے کہا تھا کہ وہ ماہین کے ساتھ آئے گی"۔ ماہین کا نام سن کر انہیں طیش آ گیا تھا۔

"وہ ماہین کے ساتھ کیوں آئے گی جبکہ میں نے خود وین......"

"وہ روز وین سے ہی آ رہی تھی' رات وقاص بیٹا تصویریں دے گیا تو وہ یونیورسٹی لے جانے کی ضد کرنے لگی' ہم نے منع کر دیا تو ماہین وہ تصویریں ہی دیکھنے آ رہی تھی"۔ انہوں نے بیٹے کو تفصیل بتائی تھی' وہ کب سے اس کا نمبر ٹرائی

کر رہے تھے مگر فون مستقل آف آ رہا تھا۔

''اماں جان! آپ پریشان نہ ہوں' میں خود جا کر دیکھتا ہوں''۔ وہ چابی اٹھا کر جیسے ہی مڑے تھے عفیف اور ماہین اندر داخل ہوئی تھیں۔

''عفی! یہ سب کیا ہے''۔ وہ تینوں ہی اس کے سفید یونیفارم پر سرخ دھبے دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے جبکہ وہ روتی ہوئی دادی کے سینے سے لگ گئی تھی۔

''عفی! بتاؤ تو سہی' کیا ہوا؟'' وہ اُسے روتے دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔

''او مائی گاڈ! ماہین آپ کم از کم مجھے ایک کال تو کر سکتی تھیں''۔ وہ ماہین سے پوری تفصیل سن کر بولے تھے۔

''فون کرنے کا مجھے خیال گزرا تھا لیکن یہ سوچ کر نہیں کیا کہ آپ آؤٹ آف سٹی ہیں' آپ کی واپسی کا پتہ ہوتا تو ضرور فون کر دیتی''۔ وہ دونوں رب کا دل ہی دل میں شکر ادا کر رہے تھے کہ اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہو گیا' ماہین کے جاتے ہی وہ عفی کے روم میں آ گئے تھے جہاں زرینہ یزدانی اُسے زبردستی کھانا کھلا رہی تھیں' اس نے صرف دو چار لقمے ہی کھائے تھے' زرینہ یزدانی نے کھانے کی ٹرے مقیتہ کو دی تھی اور اس کے سرہانے بیٹھ گئی تھیں' اُسے آنکھیں بند کر کے لیٹے 3 سے 4 منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی تھی اور کمرے سے نکلتے زوہیب یزدانی گھبرا کر بیڈ کی جانب آئے تھے۔

''دادو! مجھے بچالیں دادو' وہ میری جان لے لے گا' مجھے بچالیں' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' اس نے میرے سر پر بندوق......'' وہ ان کی آغوش میں سمٹے جا رہی تھی' زوہیب یزدانی نے دلگرفتگی سے عفیف کو اُن سے الگ کیا تھا اور وہ ان کے سینے سے لگ کر بلکنے لگی تھی۔

''چاچو! آپ کہاں چلے گئے تھے مجھے کتنا ڈر لگ رہا تھا' اگر آپ ہوتے تو وہ سب نہ ہوتا''۔ زوہیب یزدانی نے اس کا چہرہ اوپر کر کے چہرے پر سے بال ہٹائے تھے جو آنسوؤں کی وجہ سے گالوں پر چپک گئے تھے۔

''عفی! کچھ نہیں ہوا چندا' وہ ایک بُرا پل تھا جو کب کا گزر گیا' اب تم اپنے گھر آ گئی ہو اور بالکل محفوظ ہو' اپنے چاچو کے ہوتے ہوئے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ انہوں نے زبردستی اسے ایک نیند کی گولی کھلائی تھی اور وہ اُن کے کہنے پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی تھی' اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے اُن کا ہاتھ تھاما ہوا تھا اور بار بار چونک کر آنکھیں کھول رہی تھی' زوہیب یزدانی کا دایاں ہاتھ شفقت سے اس کے سر پر رکھا تھا جو کبھی کبھی گردش کرنے لگتا تھا' انہوں نے مقیتہ کو اشارے سے ماں کے کمرے میں جانے کو کہا تھا' وہ تھوڑی ہی دیر میں سو گئی تھی مگر اس کی پلکوں میں ابھی بھی ارتعاش سا ہو رہا تھا' زوہیب یزدانی اس کے چہرے پر نگاہ جمائے مختلف آیات کا ورد کر رہے تھے' جبھی مقیتہ نے مستغیر شاہ کی آمد کی اطلاع دی تھی' انہوں نے اس پر دم کیا تھا اور بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تھا جبھی اُن کی نگاہ اس کی خالی کلائی اور اس پر موجود انگلیوں کے نشانات پر پڑی تھی اور اتنی دیر سے ان کے چہرے پر چھلکتی فکرمندی کی جگہ اشتعال نے لے لی تھی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گئے تھے' مقیتہ لائٹ آف کرتی باہر آ گئی تھی۔

..........☆☆☆..........

''آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تو ہمارے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں' آپ نے ہماری بچی کی جان بچا کر ہم پر جو احسان کیا ہے اس کا بدلہ ہم تاحیات نہیں اتار سکتے''۔

''شرمندہ نہ کریں زوہیب صاحب! میں نے تو وہی کیا جو مجھے اس وقت کرنا چاہیئے تھا اور میں یہاں شکریہ وصول

کرنے نہیں آپ کی امانت لوٹانے آیا تھا'' مستغیر شاہ نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے کوٹ کی جیب سے عفیف کی چین وغیرہ اُن کو دی تھی۔

''یہ مادی چیزیں ہماری بچی سے بڑھ کر نہیں ہیں' آپ نے فضول میں تردد کیا''۔ زرینہ یزدانی بولی تھیں۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا آنٹی! لیکن میرے پاس تو یہ امانت ہی تھیں اور میرا فرض بنتا تھا کہ میں انہیں آپ تک پہنچادوں اور آپ لوگ فکر نہ کریں' وہ غنڈا اریسٹ ہوگیا ہے''۔ انہوں نے بتایا تھا۔

''بیٹا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے' ماہی نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ کے گولی...... '' زرینہ یزدانی نے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

''جی میں بالکل ٹھیک ہوں' گولی بازو کو چھوتے ہوئے گزر گئی تھی''۔ چائے ختم کرکے وہ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔

''دادو...... دادو' چاچو...... '' وہ اس کے روم کی جانب بھاگے تھے۔

''ادی! کوئی پریشانی والی بات ہے تو میں انہیں دیکھ لوں''۔

''ہاں نیر بھائی! آپ اسے چل کر دیکھ لو وہ کافی ڈری ہوئی ہے''۔ مقیتہ کے کہنے پر گاڑی سے فرسٹ ایڈ باکس لانے کے بعد مقیتہ کی ہمرائی میں اس کے روم میں چلا آیا تھا۔

''چاچو! مجھے بچالیں' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔ وہ اُن کی شرٹ کے کالر کو مٹھیوں میں جکڑے خوفزدہ انداز میں کہہ رہی تھی اور جیسے ہی اس کی نگاہ مستغیر شاہ پر پڑی تھی اس کا خوف دوچند ہوگیا تھا۔

''چاچو! یہ یہ...... میری جان لے لیں گے' ان کے ہاتھ میں بندوق ہے' انہوں نے ڈاکو کی جان لے لی اور اب میری...... مجھے بچالیں چاچو...... '' اس کا چہرہ خوفناک حد تک سفید پڑ گیا تھا اور وہ اُن کے وجود میں پناہ ڈھونڈنے لگی تھی مستغیر شاہ نے بڑی خاموشی سے انجکشن تیار کیا اور زوہیب یزدانی کے باہر جانے کے اشارے کو نظرانداز کرتے ہوئے انہوں نے مقیتہ کو اُسے پکڑنے کو کہا تھا اور اس کے رونے چیخنے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے بازو میں انجکشن لگا دیا تھا اور وہ زوہیب یزدانی کا بازو جکڑے کچھ دیر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی پرسکون ہوگئی تھی۔

''جی میں تو آرہی ہے جو گڑیا کی اس حالت کا ذمہ دار ہے اس کی جان لے لوں''۔ کمرے سے باہر آتے ہوئے کہا تھا' گزرے سات آٹھ گھنٹوں میں جس اذیت سے وہ گزرے تھے یہ بس وہی جانتے تھے۔

''زوہیب صاحب! ایسا اکثر ہوجاتا ہے' وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی ہیں اس لئے اس جگہ پر موجود جو شخص ان کے سامنے آئے گا وہ ایسا ہی ری ایکٹ کریں گی' اول تو وہ بندوق دیکھ کر ہی ڈر گئی تھیں' گولیوں کی آواز اور پھر خون وہ نظرانداز نہیں کر پا رہیں لیکن آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ چند دنوں تک نارمل ہوجائیں گی''۔ مستغیر شاہ نے اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں سمجھاتے ہوئے اپنا کارڈ دیا تھا اور یزدانی ولا سے باہر نکل آئے تھے' انہوں نے زوہیب یزدانی کو تو فکرمند نہ ہونے کو کہا تھا مگر وہ خود گیارہ گھنٹے گزرنے کے بعد بھی روشن آنکھوں میں پھیلے خوف کے سائے' زرد پڑتے چہرے کے ڈر کو بھلا نہیں پا رہے تھے' انہوں نے گزرے دو سالوں اور ٹریننگ کے دوران بھی کتنے ہی ڈپریشن کے میل' فی میل پیشنٹ ٹریٹ کیے تھے مگر اس طرح کبھی اُن کے دل و دماغ میں ہلچل نہیں مچی تھی اور عفیف کا خوف سے اُن سے آ لپٹنا بہت شاکنگ ہونے کے ساتھ کافی دلفریب تھا' وہ اس کے لمس اور مہک کو بہت سا وقت گزرنے کے باوجود بھی بھلا نہیں پائے تھے' انہیں اپنے وجود سے بہت انوکھی و دلفریب سی خوشبو اٹھتی محسوس ہو رہی تھی اور دل و دماغ میں ایک

عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔

............☆☆☆............

''عفی گڑیا! اکیلے بیٹھی کیا دیکھ رہی ہے؟'' وہ اس کی پونی کھینچتے اس کے برابر بیٹھ گئے تھے۔

''صرف سرچنگ کر رہی تھی چاچو! یہ ٹی وی بھی بالکل ڈبہ ہے' کبھی کچھ آتا ہی نہیں ہے''۔ وہ ٹی وی بند کر گئی تھی اور وہ اس کی سوجی آنکھوں کو دیکھ کر افسردہ ہو گئے تھے' اُس نے اُن کے پونی کھینچنے پر بھی کچھ نہیں کہا تھا ورنہ تو دونوں میں ایک محاذ سا شروع ہو جایا کرتا تھا' ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی وہ پوری طرح اس واقعہ کو بھولی نہ تھی۔

''میں اپنی گڑیا سے ناراض ہوں''۔ وہ انہیں چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

''چاچو! آپ ناراض...... بٹ میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔

''پلیز مجھے بتائیے' میری کس بات نے آپ کو ہرٹ کیا ہے' آئی سویئر چاچو دوبارہ کبھی نہیں کروں گی''۔ اس کے آنسو تو اُن کی ذرا سی بات پر چھلکنے لگے تھے۔

''آئی ہیٹ ٹیئرز''۔ انہوں نے اس کے آنسو اپنی پوروں پر چن لئے تھے۔

''تم نے مجھے ہرٹ کیا ہے اور وجہ جانتی ہو....؟'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تمہارے یہ آنسو''۔ اپنی پور کو اس کے سامنے کیا تھا۔

''عفی! میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنی عفی کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر اداسی کے سائے ہرگز بھی نہیں دیکھ سکتا' گڑیا! جیسے تم میری ذرا سی بات پر بے چین ہو گئیں ایسے ہی میں بھی بہت بے چین ہوں اور خود بتاؤ کیا مجھے اپنی گڑیا کو اداس دیکھ کر اداس نہیں ہونا چاہیئے؟'' اس نے فوراً گردن ہلا کر نفی کی تھی۔

''ہوں ٹھیک کہہ رہی ہو ہونا تو نہیں چاہیئے مگر پھر بھی جب کبھی تم اداس ہوتی ہو تو مجھ سے میری خوشیاں روٹھ سی جاتی ہیں کیونکہ گڑیا! جب اولاد دکھی ہوتی ہے تو ماں باپ چاہ کر بھی ہنس نہیں پاتے' چندا یہی زندگی ہے' کبھی دکھ تو کبھی خوشی' وہ ایک حادثہ تھا جو کب کا ٹل چکا' تم اگر اسے اپنے حواسوں پر طاری کر کے ہر وقت افسردہ رہو گی تو اپنے چاچو کی ناراضی کا باعث بنو گی''۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''جب سب جانتی ہو تو پھر ایسا کیوں کرتی ہو؟''

''چاچو! میں ایسا جان کر نہیں کرتی' بٹ چاچو میں کیا کروں' وہ دن مجھے نہیں بھولتا' مجھے اپنی کنپٹی پر بندوق کی نالی گڑی محسوس ہوتی ہے' میرا التجا کرنا اور اس کا زبردستی مما کا بریسلٹ میری کلائی سے کھینچنا' چاچو اب تک مجھے اپنے کانوں میں گولیوں کی آواز گونجتی محسوس ہوتی ہے' اس کی آہنی گرفت اور کھردری انگلیوں کی چبھن سی اپنی کلائی میں گڑی محسوس ہوتی ہیں' ایسا لگتا ہے چاچو وہ کہیں سے آئے گا اور میری کنپٹی پر ریوالور......'' وہ اب بُری طرح رو رہی تھی اور وہ دھیرے دھیرے اُسے سمجھاتے اس کا خوف زائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

............☆☆☆............

''نہیں دانشہ! تم جاؤ چاچو بس آتے ہی ہوں گے''۔ وہ عفیف کو خدا حافظ کہتی اپنی وین کی جانب بڑھ گئی تھی اور اس نے اپنا سیل فون نکالا تھا مگر بیٹری ڈاؤن تھی' اس نے جھنجلا کر بیگ میں سیل واپس ڈال دیا تھا۔

''اوگاڈ! چاچو ابھی تک کیوں نہیں آئے' گرمی کے مارے تو میرا حشر ہو گیا ہے''۔ ماتھے پر آیا پسینہ ٹشو میں جذب کرتے ہوئے وہ خود سے بولی تھی اور گھڑی پر نگاہ دوڑائی تھی' ساڑھے تین ہو رہے تھے' اس نے اس طرح انتظار

کبھی کیا نہیں تھا' روز زوہیب یزدانی گیٹ پر اس کے منتظر ہوتے تھے اور آج وہ کافی زیادہ لیٹ ہو گئے تھے اور وہ غصہ میں بنا سوچے سمجھے ہی پیدل چل پڑی تھی' کچھ دور جا کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا' دوپہر کا وقت تھا اس لئے جگہ کافی سنسان تھی' اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں اور وہ واپس جانے کا سوچ رہی تھی بلیک پجیرو کچھ دور جانے کے بعد ریورس ہو کر اس کے قریب آ رُکی تھی اور وہ اچھل کر پیچھے ہوئی تھی۔

''مس عفیف! آپ اکیلی اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' ڈرائیونگ ڈور کھول کر وہ باہر نکلا تھا اور اس سے استفسار کر رہا تھا' اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور وہ بھیگی پلکوں میں اترتے خوف کو دیکھ کر قدرے حیران ہوا تھا۔

''وہ' وہ' چاچو.....'' وہ پیچھے ہوتے ہوئے لڑکھڑاتے لہجے میں فقط اتنا ہی بول سکی تھی۔

آپ اتنا ڈر کیوں رہی ہیں؟''

''میں' میں ڈر تو نہیں رہی' بس وہ چاچو کا ویٹ کر رہی تھی''۔

''زوہیب یزدانی کا ویٹ آپ کو یونیورسٹی گیٹ پر کرنا چاہئے تھا' خیر آپ میرے ساتھ آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں''۔

''نہیں' مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا ہے' آپ جائیے''۔ وہ جو بغیر پیچھے دیکھے الٹے قدم چل رہی تھی پیچھے کھڑی گاڑی سے ٹکرا کر رُک گئی تھی اور اس افتاد پر اس کی چیخیں بلند ہو گئی تھیں اور سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے اس کی نگاہیں حیرانگی سے اسی کو دیکھتے مستقیم شاہ پر جا ٹھہری تھیں۔

اُسے یکدم کچھ یاد آیا تھا اور اس کی آنکھیں خوف سے برسنے لگی تھیں' وہ اس کے عجیب و غریب اور خوفزدہ انداز کا مطلب سمجھ نہیں پایا تھا اور اس کے کانپتے وجود پر اک نگاہ ڈالتا اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ اسے روتا چھوڑ کر جائے نہ جائے کی کشمکش میں تھا کہ اس نے بیک مرر سے اُسے دیکھا تھا وہ پریشانی سے اِدھر اُدھر نگاہ گھما رہی تھی اور جبھی ایک اچھی ٹائپ کا لڑکا (تقریباً 25' 26 سال عمر ہو گی) اس کے برابر میں کھڑا ہو گیا تھا' وہ بدک کر کچھ فاصلے پر ہوئی تھی' وہ کوئی بدتمیزی کرتا اس سے قبل وہ گاڑی سے اُترا تھا' عفیف کو بازو سے تھام کر فرنٹ سیٹ پر دھکیلا تھا اور گھوم کر آ کے اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔

''پلیز..... گاڑی روکئے' مجھے آپ کے ساتھ.....''

''اوہ یو شٹ اپ''۔ وہ تیز لہجے میں بولا تھا اور وہ سہم کر ڈور سے چپک گئی تھی اس کے خوفزدہ انداز پر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''سوری..... لیکن میں آپ کو کڈنیپ کر کے نہیں لے جا رہا' اس طرح وہاں آپ کا کھڑے رہنا ٹھیک نہ تھا' میں آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کر رہا ہوں' یو ڈونٹ وری''۔ اس نے لہجے میں نرمی سموتے اُسے دیکھا تھا' خوبصورت آنکھوں سے بہتے آنسو رخساروں پر قطار کی صورت لڑھکتے جا رہے تھے' گاڑی جیسے ہی ''یزدانی ولا'' کے سامنے رُکی تھی وہ لمحہ ضائع کئے بنا اُتری تھی اُسی وقت بلیک سٹی آ کر رُکی تھی اور زوہیب یزدانی پریشانی کے عالم میں اس تک آئے تھے۔

''عفی! کہاں چلی گئیں تھیں' جانتی ہو کتنا پریشان ہو گیا تھا میں''۔

''وہ چاچو' آپ نہیں آئے تو میں خود ہی.....''

''مر تھیں گیا تھا' ٹریفک میں پھنس گیا تھا' فون کر کے تمہیں بتانا چاہا تو تم نے کال ریسیو ہی نہیں کی' یہاں پہنچا تو تمہیں نہ پا کر کس قدر پریشان ہو گیا تھا' تھوڑی سی دیر میرا انتظار نہیں کر سکتی تھیں؟ اور آئی کیسے ہو؟ تمہیں تو ڈھنگ

سے راستے......" مستغیر شاہ پر نگاہ پڑتے ہی وہ چپ کر گئے تھے اور وہ روتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔
"تھینکس مستغیر! آپ نے دوسری دفعہ ہماری مدد کی ہے' میں تو عفیف کو یونیورسٹی کے آس پاس نہ پا کر ہی پریشان ہو گیا تھا"۔ سلام دعا کے بعد زوہیب یزدانی کے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا اور وہ اس کے احسان مند ہونے لگے تھے۔

"آجاؤ بھئی! روزا کیلئے ہی کھانا کھاتے ہو آج ہمارے ساتھ سہی"۔ وہ اسے زبردستی اندر لے آئے تھے۔
"دادو! چاچو بہت گندے ہیں' انہوں نے مجھے ڈانٹا' اب میں ان سے بالکل بات نہیں کروں گی"۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اُن کے کانوں میں اس کی آواز پڑی تھی۔
"زوہیب! تم نے عفی کو ڈانٹا"۔ زرینہ یزدانی اُسے دیکھ کر چپ کر گئی تھیں اور اس نے انہیں ادب سے سلام کیا تھا' وہ چاچو پر ایک پُر شکوہ نگاہ ڈالتی دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی' انہوں نے مقیتہ سے کھانا لگوانے کو کہا تھا اور مستغیر شاہ سے باتیں کرنے لگے تھے۔
"جی آنٹی! معمولی سا زخم تھا ٹھیک ہو گیا ہے"۔ انہوں نے اس کا حال چال دریافت کیا تھا تب وہ بولا تھا' تھوڑی دیر میں ملازمہ نے کھانا لگ جانے کی اطلاع دی تھی اور وہ سب ڈائننگ ہال میں آ گئے تھے۔
"ہاجرہ! یہ عفی کہاں رہ گئی ہے' جاؤ اُسے بلا کر لاؤ"۔
"بی بی صاحب! چھوٹی بی بی نے کھانا کھانے سے منع کر دیا ہے' اُن کو بھوک نہیں ہے"۔ ہاجرہ نے واپس آ کر اطلاع دی تھی۔
"آپ سب لوگ شروع کریں' میں ابھی آتا ہوں"۔ وہ اپنی کرسی کھسکا کر اٹھے تھے اور عفیف کے روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔
"سوری گڑیا! چاچو کو آپ پر اس طرح خفا نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن آپ نے حرکت بھی تو ایسی کی تھی' چاچو کی جان ہی نکال دی تھی"۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے تھے اور اس کا ہاتھ تھام کر ڈائننگ ہال میں آ گئے تھے۔
"ارے مستغیر بیٹا! سویٹ ڈش تو لیں"۔ اسے اٹھتے دیکھ کر وہ بولی تھیں۔
"سوری......لیکن میں میٹھا بالکل نہیں کھاتا' حتیٰ کہ میں تو چائے تک پھیکی پینے کا عادی ہوں"۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی عادت بتائی تھی' خدانخواستہ اسے شوگر نہ تھی لیکن وہ بچپن ہی سے میٹھا بالکل نہیں کھاتا تھا' عفیف نے اس کی موجودگی کی وجہ سے بمشکل چند لقمے ہی لئے تھے' باقی ٹائم وہ پلیٹ میں چمچہ ہی گھماتی رہی تھی جبکہ اس نے ایک دفعہ بھی نگاہ اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا جبکہ وہ اس کے عین سامنے والی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

............☆☆☆............

گاڑی سے اترتے ہوئے مستغیر شاہ کی نگاہ فرنٹ سیٹ پر پڑی سلور ریسٹ واچ پر پڑی تھی اور یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ یہ کس کی' وہ اسے اٹھاتا اندر کی جانب قدم بڑھانے لگا تھا' شاور لے کر جب تک وہ باہر آیا تھا ہمیشہ کی طرح فخر دین چائے لئے اس کا منتظر تھا' جیسے وہ گھونٹ گھونٹ پینے لگا تھا کہ یکدم اس کی ذہنی رو بھٹک گئی تھی' اس کی نگاہوں کے سامنے خوبصورت آنسوؤں سے تر چہرہ اور بھیگی خوفزدہ پلکیں لہرانے لگی تھیں اور وہ بڑی بے قراری سے ٹہلنے لگا تھا' دھڑکنوں میں ایک تلاطم سا بپا تھا مگر وہ اب بھی ماننے کو تیار نہ تھا کہ جو کچھ واصف کہتا ہے وہ درست ہے۔
"چاچی! آپ سے کچھ مانگوں تو کیا آپ مجھے دے دیں گی؟" اسنیکس تیار کرتی مقیتہ چونک کر اُسے دیکھنے لگی

تھی، وہ سلیب پر چڑھی بیٹھی بہت اُمید بھری نگاہیں اس پر جمائے ہوئے تھی۔

"ایسا کیا مانگنے کا ارادہ ہے جو ڈر ہے کہ میں انکار بھی کر سکتی ہوں؟" فرائی کیے ہوئے رول پلیٹ میں نکالتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

"یہ تو مجھے یقین ہے کہ آپ انکار کر ہی نہیں سکتیں"۔ وہ ایک یقین سے بولی تھی۔

"بلا جھجک تم مجھ سے کچھ بھی مانگ سکتی ہو اور میری بنا اجازت کے بھی میری کوئی بھی چیز لے سکتی ہو کیونکہ جو میرا ہے اس پر تمہارا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ میرا اور اپنوں میں تو یہ فارمیلٹیز ہوتی ہی نہیں ہیں"۔ وہ پورے خلوص سے بولی تھی اور عفیف جوش سے اُتری تھی اور اس کا ہاتھ تھامے زوہیب یزدانی کے روم کی جانب بڑھی تھی۔

"عنفی! ارُکو تو سہی، کہاں لے جا رہی ہو؟" وہ اسے اُس کے کمرے میں لا کر عین وارڈ روب کے سامنے رُک چکی تھی۔

"چاچی! آپ اپنی سب سے حسین ساڑھی مجھے ماہین کی برتھ ڈے پارٹی میں پہننے کے لیے دے دیں"۔ مقیتہ کے ہاتھ ہینڈل پر ہی جم گئے تھے۔

"چاچی! آپ نے وعدہ کیا ہے اب انکار نہیں کر سکتیں"۔ اس نے گویا پیار بھری دھمکی دی تھی۔

"عنفی! تم ساڑھی کے علاوہ مجھ سے جو چاہو......"

"چاچی! پلیز بالکل بھی خراب نہیں کروں گی"۔ وہ منت کرنے لگی تھی۔

"بات خراب کرنے کی نہیں ہے عنفی! اماں جان کبھی بھی تمہیں ساڑھی باندھنے کی اجازت نہیں دیں گی، تم کوئی ڈریس دیکھ لو"۔

"ڈریسز تو خود میرے پاس ایک سے ایک موجود ہیں اور دادو کی تو رہنے ہی دیں چاچی، وہ مجھے کچھ کرنے دیتی ہی کب ہیں، چاچو کی شادی میں بھی ڈھنگ سے تیار نہ ہونے دیا، آج کل سب لڑکیاں ساڑھی پہنتی ہیں ایک میں بھی پہن لوں گی تو کون سی قیامت آ جائے گی"۔ وہ روتے ہوئے کمرے سے نکلی تھی اور آفس سے لوٹے زوہیب یزدانی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا جبکہ وہ سلام دعا کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"بیتا! یہ عنفی یہاں سے روتی ہوئی کیوں گئی ہے، کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے بیوی کو دیکھ رہے تھے اور اس نے انہیں تفصیل بتا دی تھی۔

"بیتا! ایک ساڑھی سے کیا فرق پڑتا ہے، تم عنفی کو دے دیتیں"۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بولے تھے اور سیڑھیاں اترنے لگے تھے، وہ بھی بریف کیس رکھتی ان کے پیچھے ہی لپکی تھی۔

"زوہیب! اپنے کمرے میں جاؤ، اس وقت عنفی کے کمرے میں جانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے"۔ آستینیں فولڈ کرتے ہوئے وہ سوالیہ نگاہوں سے ماں کو دیکھنے لگے تھے۔

"اس کی فرمائشیں پوری کر کر کے تم نے اسے سر پر چڑھایا ہے مگر کان کھول کر سن لو ہم اُسے ساڑھی پہننے کی اجازت ہرگز نہ دیں گے، جانے کہاں کہاں کے فتنے اس کے دماغ میں سمانے لگے ہیں، ہمیں اب اس کی شادی کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا ہی پڑے گا، شوہر کے گھر جا کر کچھ بھی کرے، ہمیں اعتراض نہ ہوگا"۔ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی تھیں اور وہ ماں کے منع کرنے کے باوجود اپنے دل سے مجبور ہو کر اس کے روم میں آ گئے تھے، وہ تکیہ منہ پر رکھے رو رہی تھی۔

"عنفی......"

"پلیز چاچو! جائیے یہاں سے، مجھے کسی سے بھی بات نہیں کرنی ہے"۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولی تھی اور اسے دیکھ کر وہ

تو جیسے تڑپ ہی اٹھے تھے۔

"عفی جانو! اتنی سی بات پر اتنا رونے کی کیا ضرورت ہے' بیتا کے انکار سے تمہیں دکھ ہوا ہے تو چندا بیتا نے تو صرف اماں جان کی وجہ سے منع کر دیا ورنہ ایک معمولی سی ساڑھی تم سے بڑھ کر نہیں ہے اور اماں جان نے بھی کچھ سوچ کر ہی منع کیا ہے' ہر بات میں ضد اچھی نہیں"۔

"ضد میں نہیں چاچو! دادو کر رہی ہیں' ہر وقت میرے شوق کے آگے سلطان راہی بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں"۔ اتنی ٹینشن میں بھی ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"خوب ہنس لیں مجھ پر مذاق ہی تو ہوں ناں میں آپ لوگوں کے لیے"۔ وہ شوں شوں کر رہی تھی۔

"عفی! تم بے کار میں بات بڑھا رہی ہو"۔

"چاچو! میں جب بلا چوں چراں آپ لوگوں کی بات مان لیتی ہوں تو اچھی ہوں اور جہاں میں نے اپنی خوشی کی بات کی وہیں بات بڑھنے لگتی ہے' میری زندگی کو میں اپنی مرضی سے گزار ہی نہیں سکتی' پڑھنا ہے تو آپ لوگوں کی مرضی کے سبجیکٹ' جانا ہے تو آپ لوگوں کی من پسند جگہ' پہننا ہے تو آپ لوگوں کے چوائس کردہ کپڑے' میرا کھانا پینا سب آپ لوگوں کی پسند کا محتاج ہے' لاء کالج میں نہیں پڑھنے دیا' ضروری تو نہیں جو مما پاپا کے ساتھ ہوا میرے ساتھ بھی ہوتا' لیکن اپنی مرضی میرے سر منڈھنا جو تھی منڈھ دی"۔ وہ کافی بدگمان نظر آ رہی تھی اور اس کا ایک ایک لفظ زوہیب یزدانی کے دل کو چیرتا چلا گیا تھا۔

"عفی! ہم نے کبھی اپنی مرضی تم پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی' ہمیں تو ہمیشہ تمہاری خوشی......"

"جھوٹ...... جھوٹ...... تنگ آ گئی ہوں آپ کے جھوٹ سن سن کر...... میری خوشی عزیز ہوتی تو مجھے ایل ایل بی کرنے دیا جاتا' میری خوشی معنی رکھتی تو بے جا پابندیاں عائد نہ کی جاتیں' یہ کرو وہ نہ کرو' یہاں جاؤ وہاں نہ جاؤ' یہ پہنو وہ نہ پہنو' عاجز آ گئی ہوں میں اس زنجیروں میں جکڑی زندگی سے...... کاش میرے مما پاپا زندہ ہوتے' وہ ہوتے تو کم از کم اتنی پابندیاں مجھ پر ہرگز نہ لگاتے' میں اپنی زندگی اپنے انداز سے گزارتی"۔ وہ مستقل روتے ہوئے بنا سوچے سمجھے جو منہ میں آ رہا تھا بس کہے جا رہی تھی' ایک سایہ سا اُن کے چہرے پر لہرانے لگا تھا۔

"مقیتہ...... مقیتہ"۔ وہ اُن کی آواز پر کچن میں سے تقریباً بھاگتے ہوئے روم میں آئی تھی۔

"بیتا! اسی وقت جاؤ اور اپنی تمام ساڑھیاں لے آؤ"۔ انہوں نے بیوی کو حکم دیا تھا اور وہ ششدر رہ گئی تھی۔

"میں نے کچھ کہا ہے مقیتہ......" ان کے برہم ہونے پر وہ کچھ ہی دیر میں اپنی تمام ساڑھیاں لے آئی تھی' زوہیب یزدانی نے وہ تمام ہینگرز عفیف کے سامنے ڈھیر کر دیئے تھے اور وہ رونا بھول کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"چاچو......" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ ہاتھ کے اشارے سے روک گئے تھے اور باہر کی جانب بڑھے تھے کہ وہ یکدم راہ میں آ گئی۔

"ایکسٹریملی سوری چا......"

"نو عفیف یزدانی نو...... کسی سوری' کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ اپنے بازو پر سے اس کا ہاتھ ہٹاتے روم سے باہر نکل گئے تھے جبکہ اس کے ساتھ ساتھ مقیتہ بھی حیران رہ گئی تھی۔

............☆☆☆............

"اماں سائیں! مجھے ابھی کچھ وقت چاہیئے"۔ مستنیر شاہ اس بار جیسے ہی حویلی آئے تھے سکینہ شاہ رخصتی پر بضد ہو

گئی تھیں۔

''میر پتر! اور تجھے کتنا وقت چاہیے؟ نکاح کو چھ ماہ سے زائد......''

''اماں سائیں! نکاح کے لیے تو آپ مجھے مجبور کر ہی چکی ہیں مگر رخصتی پر زور نہ دیں' میں ابھی اس رشتے کے لیے خود کو تیار ہی نہیں کر سکا''۔ وہ ان کے روم سے باہر نکل گیا تھا۔

''ماکانی جی! لگتا ہے تیرا پتر وہاں شہر میں کسی کڑی کے چکروں میں ہے ورنہ اتنا عرصہ نکاح کو گزر جانے کے بعد بھی وہ رخصتی میں ٹال مٹول سے کام نہ لیتا' ہم سے زیادہ اُسے رخصتی کی جلدی ہوتی''۔ بیٹے کے جانے کے بعد انہوں نے تبصرہ کیا تھا۔

''بڑے سائیں! آپ خوامخواہ میں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں' میرا پتر ایسا نہیں ہے''۔ انہوں نے خاوند سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی اور وہ ہنکارا بھرتے اٹھ گئے تھے۔

............☆☆☆............

''چاچو! وہ ماہی نے مجھ سے کہا کہ آپ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے اسی لیے مجھے میری مرضی سے کچھ بھی کرنے نہیں دیتے''۔

''عفی! کبھی تو تم اپنا دماغ بھی چلایا کرو' اس لڑکی نے کہا کہ میں تم پر اعتبار نہیں کرتا اور تم نے یقین کر لیا' کل کو وہ کچھ اور بکواس کرے گی تو تم اس پر بھی ایمان لے آؤ گی' ایسا سوچتے ہوئے تم ایک بار بچپن سے آج تک کی زندگی کو اپنے ذہن میں ریوائنڈ کرتیں اور پھر مجھے بتاتیں کہ زندگی کے کس لمحہ میرا پیار یا اعتبار کمزور پڑ گیا تھا''۔ وہ کافی تیکھے چتونوں سے اسے گھور رہے تھے۔

''مجھے تو تم پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے' تمہیں اسکول اور کالج خود اس لیے لینے اور چھوڑنے نہیں گیا کہ مجھے تم پر بھروسہ نہیں تھا' میں اپنی بچی پر ایک نہیں لاکھوں مرتبہ آنکھ بند کر کے یقین کر سکتا ہوں مگر اس دنیا میں بسنے والے بے رحم لوگوں پر کبھی یقین و بھروسہ نہیں کر سکتا' اماں نے تمہیں اوٹ پٹانگ ڈریسنگ کرنے سے روکا تو صرف اس لیے کہ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی تم پر غلط نگاہ ڈالے' مجھے نہیں پتا تھا کہ تم ہمارے پیار بھرے خوف کو اس نہج پر لے جا کر سوچو گی''۔ وہ کافی دکھ سے بول رہے تھے۔

''مجھے معاف کر دیں چاچو!'' وہ نیچے کارپٹ پر ان کے گھٹنے تھامے کہہ رہی تھی۔

''عفی! رشتہ چاہے کوئی بھی ہو اس کے اعتبار کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور جس رشتے میں اعتبار کی کمی ہو جائے تو وہ کچی ڈور کی مانند ٹوٹتا چلا جاتا ہے' بڑے بچوں کا برا کبھی نہیں چاہتے' اُن کی ڈانٹ میں فکر اور پیار چھپا ہوتا ہے' ہم تمہیں کوئی کام کرنے سے روکتے ہیں تو صرف تمہاری بھلائی کے خیال سے' اس لیے نہیں کہ ہم تم پر بھروسہ نہیں کرتے''۔ وہ اس کے رونے پر اپنا غصہ بھلا بیٹھے تھے۔

''سوری چاچو! میں نے یہ سب جان کر نہیں کیا' بس غصے میں .....''

''عفی! آئندہ ایسا سوچنا بھی مت' کیونکہ ہم خود سے زیادہ تم پر اعتبار و بھروسہ کرتے ہیں''۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتے اٹھے تھے اور اپنے روم میں آ گئے تھے۔ انہیں عفی کی بات سے بہت زیادہ دکھ پہنچا تھا۔

''تھینکس' اس وقت چائے کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی''۔ وہ ٹرے میں سے کپ اٹھاتے ہوئے بولے تھے اور وہ اُن کے برابر بیٹھ گئی تھی۔

"واثقہ! دادو میری شادی کر رہی ہیں"۔ اس نے اتنے روح فرسا انداز میں خبر سنائی تھی کہ حد نہیں۔

"شادی ہی کر رہی ہیں تو اس میں اتنا پریشان ہونے والی کون سی بات ہے' ایک نہ ایک دن سب ہی لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے"۔ واثقہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے نہیں کرنی کوئی شادی وادی' میں دادو اور چاچو کو چھوڑ کر کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی"۔ اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"تم فضول کی باتیں چھوڑ کر یہ بتاؤ شادی ہو کس سے رہی ہے؟"

"چاچو کے دوست "وقاص خالد" سے' بٹ میں نے تو صاف منع کر دیا میں شادی نہیں کروں گی"۔ اس نے اپنے عزائم بتائے تھے۔

"یار! وقاص خالد تو کافی ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہیں' تمہیں اس شادی پر کیا اعتراض ہے' کہیں تم کسی اور کو پسند......"

"واٹ ربش یار! تمہیں میں ایسی لڑکی لگتی ہوں؟" وہ اس پر خفا ہوئی تھی۔

"تم نے شاید سنا نہیں' میں نے شادی ہی نہیں کرنی' مجھے تو شادی کے نام سے ہی خوف آنے لگتا ہے' اخباروں میں بھی تو کیسی خبریں آتی ہیں' ساس نے بہو کو جلا دیا' شوہر نے بیوی کا گلا گھونٹ دیا' نہ بابا نہ' یہ سب پڑھ کر ہی مجھے رات کو نیند نہیں آتی' دادو نے مجھے مارنا تو دور کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی اور اس طرح کا میرے ساتھ ہوا تو میں

بڑ جاؤں گی"۔اس نے خوف سے آنکھیں میچ لی تھیں اور وہ بُری طرح ہنسنے لگی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں واثقہ! رات ہی میں نے ایک ناول پڑھا تھا ہیروئن کو گھر کے کام کاج نہیں آتے تھے باندیں اور شوہر اس کی جم کر پٹائی کرتا تھا' اس لیے میں نے تو سوچ لیا ہے میں شادی ہی نہیں کروں گی' مجھے تو ئے بھی بنانی نہیں آتی' میں تو ایسے ہی دادو کی لاڈلی اور چاچو کی گڑیا ہی بھلی"۔اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے واثقہ نے اپنا سر ہی پیٹ لیا تھا۔

"دعنی! مجھے تیری سمجھ نہیں آتی' جانے کہاں کہاں کی باتیں اپنے دل و دماغ پر سوار کر لیتی ہو' ہمارے معاشرے ظالم ساسوں اور بے حس شوہروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے مگر یار ہر انسان کی اپنی قسمت ہوتی ہے' ہر کے ساتھ یہ سب نہیں ہوتا اور لڑکیاں چاہیں تو اپنے اخلاق و سیرت سے سسرال والوں کا دل جیت سکتی ہیں اور رنے میں وہ کامیاب ہو جائیں تو نہ لڑائی جھگڑے ہوں اور نہ ہی چولہا پھٹے' ہاں یہ اور بات ہے کہ کچھ مظلوم ل بناء قصور کے ہی حالات کی چکی میں پستی رہتی ہیں لیکن شادی نہ کرنا تو اس کا حل......"

"واثقہ! چپ کر جاؤ یار' تم نے تو میرے دماغ کی چولیں تک ہلا دیں"۔اس نے واثقہ کے سامنے باقاعدہ ہاتھ ے تھے۔

"تو یہ بتا کہ رشتے کی بات کہاں تک پہنچی"۔وہ واپس اصل موضوع کی جانب مڑ گئی تھی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے واثقہ! چاچو ہر وقت دادو سے اپنے دوست کی تعریف کرتے رہتے ہیں اور انہیں بھی اور لڑکی نہیں مل رہی تھی جو میری زندگی میں ہلچل مچا دی ہے"۔اس نے غصہ سے منہ بگاڑا تھا۔

"یار! تم شادی میں غضب کی لگ رہی تھیں' وقاص خالد کو تم سے محبت ہو گئی ہو گی جبھی تو اپنے پیرنٹس کو بھیجا ہے"۔ نے جھینپ کر ایک مکا اُسے جڑا تھا۔

"واثقہ! وہ ذیشان بھائی کیسے ہیں' تم سے محبت تو کرتے ہیں؟" اس کے اچانک پوچھنے پر کتنے ہی رنگ اس کے ے پر بکھر گئے تھے۔

"ذیشان نے کبھی خود مجھ سے نہیں کہا لیکن پھپھو رشتہ ذیشان کے کہنے پر ہی لائی تھیں اس لیے مجھے لگتا ہے کہ وہ سند کرتے ہی ہوں گے"۔وہ صاف گوئی سے بولی تھی' منگنی کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی ذیشان امریکہ چلا گیا تھا' اس کی وہیں تھی۔

"یہ تمہیں کس نے بتایا کہ ذیشان بھائی تم میں انٹرسٹڈ تھے؟" وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے یہ بات ذیشان کی نگاہیں کہا کرتی تھیں مگر ظاہر ہے جب انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا تو میں کیسے اپنے دل کی بچ مان لیتی' میرے شک کو یقین ندا نے بخشا اور ندا نے ہی مجھے بتایا تھا کہ پھپھو اپنی بہن کی بیٹی سے ذیشان کی کرنا چاہتی تھیں جب ذیشان نے میرا نام لیا تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوا"۔ندا اس کی بہت اچھی دوست اور اکی بہن تھی' وہ دو ہی بہن بھائی تھے جبکہ واثقہ خود 3 بہنیں اور ایک ہی بھائی واصف تھا۔

"تم اس رشتے سے خوش ہو؟" وہ اس کے چہرے پر بکھرے رنگوں کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"آف کورس"۔وہ ہنستے ہوئے دل سے بولی تھی۔

"یار! تم لوگ واصف بھائی کی شادی کب کرو گے؟ ان کی منگنی کو 2 سال تو ہو ہی گئے ہوں گے"۔واصف کی الہ زاد سے ہوئی تھی۔

"مما کہہ رہی تھیں کہ واصف بھائی اور میری شادی ساتھ ہی کریں گی اس لیے ذیشان جب لوٹیں گے تو ہماری

شادی ہو جائے گی"۔ واثقہ نے اسے بتایا تھا اور واصف کے ذکر پر اسے اس کا دوست یاد آ گیا تھا۔

"یار عفی! فون پر تو ڈھنگ سے تم نے بتایا ہی نہیں تھا' مستغیر بھائی وہاں کیسے پہنچے تھے؟" اس واقعہ کے بعد دونوں کی ملاقات ہی نہ ہو سکی تھی۔ واثقہ خالہ زاد کی شادی میں لاہور گئی ہوئی تھی (واصف کی سالی کی) عفیف نے اسے پوری تفصیل بتا دی تھی۔

"مجھے یہ ماہین ایک آنکھ نہیں بھاتی' جب بھی تم اس کے ساتھ گئی ہو کوئی مشکل ضرور آئی ہے مگر نہ جانے کیوں تمہیں وہ پرکٹی ماہین بہت اچھی لگتی ہے' میں تو یہ سوچ کر ہی خوفزدہ ہو گئی تھی عفی! کہ اگر نیر بھائی وہاں نہ آتے تو جانے کیا ہوتا؟"

"کچھ نہیں ہوتا' ساری گڑبڑ ہی اُن کے آنے سے ہوئی تھی' وہ بے چارہ کتنی بُری طرح سے تڑپ رہا تھا' گولی چلاتے......"

"عفی! تم اس چور کو کیسے فیور کر سکتی ہو' نیر بھائی نے تمہاری خاطر اپنی جان کی پروا نہیں کی تھی' ان کے بازو میں گولی لگی تھی اور زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوا"۔ وہ حیرانگی سے بول رہی تھی' وہ خود واصف کے ساتھ مستغیر شاہ کو دیکھنے گئی تھی۔

"تم نیر بھائی سے اتنا چڑتی کیوں ہو؟" وہ اس پر برہم ہوئی تھی۔

"وہ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے' میں نے زندگی میں کبھی کسی سے نفرت نہیں کی مگر جاگیردار مجھے بالکل پسند نہیں ہیں' تمہیں پتہ ہے ناں میرے پیرنٹس کی ڈیتھ......" وہ لب بھینچ گئی تھی۔

"او گاڈ عفی! کسی ایک کے جرم کی پاداش میں ہم سارے جاگیرداروں سے نفرت نہیں کر سکتے اور نیر بھائی تقریباً 8'10 سالوں سے ہمارے گھر آ رہے ہیں' وہ بہت اچھے ہیں' ان میں عام جاگیرداروں والی کوئی بات ہے ہی نہیں' اور تم......"

"یہ زمیندار و جاگیردار ٹائپ کے لوگ دوہری شخصیت کے مالک ہوتے ہیں' باہر سے بہت باکردار دِکھتے ہیں مگر اندر سے بہت ہی گھناؤنی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں اور جن کی تم بات کر رہی ہو وہ مجھے کبھی ایک عام انسان نہیں لگے"۔ اس کی آنکھوں میں واضح ناگواری کی تحریر پڑھی جا سکتی تھی' واثقہ اسے تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتی ابھی کچھ کہتی کہ اس کی نگاہ دو چمکتے سیاہ بوٹوں پر پڑی تھی' اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا وہ کوئی اور نہیں مستغیر شاہ تھا اور اُسے وہاں دیکھ کے وہ دونوں ہی بُری طرح گڑبڑا گئی تھیں۔

............☆☆☆............

"واثقہ! کہیں انہوں نے ہماری گفتگو سن تو نہیں لی"۔ خوف اور خدشات نے ایک ساتھ ہی سر اُبھارا تھا۔

"واصف بھائی تو ابھی تک آئے نہیں آپ اندر......"

"مجھے اجازت دیں اوی! پھر کبھی آؤں گا"۔ وہ اس کے روکنے کے باوجود معذرت کرتا واپسی کے لیے قدم اٹھا چکا تھا۔

"وادوا" آواز نے اس کے قدم جکڑے تھے' عفیف نے اندر جانے کو جیسے ہی قدم بڑھائے تھے ننگے پاؤں ہونے کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے گملے کا کوئی نوکیلا ٹکڑا اس کے پیر کو زخمی کر گیا تھا' وہ ایک ہاتھ سے پاؤں اور دوسرے سے دیوار تھامے کھڑی تھی' پیر سے تیزی سے خون بہتا گھاس میں جذب ہونے لگا تھا' اپنے لیے اس کے نادر خیالات سننے کے بعد وہ اس کی ہیلپ کو آنا تو نہیں چاہتا تھا مگر جانے کس طاقت کے تحت اس کے قدم اس کی جانب اٹھنے لگے

تھے' واثقہ نے اسے سہارا دے کر کین کی کرسی پر بٹھایا تھا اور ملازمہ کو آواز دے کر فرسٹ ایڈ باکس منگوایا تھا اور وہ اس کے عین سامنے چیئر پر بیٹھا بڑی مہارت سے بینڈیج کرنے لگا تھا۔

"یہ چوٹ لگی کیسے؟" مقیتہ نے بہن سے پوچھا تھا۔

"نیر بھائی! زخم گہرا تو نہیں"۔

"ارے نہیں ادی! معمولی سا زخم ہے چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا"۔ اس نے مقیتہ سے کہا تھا جبھی اس کے ہاتھ کی پشت پر موٹے موٹے آنسو گرے تھے' اس نے ناٹ لگاتے ہوئے اس کے چہرے پر نگاہ کی تھی' گلابی چہرے میں سرخیاں گھلی ہوئی تھیں اور وہ دانتوں سے لبوں کو کچل رہی تھی' اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا' عفیف نے اپنے چہرے پر نگاہوں کی تپش سی محسوس کر کے آنکھیں کھولی تھیں اور نم پلکوں سے اسے دیکھنے لگی تھی' وہ بہت سنجیدگی سے بکھری چیزیں سمیٹ رہا تھا اور وہ اسے دیکھے گئی تھی' سانولا پرکشش چہرہ' گہری سیاہ آنکھیں' مونچھوں تلے بھرے بھرے عنابی ہونٹ' ماتھے پر بکھرے سلکی بال' وہ کافی پرکشش شخصیت کا مالک تھا' اس نے اپنے کام سے فارغ ہو کر نگاہ اٹھائی تھی اور خود پر جمی نگاہوں سے نگاہ ٹکرائی تھی اور وہ پلکوں کی جھالر گراتی گڑبڑا کر چہرے پر آئی لٹوں کو پیچھے کرنے لگی جبکہ اس کا دل آج اپنے قابو میں رہنے کو ہرگز تیار نہ تھا' مکمل طور پر بغاوت پر اترا ہوا تھا اور وہ جانے کے لیے فوراً کھڑا ہو گیا تھا' مقیتہ کے روکنے پر بھی نہیں رکا تھا۔

............☆☆☆............

"دادو! میں شادی نہیں کرنا چاہتی' آپ پلیز انہیں منع ......"

"عفی! فالتو کی باتیں نہ کرو' ہم جلد از جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں' وقاص بہت اچھا لڑکا ہے تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی"۔ وہ پوتی کو درمیان میں ٹوک کر بولی تھیں۔

"دادو! آپ کیا مجھ سے عاجز آ گئی ہیں جو ہر وقت مجھے اس گھر سے نکالنے کی بات کرتی رہتی ہیں"۔ وہ اپنا پرانا شغل جاری کر چکی تھی۔

"عفی چندا! ہم کون سا تمہیں کل ہی رخصت کر رہے ہیں' ابھی صرف منگنی اور ماسٹرز کمپلیٹ ہونے کے بعد شادی کریں گے"۔ زوہیب یزدانی نے کہا تھا۔

"جب میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تو کیوں کریں گے؟" اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان پوچھا تھا۔

"زوہیب! ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں تم ہی اس ملکہ جذبات کو سنبھالو' شادی تو ایک نہ ایک دن اس کی ہونی ہی ہے مگر یہ ہے کہ ہماری سننے کو تیار ہی نہیں ہے' وقاص ناپسند ہے تو اپنی پسند بتا دے' ہمیں تو صرف اس کی خوشی عزیز ہے"۔ وہ روتی ہوئی پوتی پر ایک نگاہ ڈالتیں نماز کے ارادے سے اٹھ گئی تھیں۔

"چاچو! دادو کو غلط لگتا ہے کہ میں کسی کو پسند کرتی ہوں' آئی سویئر چاچو ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ سچائی سے بول رہی تھی۔

"گڑیا! تمہیں کوئی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے' میں اپنی عفی کو اس سے زیادہ جانتا ہوں اور شاباش رونا بند کرو اور دل میں جو خدشات ہیں چاچو سے نہیں کہہ سکتیں تو چاچی سے کہہ دو"۔ انہوں نے بہت پیار سے اسے کچھ کہنے پر ابھارا تھا۔

"چاچو! آپ سے چھپانے والی تو کوئی بات ہے ہی نہیں' وہ ایکچوئیلی مجھے ...... پہلے ایک وعدہ کریں سچائی جاننے

کے بعد آپ میری شادی نہیں کریں گے"۔ اس نے کچھ بھی بتانے سے پہلے انہیں پکا کر لینا ضروری سمجھا تھا۔

"سولڈ ریزن ہوگا تو میں اماں جان کو راضی کر لوں گا"۔ انہوں نے فوراً وعدہ کر لیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ کوئی بے تکی سی منطق ہی جھاڑے گی اور ایسا اس کی آنکھوں میں وہ صاف پڑھ سکتے تھے۔

"وہ چاچو! میں شادی نہیں کرنا چاہتی کیونکہ میں نے سنا ہے شوہر بہت ظالم ہوتے ہیں اور بیویوں کو بہت مارتے ہیں اور ساس نندیں تو بے چاری کا بھرکس......" وہ جلدی جلدی کہتی ان دونوں کو ہی ہنستے دیکھ کر چپ کر گئی تھی۔

"اتنی سی بات کو لے کر پریشان ہو"۔ ہنسی کے درمیان کہنا چاہا تھا۔

"چاچو! یہ اتنی سی بات نہیں ہے"۔ وہ بُرا مان گئی تھی۔

"عفی! ذرا یہ تو بتاؤ یہ جو تمہاری چاچی ہیں میں نے کون سے وقت ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں اور اماں جان نے کتنی بار اپنی بہو کا بھرکس نکالا ہے"۔ وہ ہنسی چھپاتے ہوئے اس سے پوچھ رہے تھے۔

"ایک بار بھی نہیں"۔ مقیتہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"چاچی! اگر چاچو آپ کو نہیں ڈانٹتے تو صرف اس لیے کہ میرے چاچو بہت اچھے ہیں اور چاچی آپ خود بھی تو کتنی اچھی ہیں' چاچو سے کتنی محبت کرتی ہیں' ان کا خیال رکھتی ہیں"۔ وہ معصومیت سے گویا ہوئی تھی۔

"عفی! جیسا تم نے کہا کہ تمہارے چاچو اور چاچی دونوں بہت اچھے ہیں' ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں' تو عفی جب تم شادی ہو کر اپنے سسرال جاؤ گی اور اپنے سسرالیوں سے اچھے طریقے سے پیش آؤ گی تو وہ بھی تمہارے ساتھ بُرے طریقے سے پیش نہیں آئیں گے' کسی دوسرے کے اچھا یا بُرا ہونے سے قبل انسان کا خود اچھا ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ لوگ ہمیں وہی لوٹاتے ہیں جو ہم اُن کو دیتے ہیں"۔ مقیتہ اسے بہت پیار سے سمجھا رہی تھی' اسے کافی حد تک مقیتہ کی باتیں سمجھ آ گئی تھیں مگر تمام ڈر زائل نہ ہوا تھا ایسا اس کے چہرے پر رقم تھا' زوہیب یزدانی کو شرارت سوجھی تھی اور وہ اسے چھیڑنے لگے تھے۔

"ایسا کرتے ہیں بیٹا! ہم وقاص کے پیرنٹس کو انکار کر کے ڈاکٹر اختر کے بیٹے کا پرپوزل قبول کر لیتے ہیں یہ شادی ہو کر کینیڈا چلی جائے گی اور وہاں تو کوئی بھی بیویوں کی پٹائی نہیں کر سکتا"۔ وہ اسے شرارت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے' ڈاکٹر اختر اُن کے فیملی ڈاکٹر تھے' اور انہوں نے کینیڈا میں مقیم اپنے اکلوتے بیٹے کا پرپوزل دیا تھا مگر وہ لوگ عفیف کو اتنی دور بھیجنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے اس لیے معذرت کر لی تھی۔

"آپ لوگ میری شادی کسی سے بھی کریں مگر یاد رکھیں میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر اتنی دور تو ہرگز نہیں جاؤں گی"۔ وہ کہہ کر رُکی نہیں تھی اور دونوں اس کی چھوٹی سی بات میں چھپے اقرار کو محسوس کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے تھے۔

"اے بے غم! ہنسنا بند کرو اور فوراً ایک کپ چائے بنا کر لاؤ"۔ وہ کڑک لہجے میں بولے تھے جبکہ وہ ان کے انداز پر ہنستی چلی گئی تھی۔

"بیٹا! میں واقعی ایک ظالم شوہر بن جاؤں تو تب تم کیا کرو گی؟" انہوں نے شرارت سے اس کی ناک کھینچی تھی۔

"مجھے معلوم ہے آپ ایسے نہیں ہیں' بالفرض ہو گئے تو ایک مشرقی لڑکی کی طرح گھٹ گھٹ کر جینے کی عادت ڈال لوں گی"۔ وہ قدرے بے چارگی چہرے پر طاری کرتے ہوئے بولی تھی۔

"مشرقی حسینہ! میں صرف مذاق کر رہا تھا زیادہ مظلوم بننے کی اداکاری نہ کرو"۔ وہ بُری طرح جھینپ گئی تھی جبکہ وہ مسکرانے لگے تھے۔

''آئی لو یو بیٹا! کبھی میرے پیار میں کمی محسوس کر دیا میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کر جاؤں تو وقت کے چلتے مجھے احساس دلا دینا کیونکہ خاموشی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی بلکہ مشکلات میں اضافے کا سبب بنتی ہے اور میں رشتوں میں خوشیاں بانٹنے اور احترام کا قائل ہوں' کسی جبر و زبردستی کا قائل نہیں ہوں''۔ وہ بہت پیار سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''آپ بھی مجھے جہاں غلط یا زیادتی کرتا پائیں تو مجھے احساس......''

''زیادتی تو تم مجھ بے چارے کے ساتھ بہت کرتی ہو' آج تک ایک دفعہ جو مجھ سے اپنے پیار کا اظہار کیا ہو''۔ وہ اس پر خفا (مصنوعی) ہوئے تھے۔

''محبت لفظوں کی نہیں رویوں کی محتاج ہوتی ہے اور آپ کو کیں لگا کہ میں آپ سے محبت نہیں کرتی' میرا آپ کے ساتھ ہونا ہی میرے پیار کا ثبوت ہے''۔ وہ دھیرے سے اپنی سوچ بیان کرتی ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

............☆☆☆............

''السلام علیکم بھابی!'' سوٹ دیکھتی مقیتہ نے آواز کا تعاقب کیا تھا' وقاص خالد سامنے ہی کھڑا مسکرا رہا تھا' اس نے شرارت سے عفیف کو ٹہوکا دیا تھا اور وہ کنفیوژ ہو گئی تھی۔

''اکیلے اکیلے کیا خریدنے آئے تھے''۔ مقیتہ متبسم تھی۔

''کچھ خاص نہیں''۔ اس نے عفیف پر نگاہ کی تھی' وہ گھبرائی شرمائی سی اس کے دل کے تار بجا گئی تھی۔

''آپ اکیلی آئی ہیں' ذوہیب ساتھ نہیں آیا''۔

''ذوہیب ڈراپ کر کے چلے گئے تھے' واپسی پر ٹیکسی سے چلے جائیں گے''۔ وہ عفیف کی گھبراہٹ سے کافی محظوظ ہوئی تھی۔

''آپ کہیں تو میں ڈراپ کر دوں''۔ کافی خوشدلی سے پوچھا تھا۔

''بہت شکریہ وقاص بھائی! ابھی ہمیں کچھ وقت لگے گا''۔ اس نے شائستگی سے انکار کر دیا تھا اور وہ اجازت لیتا آگے بڑھ گیا تھا۔

''چاچی! میں بہت تھک گئی ہوں' بس گھر چلیں''۔ وہ اسے دوسری شاپ میں جاتے دیکھ کر بولی تھی۔

''ایسی بات تھی تو پہلے کہتی' اچھی بھلی لفٹ کی آفر ٹھکرائی''۔ وہ شوخ ہوئی تھی۔

''چاچی......'' اس کے ٹھنکنے پر وہ مسکرا دی تھی۔

''ٹیلر سے کپڑے لے لیں پھر چلیں گے''۔ وہ مزید شاپنگ کا ارادہ ترک کر چکی تھی۔

''میں آپ کا نیچے ویٹ کر رہی ہوں جلدی آئیے گا''۔ وہ ٹیلر کی شاپ پر جانے کے بجائے لفٹ کی جانب بڑھ گئی تھی' اس نے بٹن پش کر کے گراؤنڈ فلور کو ادکے کیا تھا اور لفٹ کھلتے ہی اندر داخل ہو گئی تھی' لفٹ بند ہونے کے لاسٹ منٹ ایک شخص نے لفٹ میں قدم رکھا تھا اور لفٹ بند ہو گئی تھی' سامان ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے اس کی نگاہ لفٹ میں موجود شخص پر پڑی تھی جسے دیکھتے ہی اس نے لفٹ روکنے کے لیے بٹن پش کرنا شروع دیئے تھے اور مارے گھبراہٹ کے اس کے ہاتھ سے بیگز گر گئے تھے۔

''مس عفیف! آخر آپ مجھے دیکھ کر خوفزدہ کیوں ہو جاتی ہیں؟'' مستقیم شاہ نے شاپرز اٹھا کر اس کی جا بڑھاتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ جبکہ وہ تو لرزتی ہوئی لفٹ کے کونے سے جا چپکی تھی' اس کی آنکھوں میں دوڑتی

یہ بے اختیاری اسے کافی زیادہ مشتعل کر گئی تھی۔
"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں کس قماش کا انسان ہوں؟" وہ اس کا بازو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"مجھ سے دور رہیں' چھونے کی کوشش....." وہ بازو چھڑاتے ہوئے لڑکھڑاتے لہجے میں بولنے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ اس کا دماغ تو اس کے لفظوں میں چھپی بے اختیاری پر بھک سے اڑ گیا تھا۔
"مس عفیف یزدانی! تم نے مستغیر شاہ کو بہت غلط سمجھا ہے"۔ اس نے بازو سے تھام کر جھٹکے سے خود سے الگ کیا تھا اور وہ آنے والے لمحوں کا سوچتی خوف سے ہمیشہ کی طرح آنکھیں بند کر گئی تھی اور اس کی نگاہ لرزتی پلکوں اور لہو چھلکاتے چہرے پر جم سی گئی تھی' لائٹ جانے کی وجہ سے لفٹ جو رک چکی تھی لائٹ آ جانے کے باعث ایک جھٹکے سے کھلتی چلی گئی تھی' گراؤنڈ فلور پر کافی لوگ آ جا رہے تھے' مقیتہ جو اس کا ویٹ کر رہی تھی اس نے کافی حیرانگی سے یہ منظر دیکھا تھا' مستغیر شاہ نے اس کا بازو آزاد کیا تھا اور مڑتے ہی اس کی نگاہ مقیتہ کی حیران نگاہوں سے ٹکرائی تھی اور وہ رکے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا' لوگ ناک بھوں چڑھاتے اپنی اپنی راہ ہو لیے عفیف لہرا کر زمین پر آ گری تھی' مقیتہ کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے' وہ عفیف کا سر اپنی گود میں رکھتے ہوئے زوہیب یزدانی کو فون ملانے لگی تھی' زوہیب آفس سے گھر کے لیے ہی نکل رہے تھے' وہ فوراً ہی وہاں پہنچ گئے تھے اور عفیف کو بے ہوش دیکھ کر وہ کافی پریشان ہو گئے تھے۔

............☆☆☆............

"زوہیب! عفی تھکن کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی' آپ پریشان ہونے کے بجائے جا کر فریش ہو جائیں"۔ انہوں نے اسے روم میں بھیج کر خود عفیف کے کمرے کا رخ کیا تھا' وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیڈ پر دراز تھی۔
"عفی.....!" مقیتہ کی پکار پر اس نے سر اٹھایا تھا اور اس سے لپٹی بلک اٹھی تھی اور وہ جو پہلے ہی واہمات کا شکار تھی کچھ اور متفکر ہو گئی تھی جبکہ وہ مستغیر شاہ کو کافی عرصے سے جانتی تھی اور اس سے مقیتہ کو کسی غلط حرکت کی امید نہ تھی۔
"عفی! مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا؟ انہوں نے تمہارے ساتھ....." مستغیر شاہ پر اس کا اعتبار اسے مزید کچھ کہنے سے روک گیا تھا۔
"چاچی....." اس نے روتے ہوئے اسے تفصیل بتا دی تھی۔
"عفی! تمہیں وہ سب بکواس کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی' ڈر لگ رہا تھا تو لفٹ روک کر باہر آ جاتیں' سوچا ہے تم وہ مشتعل ہو کر کچھ کر بیٹھتے تو....." اس کی آنکھوں کے سامنے مستغیر شاہ کی سرخ آنکھیں لہرائی تھیں اور وہ خوف سے ہی کانپ گئی تھی۔
"چاچی! آپ مجھے ہی کیوں ڈانٹے جا رہی ہیں جب انہوں نے میرا بازو پکڑا تو میں کیا کرتی' مجھے تو ان کی آنکھوں سے ہی خوف آ رہا تھا' اگر لفٹ نہ کھلتی تو وہ جانے کیا کرتے..... سچ چاچی وہ بالکل اچھے انسان نہیں ہیں' کردار تو ویسے ہی کافی لوز کریکٹر ہوا کرتے ہیں اور آپ انہیں کچھ کہنے کے بجائے قصور کیے جا رہی ہیں"۔ وہ نہایت غصے سے کہتی اسے خفگی بھری نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔
"عفی! میں نے کب کہا کہ وہ بہت اچھے یا ..... ہیں' بعض دفعہ صرف ہماری کہی ہوئی بات ہمارا ایک ..... ہمارے دشمن بن جاتے ہیں اور عفی مرد کو غصہ دلا..... صرف ایک لمحہ لگتا ہے مگر وہی ایک لمحہ کبھی کبھی سالوں

پر محیط ہو جاتا ہے مگر جیسے ہر مرد فرشتہ صفت نہیں ہوتا ٹھیک ویسے ہی ہر مرد سفاک و درندہ صفت بھی نہیں ہوتا' مجھے معلوم ہے کہ تم زیادہ گھر سے باہر نہیں نکلتیں' مردوں سے تمہارا ابھی واسطہ نہیں پڑا' مگر چندا! کسی آدم زاد کو دیکھ کر خوف سے کانپنے لگنا' اس کے چھوٹے سے عمل کو بے اعتباری کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے اس کے کردار کو نشانہ بنانا تو کہیں سے بھی درست نہیں ہے کیونکہ بدکردار مرد کو بھی بدکردار کہو تو وہ کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کرتا تو خود سوچو ایک باکردار مرد کو شک کی نگاہ سے دیکھنا یا اپنے انداز ولفظوں سے اس کی توہین کرنا' اسے یہ سمجھانا کہ وہ بہت ناقابل اعتبار ہے تو چندا وہ بھی برداشت نہیں کرے گا اور ایسے میں وہ مشتعل ہو گیا تو نقصان کس کا ہے؟ اور ہم ایسے کسی نقصان سے بچنے کے لیے ہی تو خاموشی کی ردا اوڑھے رکھتی ہیں ورنہ کیا لڑکیوں میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ راہ چلتے تنگ کرنے والے کسی بھی شخص کو اس کی اوقات یاد دلا سکیں' مگر لڑکیاں ایسا نہیں کرتیں کیونکہ بظاہر نظر آنے والی کم ہمتی اور بزدلی میں لڑکی کا مفاد پنہاں ہوتا ہے کیونکہ تن کر کھڑی ہو جانے والی لڑکی خود پر مشکلوں کے دروازے کھول دیتی ہے کیونکہ یہ معاشرہ مردوں کا ہے اور عورت ہر ظلم کو خاموشی سے سہنے پر مجبور ہے' مگر جب لڑکیاں گھر سے نکلتی ہیں تو ان میں اعتماد ہونا چاہیے کیونکہ اعتماد سے چلتی لڑکی اور خوف سے چلتی لڑکی میں واضح فرق ہوتا ہے کیونکہ جھکی نگاہ میں شرم وحیا اور اعتماد کی لالی ہو تو کسی کی بھی تنگ کرنے کی ہمت نہیں پڑتی اور تم پُراعتماد انداز میں اس وقت کھڑی رہتیں تو وہ ہرگز بھی غصے کا شکار نہ ہوتے' یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں عفی! جن کا ہر لڑکی کو خیال رکھنا چاہیے' اور میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا پانچوں انگلیاں کبھی برابر نہیں ہوتیں' اگر ایک جاگیردار اچھا ہے تو ضروری نہیں سارے ہی اچھے ہوں اور اسی طرح چند جاگیردار لوز کریکٹر ہوں تو ضروری نہیں ہے کہ مستغیر شاہ بھی انہی کی فہرست میں شامل ہوں کیونکہ اچھائی انسان کے اندر ہوتی ہے' باپ بُرا ہو تو بیٹا بھی بُرا نہیں ہوتا' کبھی شیطان کے گھر سادھو تو کبھی سادھو کے گھر شیطان بھی جنم لے لیا کرتے ہیں'' ۔مقیتہ اسے بالکل ماؤں کی طرح سمجھا رہی تھی اور وہ لب کاٹتی خاموشی سے اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''چلو شاباش' جا کر فریش ہو جاؤ' جب تک میں کھانا لگواتی ہوں اور جو ہوا اُسے بھول جاؤ اور پلیز عفی! اس بات کا ذکر زوہیب سے مت کرنا' ایسا نہیں ہے کہ میں کچھ غلط سوچ رہی ہوں یا زوہیب ایسا سوچیں گے......بس عفی! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کسی کے علم میں نہ لانا ہی بہتر ہوتا ہے''۔ اس کی آنکھوں میں ابھرتے سوال کو دیکھ کر اس نے زوہیب کو نہ بتانے کی وجہ سمجھائی تھی اور اسے جلدی سے آنے کا کہہ کر اس کے روم سے نکل کر کچن میں آ گئی تھی' آج اس نے زوہیب یزدانی کے لیے چائے تک نہ بنائی تھی' وہ حقیقتاً عفیف کو لے کر پریشان تھی اور ساری تفصیل جاننے کے بعد وہ کافی مطمئن ہو گئی تھی ورنہ تو وہ ڈر ہی گئی تھی۔

............☆☆☆............

''تیرا جب تو فیصلہ کر ہی چکا ہے تو تجھے اُسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کے اتنا بُرا کیوں لگا؟'' وہ دونوں جب شاپنگ مال میں داخل ہوئے تھے اُن دونوں نے ہی مقیتہ اور عفیف کے ساتھ وقاص خالد کو کھڑے دیکھ لیا تھا اور مستغیر شاہ اُسے کچھ بھی کہے بغیر پلٹ گیا تھا اور جب لوٹا تھا تو کافی غصے میں تھا' انہوں نے جو خریدنے گئے تھے اس میں سے بھی کچھ نہ خریدا تھا۔

''آخر اس نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے جو اس نے وہ بکواس کی''۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی تھی اور وہ بات ادھوری چھوڑ کر تن فن کرتا اان ڈور لرنے لگا تھا' وہ بھی حیرانگی سے اُترا تھا کہ اس کی کال آ گئی تھی' فون ڈسکنیکٹ کرنے ... پلٹ' وہ اس کے روم میں پہنچا پور کمرہ جنگ کے بعد کی تباہی کا سا منظر پیش کر رہا تھا۔

''نیر! کیا ہے یہ سب''۔ وہ اس کے ہاتھ سے کرسٹل کا گلدان لیتے ہوئے استفسار کر رہا تھا' اس نے ٹیبل پر رکھے جگ کو منہ سے لگا لیا تھا اور ڈھیلے انداز میں بیڈ پر بیٹھ کر دراز کھول کر سگریٹ کا پیکٹ نکال لیا تھا وہ کافی حیرانگی سے اسے سگریٹ سلگاتے دیکھ رہا تھا' اس کی حیرانگی بجا تھی کیونکہ ان کا ساتھ بہت پرانا تھا اور اسے سگریٹ کی لت نہ تھی۔

''نیر! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تو اور سگریٹ...... یہ بُری عادت تجھ میں کب آئی؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

''اپنے اندر کے سلگتے الاؤ کو باہر نکالنے کے لیے میں نے یہ مصنوعی سہارا ڈھونڈ لیا ہے' یہ سلگتی سگریٹ مجھے احساس دلاتی ہے کہ دنیا میں ایک میں ہی نہیں سلگ رہا' میرے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جو دن رات سلگا کرتی ہیں''۔ وہ کش پر کش لگا تا اس کی حیرانگی میں اضافہ کرنے کا باعث بن رہا تھا۔

''فیصلہ تو نے خود کیا ہے جبکہ میں نے تجھے کتنا سمجھایا تھا کہ محبت ایک بار بچھڑ جائے تو راہوں میں نہیں ملا کرتی' اور جب فیصلہ تیرا ہے تو تجھے کیوں ان مصنوعی سہاروں کی ضرورت پڑ گئی' تو تو خود کو بہت بہادر سمجھتا تھا' تجھے لگتا تھا کہ تو محبت کھو کر بھی جی لے گا اور کہاں تو تو اسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر بھی تڑپ اٹھا' کیا بس یہیں تک تھی تیری برداشت کی حد؟''

''میری برداشت کی پرواز کہاں تک ہے تو تصور بھی نہیں کر سکتا' اسے کسی اور کی نگاہ کے حصار میں کھڑے دیکھنا تو برداشت کی پہلی سیڑھی تھی اور یہ کہاں تک جائے گی مجھے خود اندازہ نہیں ہے' اسے کسی اور کے ساتھ ہنستے مسکراتے دیکھنا میرے لیے بہت کٹھن ہے' مگر اس وقت میرے غصے کی وجہ اس کا کسی اور کے سنگ ہونا نہیں ہے' اس کی وہ بے اعتباری' وہ الفاظ اور مجھے دیکھتے ہی آنکھوں میں دَر آنے والا خوف ہے' جو آج میرے کردار کے پرخچے اُڑا گیا ہے' دل میں تو آ رہا تھا واصف! کہ اس کا گلا گھونٹ دوں یا کم از کم اس کے خوف کو ہی سچ کر دوں...... مگر ہر بار جانے کون سی طاقت ہے جو مجھے اس سے ہٹ کر چلنے دیتی ہی نہیں' میں خود کو بھلا کر صرف اس کی خوشی' اس کی بھلائی سوچا کرتا ہوں ورنہ واصف آج میں اشتعال میں جانے کیا کر گزرتا''۔ اس لمحے کا تصور کر کے مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور جلتی ہوئی سگریٹ اس کی ہتھیلی کو جلاتی سرد پڑ گئی تھی' واصف اس کے تنے ہوئے چہرے اور کمرے میں پھیلے دھوئیں کو متحیر سا دیکھے گیا کیونکہ آج اس نے مستغیر شاہ کا ایک نیا روپ دیکھا تھا اور وہ اُسی حیرانگی کے عالم میں گھبرا اُسے سمجھانے لگا تھا۔

''چھوڑ یار! فیصلہ تو تو ویسے بھی کر چکا''۔

''تو نہیں سمجھ سکتا واصف! کہ اس وقت میرے دل و دماغ میں کیسی ہلچل مچی ہوئی ہے' اسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر اور پھر اس کی آنکھوں میں اپنے لیے بے اعتباری نے مجھے کیسا دکھ پہنچایا ہے تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا''۔ وہ حد درجہ مغموم نظر آ رہا تھا۔

''نیر! مجھے تیری سمجھ نہیں آتی' تو اسے پانا نہیں چاہتا مگر اسے کسی اور کے سنگ دیکھ کر تجھے جلن ہوتی ہے' تو اس کے دل میں اپنے لیے محبت جگانا نہیں چاہتا مگر اس کی نفرت نے تیرے دل میں اِک آگ سی لگا دی ہے''۔ واصف نے اس کے ہاتھ سے آخری سگریٹ چھین کر ایش ٹرے میں مسل دی تھی۔

''میں خود ساختہ فاصلے پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر تڑپوں گا نہیں' یہ تڑپ تو میری محبت کی دین ہے' مجھے ہر حال میں اس کی خوشی عزیز ہے ورنہ اسے حاصل کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے مگر جسے کبھی پانے کا نہیں سوچا اسے حاصل کرنے کی پلاننگ کیوں کر کروں۔

''واصف! وہ میرے دل کی پہلی خواہش ہے' میں نے ہمیشہ جو چاہا وہ پایا' میری ضد کے آگے میرے والد کو بھی ہمیشہ ماننے ہی بنی مگر یہاں میری ضد سے بڑھ کر اس کی عزت نفس کی بات ہے' میرے گھر والے اُسے مِے

مجبور کرنے پر حویلی میں تو جگہ دے دیں گے مگر وہ احترام' وہ محبت جس کی وہ حقدار ہوگی اسے وہ کبھی نصیب نہ ہو سکے گا' ایسے ہی تو میں اپنی محبت قربان نہیں کر رہا اور جس کی خاطر میں نے اپنی ذات قربان کردی اس کی آنکھ میں میرے لیے ایک اعتبار بھی نہیں ہے' میں اس کی خاطر ہر دکھ سہہ سکتا ہوں لیکن...... وہ مجھ سے نفرت کرے' مجھے ایک کرپٹ انسان سمجھے یہ میری برداشت کی آخری حد ہے کیونکہ میں اسے اپنے لیے تڑپتا نہیں دیکھ سکتا' تو اسے اپنے خلاف بولتے' بے یقینی و بے اعتباری سے دیکھ پانا بھی میرے لیے آسان نہیں ہے"۔ وہ دکھتے ہوئے سر کی کنپٹیوں کو انگلیوں کی مدد سے سہلا رہا تھا۔

کبھی یہ زعم کہ تو میرا ہے فقط میرا ہے
کبھی یہ ڈر کہ تو مجھ سے سرگراں تو نہیں
کبھی یہ دعا کہ تجھے سارے جہان کی خوشیاں ملیں
کبھی یہ خوف کہ تو میرے بغیر خوش تو نہیں

"نیر! تیری ہر بات اپنی جگہ درست ہے مگر یار! نفرت کو محبت میں بدلنا اتنا کٹھن نہیں ہوتا جتنا تو نے تصور کرلیا۔ تیرے گھر والے ہوسکتا ہے شروع شروع میں اسے وہ مقام وہ عزت نہ دیں جو تیرے حوالے سے اسے دینا چاہیے' مگر کب تک...... یار نفرتوں کو محبتوں کے قالب میں تیری کوششیں ڈھال سکتی ہیں اور نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ اتنی زیادہ چاہت اور تڑپ کے باوجود تو آگے نہیں بڑھ رہا تو اس میں عفیف کی خوشی کے ساتھ کوئی اور وجہ بھی ہے جو آگے قدم بڑھانے سے گریزاں ہے ورنہ جس سے کوئی تعلق نہ ہو کر بھی جس کا تجھے اتنا خیال ہے تو کیا اُسے اپنے ساتھ جوڑنے کے بعد' کیا تو اس کے مقام کے لیے کوئی قدم اٹھانے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جائے گا' میں مان ہی نہیں سکتا"۔ داصف کے پُریقین لہجے پر ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی تھی۔

"ہم جاگیردار لوگ برادری سے باہر شادی نہیں کرتے اور میں جس وقت عفیف سے ملا تھا میری ذات تنہا نہ تھی' میرے نام کے ساتھ کسی کا نام جڑا ہوا تھا' میرا نکاح ہوچکا ہے"۔

"واٹ......" اس کے بے یقینی سے چیخنے پر وہ قہقہہ لگا بیٹھا تھا اور یہ قہقہہ اپنے بے بسی پر تھے۔

"یہ ایسی سچائی ہے جو میری زندگی کی پہلی خواہش اور چاہت کو بہا کر لے گئی ہے' جب میری عفیف پر پہلی نگاہ پڑی دل سینے سے نکل کر اس کی معصومیت کا اسیر ہوگیا' محبت کرنا میرے اختیار سے باہر تھا مگر آگے کے مراحل پر میرا اختیار ہے' میرے لیے یہی کافی ہے کہ ایک معصوم لڑکی میرے دل کو دھڑکانے کا سبب بنی تھی' نہ اسے مکمل فراموش تو تاحیات نہ کرسکوں گا مگر اتنی کوشش ضرور کروں گا کہ اس کی اور خود میری زندگی متاثر نہ ہو اور میں اب اس باب کو بند کردینا چاہتا ہوں کیونکہ...... نہ خود میں خائن بننا چاہتا ہوں اور نہ ہی کسی اور کی امانت کو ذہن و دل میں بسا کر اس کے وقار کو مجروح کرنا چاہتا ہوں"۔ اس کی خوبصورت آنکھیں دکھ اور حزن و ملال کا منظر پیش کرتیں حد درجہ لہورنگ ہو رہی تھیں' داصف کی نگاہ میں اس کے لیے ستائش اور عزت ہی عزت تھی اور وہ اپنی ہی آنکھوں کی نمی پر دکھ سے مسکرا دیا تھا۔

عجب تقاضے ہیں چاہت کے کاروبار کے بھی
میں مطمئن نہ ہوا اس پر جان وار کے بھی
تڑپ تو جاتا ہے انسان مر نہیں جاتا
دیکھے ہیں تمہارے ہجر میں دن گزار کے بھی

.........☆☆☆.........

"قاسم بھائی! بھابی کو بعد میں دیکھ لیجیے گا پہلے انگوٹھی پہنا دیں' بھابی منتظر ہیں"۔ وقاص کی چھوٹی اور اکلوتی بہن جویریہ کے شرارت سے کہنے پر جہاں سب مسکرا دیے تھے وہ جھینپ کر مسکرا دیا تھا اور اس نے عفیف کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما تھا' حنائی ہاتھ میں واضح لرزش تھی' اس نے مسکراتے ہوئے اس کے مرمریں ہاتھ کی تیسری انگلی اپنے نام کی انگوٹھی سے سجادی تھی' تالیوں سے پورا ہال گونج اٹھا تھا' مقیتہ نے رنگ اس کی جانب بڑھائی تھی جسے شرماتے گھبراتے کانپتے ہاتھوں سے اس نے وقاص خالد کو پہنادی تھی' تالیوں کی گونج کے ساتھ مبارک سلامت کا شور بھی اٹھ گیا تھا' ڈیکوریشن کے ساتھ ہی دوسری جانب ڈنر بھی چل رہا تھا۔

"چاچی! کب تک فارغ ہو جائیں گے' یہ اتنے بھاری کپڑے اور زیورات مجھے سخت اریٹیٹ کر رہے ہیں"۔ واثقہ اور عائکہ اسے ڈریسنگ روم میں لے آئی تھیں اور وہ مقیتہ کو دیکھتے ہی بولی تھی۔

"ابتداء سے ہی گھبرا گئیں جبکہ تمہیں تو میک اپ اور ایسے کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا"۔ واثقہ نے اسے ... تھا۔

"گھبراؤ نہیں' کافی سے زیادہ مہمان واپس چلے گئے ہیں' باقی مہمانوں کے جاتے ہی ہم بھی چلیں گے' جب تک تم ریلیکس ہو کر بیٹھو"۔ اس نے عفیف کو تسلی دی تھی جبکہ عائکہ' زوہیب یزدانی کا پیغام لیے چلی آئی تھی اور وہ فوراً باہر نکل گئی تھی۔

"واثقہ! کم از کم اس دوپٹہ کی پنیں ہی ہٹا کر مجھے اس بوجھ سے آزادی دے دو' میری گردن اکڑ کر رہ گئی ہے"۔ واثقہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھی ہی تھی کہ عفیف کی ساس اور نند اسے سی آف کرنے آ گئی تھیں' مسز خالد اس کی چمکتی پیشانی چومتیں ہزاروں دعائیں دیتی رخصت ہوئی تھیں۔

"آپ نے یہاں آ کر اچھا نہیں کیا' بے چارے وقاص بھائی کی نگاہیں سارے وقت آپ کو ہی تلاشتی رہیں"۔ جویریہ نے شرارت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا جبکہ وہ تو کچھ بول ہی نہ سکی تھی' ان لوگوں کے جاتے ہی وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔

"اللہ کے فضل سے سارے کام خوش اسلوبی سے انجام پا گئے"۔ ماں کی بات پر انہوں نے بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا تھا' تیز رفتاری سے سنسان سڑک پر چلتی کار یکدم ہی جھٹکا کھا کر رک گئی تھی۔

"اوشٹ......اب اسے کیا ہو گیا؟" وہ گاڑی سے اترے تھے' بونٹ کھول کر خرابی دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر رات کا وقت تھا اور وہ اندھیرے میں پرابلم سمجھ نہیں پا رہے تھے جبھی سیاہ پجیرو رکی تھی اور شیشہ کھول کر ڈرائیور نے پرابلم پوچھی تھی اور زوہیب یزدانی اس کی طرف مڑتے ہوئے مسئلہ بتانے لگے تھے جبھی بیک سیٹ پر بیٹھے مستعیر شاہ کی نگاہ زوہیب یزدانی پر پڑی تھی اور وہ ڈور کھولتا باہر آ گیا تھا۔

"زحمت کی کوئی بات نہیں ہے' آپ میری گاڑی میں چلیے' میرا ڈرائیور ریپئرنگ کے بعد آپ کی گاڑی آپ تک پہنچا دے گا"۔ وہ بہت خلوص سے انہیں لفٹ کی آفر کر رہا تھا اور انہیں بھی یہی بہتر لگا تھا' رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے' ٹیکسی وغیرہ کا نام و نشان تک نہ تھا اور وہ تنہا نہ تھے پوری فیملی ان کے ساتھ تھی' انہوں نے تینوں ہی کو اتر کر مستعیر شاہ کی گاڑی میں بیٹھنے کو کہا تھا' عفیف لہنگا سنبھالتی نیچے اتری تھی اور گاڑی کی مدھم روشنی میں اس کے قیامت ڈھاتے روپ کو دیکھ کر وہ ڈرائیور کو ہدایت دینا ہی بھول گیا تھا' وہ یک ٹک پیازی رنگ کے لہنگے میں مکمل سولہ سنگھار کیے عفیف یزدانی کو دیکھ رہا تھا' وہ چونکا تو اس وقت جب وہ وہاں سے ہٹ کر گاڑی میں جا بیٹھی تھی' وہ تینوں پچھلی

سیٹ پر اور زوہیب یزدانی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے اور مستغیر شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''ہماری پریشانی کے وقت آپ نیکی کا فرشتہ بن کر آ جاتے ہیں''۔ مقیتہ کے کہنے پر اس نے بیک مرر میں دیکھا تھا اور اس کی نگاہ مقیتہ کے برابر میں بیٹھی عفیف کے دمکتے روپ پر جیسے ٹھہری گئی تھی' اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور وہ ڈارک براؤن آنکھوں میں نیند کے باعث لہراتے سرخ ڈوروں کو دیکھ کر دل کے نہ چاہتے ہوئے بھی نگاہ جھکا گیا تھا جبکہ وہ پورے راستے ہی نگاہ نیچی کیے بیٹھی رہی تھی۔

''آپ اتنی رات گئے کہاں سے آ رہے تھے؟ منگنی میں بھی نہ آئے''۔ زوہیب یزدانی نے شکوہ کیا۔

''میں گاؤں گیا ہوا تھا اور اس وقت وہیں سے آ رہا ہوں ورنہ تقریب میں شرکت ضرور کرتا''۔ اس نے موڑ کاٹتے ہوئے معذرت کی تھی اور چھوٹی موٹی باتیں کرتے وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا تھا اور گاڑی یزدانی ولا کے سامنے رُک گئی تھی' اس نے دانستہ نگاہ اس کی جانب نہ کی تھی اور وہ اندر چلی گئی تھی اور وہ چائے کی آفر پھر کبھی پر ٹالتا گاڑی میں آ بیٹھا تھا اور خود پر بٹھائے ضبط کے پہرے اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے اور اس نے اپنے اندر کے شور سے گھبرا کر اسٹیریو آن کر لیا تھا۔

..........☆☆☆..........

''زندگی کی آخری اُمید بھی خود بخود دم توڑ گئی' میری خود ساختہ جدائی جیت گئی اور آج وہ کسی اور کے ساتھ ایک بندھن میں بندھ گئی' کاش! کہ میں نے اماں سائیں کے مجبور کرنے پر نکاح نہ کیا ہوتا تو وہ آج مجھ سے منسوب ہوتی' اس کا سنگھار جو میرے لیے نہ تھا وہ میری خاطر ہوتا مگر میں اب بہت مجبور ہوں کیونکہ وہ کسی اور کی امانت ہے اور اسے سوچنے میں اب میرے پیار اور اس کے وقار کی توہین ہے' اور یہ کم بخت دل جو خود ہی فیصلے کیے جاتا ہے اور خود ہی تڑپ بھی جاتا ہے اس کو سکون نہ جانے کب آئے گا؟ میں اپنی تمام ویرانیوں اور دکھوں کے باوجود دل سے اس کی نئی خوشیوں کے لیے دعا گو ہوں''۔ اس نے سگریٹ زمین پر پھینک کر اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا تھا' درد تو ہوا تھا مگر دل میں اٹھتے درد سے کہیں زیادہ کم تھا۔

''رب سائیں! آپ سے میں نے جس لڑکی کا ساتھ مانگا آج اُسے بھول جانے کی دُعا کرتا ہوں' کبھی اپنی خوشی کے لیے دست سوال بلند نہ کیا' آج اپنی پہلی چاہت اس معصوم لڑکی کی خوشیوں کی بھیک مانگتا ہوں' جو دھڑکنوں کا ساز اور میری چاہت کا احساس ہے' میرے پاس جو چند دکھ بھری سانسیں بچی ہیں اُن کے عوض اس کی ہر سانس کو معطر کر دے' اس کی زندگی ہر لمحہ بہت آسودہ بنا دے' وہ جہاں بھی' جس کے بھی ساتھ رہے زندگی کے ہر لمحے سے خوشیاں کشید کرتی رہے' اس کے سارے دکھ میری جھولی میں ڈال کر اسے دکھوں کے مفہوم سے ناآشنا کر دے' تجھ سے یہی التجا ہے رب سائیں! کہ دکھوں سے وہ بہت دور رہے چاہے میری پوری زندگی دکھوں کا مسکن ہی کیوں نہ بن جائے''۔ وہ ساکت کھڑا بے آواز آسمان پر نگاہ جمائے ہوئے تھا اور آنکھ سے ٹپک جانے والے ایک بے صبرے موتی کو انگلی کی پور پر سمیٹتے ہوئے ہوا میں اچھال کر بے بسی سے مسکرایا' آسمان سے نگاہ ہٹا کر کل ہی ہمیشہ کے لیے گاؤں جانے کا فیصلہ کرتا اپنے روم میں آ گیا تھا اور پیکنگ شروع کر دی تھی۔

..........☆☆☆..........

''نیر! تجھ سے بڑا بے وفا اس دنیا میں کوئی نہ ہوگا''۔ صوفے پر نیم دراز مستغیر شاہ نے واصف کی آواز پر آنکھیں کھولی تھیں۔

''اتنا بڑا فیصلہ تو نے اکیلے ہی اکیلے کر لیا' فون پر بھی بتانے کی کیا ضرورت تھی' جب ملے بغیر ہی جانا تھا''

وہ اس پر خفا ہو رہا تھا۔

"یار! جہاں کی خاک ہے وہیں لوٹ رہا ہوں اور تو نے اپنی پوری فیملی کے ساتھ میری شادی میں شرکت کرنی ہے"۔ وہ کافی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"یار نیر! ایک بار پھر سوچ لے مرد کو تو چار شادیوں کی اجازت ہوتی ہے"۔ وہ اس کی آنکھوں میں موجود کرب برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

"چھوڑ واصف! ان باتوں کو کس کی اجازت ہے اور کس کی نہیں ہے' گزری ہوئی باتوں کو دہرانے سے کیا حاصل ہوگا؟ یہ کچھ تصویریں ہیں جوادی کی شادی میں دل سے مجبور ہو کر کھینچ بیٹھا تھا' ان کو پھاڑنے یا جلانے کی چاہ کر بھی ہمت نہ کر سکا' تو ادی کی شادی کی البم میں لگا دینا"۔ اس نے واصف کو ایک لفافہ دیا تھا جس میں عفیف یزدانی کی تصویریں تھیں' واصف نے خاموشی سے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

"واصف! یہ گھڑی جو اُس کی امانت تھی مگر اس کی خوشبو محسوس کرنے کی خاطر کبھی لوٹا نہیں سکا مگر اسے ساتھ بھی نہیں لے جا سکتا اس لیے لوٹا رہا ہوں اور یہ پائل' جس کی جھنکار وہ رات میرے قلب پر چھوڑ گئی تھی مگر یہ جھنکار میرے لیے نہ تھی' اس میں اجنبیت کی بو آتی ہے' تو یہ بھی اُسے لوٹا دینا' میں اپنی یکطرفہ چاہت کی آگ من میں سلگائے اپنا آپ گنوا کر اپنے اصل کی جانب لوٹ رہا ہوں"۔ اس نے سلور ریسٹ واچ اور گولڈن پائل اس کا ہاتھ تھام کر ہتھیلی پر رکھ دی تھی اور وہ تو کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہی نہ تھا۔

"میں تجھے الوداع نہیں کہتا مگر واصف! اب کبھی میں اس شہر میں دوبارہ نہیں آؤں گا' جب کبھی میری یاد آئے تو خود ہی ملنے چلے آنا' میں فون کرتا رہوں گا مگر آنا ہر بار تجھے ہی پڑے گا' واصف تو مجھ سے ملنے آیا کرے گا ناں؟" وہ بہت امید سے اپنے بچپن کے واحد دوست کو دیکھ رہا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلاتا اس کے گلے سے لگ گیا تھا۔

☆☆☆

"عفی! ناراض تو نہ ہو یار' میری طبیعت ٹھیک نہ تھی ورنہ تمہاری انگیجمنٹ میں ضرور آتی"۔ آج اس کا ٹیسٹ تھا اس لیے وہ چھٹی نہیں کر سکی تھی اور ماہین رات کو آئی نہیں تھی اس لیے وہ اس سے بالکل بات نہیں کر رہی تھی جبکہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔

"دیکھو میں نے تو تمہارے لیے گفٹ بھی لے لیا تھا"۔ ماہین نے ایک خوبصورت ریپر میں لپٹا باکس اس کی جانب بڑھایا تھا اور اس کے منت کرنے پر وہ اپنی خفگی بھلا گئی تھی۔

"جانتی ہو میں نے تمہیں کتنا مس کیا تھا' واثقہ اور تم ہی تو میری دوست ہو' تمہارے نہ آنے سے مجھے کتنا دکھ پہنچا تھا"۔ وہ گفٹ کھولتے ہوئے بول رہی تھی۔

"سوری لیکن پکا والا پرامس' تمہاری شادی میں ضرور آؤں گی"۔ اس کے شرارت سے کہنے پر وہ جھینپ گئی تھی۔

"عفی! چلیں' میری دین آ گئی ہوگی"۔ کب سے خاموش بیٹھی واثقہ نے کہا تھا اور وہ دونوں اس کے اٹھنے پر اس کے ساتھ ہی چل پڑی تھیں۔

"نہیں چاچو! واثقہ ابھی نہیں گئی' میں اس کی دین میں آ جاؤں گی"۔ اس نے لائن ڈسکنیکٹ کر کے سیل بیگ میں ڈال دیا تھا۔

"چاچو کی میٹنگ ہے انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ جانے کو کہا ہے"۔ عفیف نے اسے بتایا تھا۔

"تم میرے ساتھ....."

""نہیں ماہی! میں واثقہ کے ساتھ وین میں چلی جاؤں گی' تم اکیلی ہی چلی جاؤ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ی وجہ سے خوامخواہ میں تمہیں پریشانی ہوگی''۔ اس نے کہا تھا اور وہ تینوں گیٹ تک آ گئی تھیں' واثقہ کی وین نہیں آئی ماہین کی گاڑی کھڑی تھی اور وہ ان دونوں سے ہاتھ ملاتی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئی تھی اور اس نے گاڑی میں ہی کسی کو فون ملایا تھا اور اسے کچھ ہدایات دینے کے بعد سیل آف کر دیا تھا اور ان دونوں پر ایک نگاہ ڈالتے ئے اس نے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کو کہا تھا۔

وہ دونوں باتوں میں مشغول تھیں کہ ایک وائٹ کرولا ان سے کچھ فاصلے پر رُک گئی تھی' آواز پر ان دونوں کی ہی توجہ جانب مبذول ہوئی تھی' گاڑی کے بیک ڈور کو کھول کر 26' 27 سال کا نوجوان باہر آیا تھا۔

""ایکسکیوزمی! آپ پلیز یہ ایڈریس بتا سکتی ہیں''۔ وہ ان دونوں کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

""ہمیں نہیں......'' واثقہ نے بولنا ہی چاہا تھا کہ اس نوجوان نے پیچھے ہاتھ لے جاتے ہوئے بیک پاکٹ سے لور نکال کر عفیف کی کنپٹی پر رکھا تھا اور اسے بازو سے تھام کر گاڑی میں دھکیل دیا تھا اور خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھا اور ی اسٹارٹ ہوگئی' یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی' واثقہ نے شور مچایا' چھٹی کا وقت ہونے کی وجہ کافی رش بھی تھا مگر کسی نے بھی وائٹ کرولا کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی' واثقہ نے کانپتے ہاتھوں سے ہیب یزدانی کا نمبر ملایا تھا مگر وہ ریسیو نہیں کر رہے تھے' اس کی وین آ چکی تھی' اب اس نے واصف کا نمبر ملایا تھا مگر ی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا (واصف' مستنیر شاہ کے گھر جاتے وقت سیل گھر پر ہی بھول گیا تھا) اس نے پھر سے ہیب یزدانی کا نمبر ملایا تھا مگر ان کا سیل ہی آف تھا۔

""میرے مالک! اب کیا کروں' کوئی بھی میری کال ریسیو نہیں کر رہا' نیر بھائی کو فون کرتی ہوں' ان کے تو کافی ے لوگوں سے پہچان بھی ہوگی''۔ وہ خیال آتے ہی مستنیر شاہ کا نمبر ملانے لگی تھی' ایک دو تین' چھٹی بیل پر کال یو کرلی گئی تھی۔

""ہیلو نیر بھائی! میں واثقہ بول رہی ہوں''۔ وہ گھبرائی ہوئی بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

""ادی! سب خیریت تو ہے' آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہیں' واصف تو ٹھیک ہے کچھ دیر پہلے ہی تو یہاں ......''

""میں واصف بھائی کو ہی فون کر رہی تھی مگر وہ میری کال ہی ریسیو نہیں کر رہے اور نہ ہی زوہیب بھائی میری کال یو کر رہے ہیں اس لیے میں نے آپ کو......''

""ادی! کوئی پریشانی والی بات ہے''۔ وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔

""جی نیر بھائی! وہ میری فرینڈ عفیف' اسے کسی نے یہاں یونیورسٹی گیٹ سے کڈنیپ کر لیا ہے''۔

""واٹ......ادی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں''۔ اس کے دماغ کا فیوز بھک سے اڑا تھا۔

""میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نیر بھائی! وہ ایڈریس پوچھنے کے بہانے ہمارے پاس آ کر کھڑا ہوا اور عفی پر پستول تان ......''

""آپ نے اس گاڑی کا نمبر وغیرہ نوٹ کیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

""نہیں مجھے موقع ہی نہیں ملا' مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے' وہ دو لوگ تھے وہ نہ جانے عفی کو کہاں......''

""آپ پریشان نہ ہوں میں دیکھتا ہوں''۔ اس نے سیل آف کر کے دراز میں سے ریوالور نکالا تھا اور روم سے نکلا لان عبور کرتے ہوئے وہ ٹھٹک کر رُک گیا تھا اور اس کے قدم باہر کی بجائے سکڑے سمٹے گھٹنوں میں سر دیئے وجود

کی جانب بڑھنے لگے تھے اس نے وہاں ٹھہر کر "ایکسکیوزمی" کر کے آواز دی تھی اور اسے یونہی ساکت دیکھ کر اس نے آگے بڑھ کر قدرے جھک کر کاندھا ہلایا تھا اور وہ وجود ایک جانب کو لڑھک گیا تھا اس کے خون آلود چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ کچھ لمحوں کے لیے سن سا کھڑا رہ گیا تھا اور پھر بڑی بے تابی سے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں اٹھایا تھا اور فخر دین سے فرسٹ ایڈ باکس کا کہتا اپنے روم کی جانب بڑھ گیا تھا اسے بستر پر لٹانے کے بعد وہ کافی فکر مندی سے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا تھا۔

............☆☆☆............

"واثقہ! تم نے گاڑی کا نمبر کلر کچھ تو دیکھا ہوگا"۔ زوہیب یزدانی بے چارگی سے پوچھ رہے تھے۔

"زوہیب بھائی! وہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ میں کچھ سمجھ ہی نہ سکی تھی میں نے آپ کو پھر واصف بھائی کو فون کیا مگر آپ دونوں ہی میری کال اٹینڈ نہیں کر رہے تھے اور میں نے پھر پریشانی میں نیر بھائی......" پریشانی سے ڈرائیو کرتے زوہیب یزدانی نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"آئی مین مستغیر شاہ"۔

"تمہیں مستغیر شاہ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی وہ کیا کر سکتے ہیں؟"

"زوہیب بھائی! وہ جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو مجھے لگا کہ ان کی پولیس سے جان پہچان ہوگی اور ہمیں ان کی مدد سے مغی......" وہ اپنے بجتے ہوئے موبائل کی وجہ سے بات روک کر بیگ سے سیل نکالنے لگی تھی مستغیر شاہ کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً اوپن کیا تھا۔

"نیر بھائی! مغی کے بارے میں کچھ پتہ چلا"؟

"اوکی! مس عفیف بالکل خیریت سے ہیں"۔

"کیا مغی مل گئی"۔ وہ خوشی سے چلائی تھی اور وہ اسے دیکھنے لگے تھے۔

"اوکی! آپ فکر مند نہ ہوں میں کچھ ہی دیر میں انہیں "یزدانی ولا" ڈراپ کر دوں گا اب میں فون رکھتا ہوں"۔ اس نے فوراً لائن کاٹ دی تھی۔

"واثقہ! کیا کہہ رہے تھے مستغیر مغی کہاں ہے؟"

"زوہیب بھائی! وہ مل گئی ہے اور بالکل ٹھیک ہے نیر بھائی اُسے گھر ڈراپ کر دیں گے ہمیں بھی گھر چلنا چاہیے"۔ وہ جو پولیس اسٹیشن جا رہے تھے انہوں نے گاڑی گھر کی طرف موڑی تھی گھر پہنچتے ہی ایک قیامت اور ان کی منتظر تھی۔

"بیگم یزدانی! ہم تو آپ لوگوں کو بہت اچھا و شریف سمجھتے تھے"۔ وہ وقاص خالد کی والدہ کی آواز پر لاؤنج کی دہلیز پر ہی جم گئے تھے۔

"آپ ایسے کیوں کہہ رہی ہیں آنٹی! وہ تو صرف ایک حادثہ تھا مغی بہت جلد مل......"

"ہمیں اس کے ملنے اور نہ ملنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہماری طرف سے تو رشتہ ختم ہی سمجھیے ہم ایک اغوا شدہ لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتے"۔

"مسز خالد!" زوہیب یزدانی نے انہیں مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

"تمہارے چلانے سے حقیقت نہیں مٹ سکتی اور یہ تمہاری بھتیجی پوچھو اسے وہ لوگ اسے کہاں لے گئے تھے؟" ان کی جیسے ہی نگاہ اندر آتی عفیف پر پڑی تھی انہوں نے ایک قہر بھری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اُن سب کو اس کی

انب متوجہ کیا تھا اور وہ رُکے بغیر جو منہ میں آ رہا تھا کہے جا رہی تھیں۔

"اور کیا کچھ یہ گنوا آئی......"

"مسز خالد......!" زوہیب اور زرینہ یزدانی ایک ساتھ دھاڑے تھے۔

"مسز خالد! ہم آپ کا لحاظ کر رہے ہیں تو آپ حد سے بڑھ رہی ہیں"۔ زوہیب یزدانی نے خود کو بہت مشکلوں سے کنٹرول کیا تھا۔

"ہم حد سے نہیں، حد سے تو تمہاری یہ لاڈلی بڑھ گئی ہے، جب کسی اور کے ساتھ ہی بھاگنا تھا تو ہمارے بیٹے سے رشتہ کیوں جوڑا تھا، کل ہی منگنی ہوئی اور آج ہی یہ چاند چڑھا بیٹھی ہے، ہم تو ایسی لڑکی سے بال بال بچے، ہماری طرف سے تو رشتہ ختم"۔

"میثہ! فوراً ان کا سامان لا کر ان کے حوالے کر دو"۔ انہوں نے غصہ سے کہتے ہوئے آگے بڑھ کر لرزتی ہوئی عفیف کا ہاتھ تھاما تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں جگمگاتی رنگ اتار کر خاموشی سے تماشا دیکھتے وقاص خالد کی ہتھیلی پر رکھ دی تھی۔

"وقاص! مجھے ساری زندگی خود پر افسوس رہے گا کہ میں نے تم پر بھروسہ کر کے اپنی بیٹی کا تم سے رشتہ باندھا تھا"۔ وہ بہت دُکھ سے کہہ رہے تھے جبکہ اس نے کچھ نہ کہا تھا۔

"ہنہ آنکھوں دیکھی مکھی تو کوئی نہیں نگلتا"۔ کل تک بیٹی بیٹی کہنے والی مسز خالد حقارت و تنفر سے کہتیں سامان لے کر باہر نکل گئی تھیں، زوہیب یزدانی صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئے تھے۔

"چاچو! میں نے کچھ غلط نہیں کیا، ویسا بھی بالکل نہیں ہے جیسا آنٹی بول رہی تھیں، میرے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوا، دادو کی قسم چاچو......" انہوں نے روتے ہوئے صفائی دینے کی کوشش کرتی عفیف کو سینے سے لگا لیا تھا اور ان کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی، زرینہ یزدانی دھیرے دھیرے کانپتے ہوئے صوفے پر بیٹھی اسے بلکتے دیکھ رہی تھیں۔

"میثہ! اسے کمرے میں لے جاؤ"۔ وہ دھیرے سے بولے تھے، وہ سفید یونیفارم جس پر خون کے دھبے تھے کے ساتھ مردانہ شال اوڑھے ہوئے تھی اور سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، وہ میثہ کے آگے بڑھنے سے قبل ہی کسی کو بھی دیکھے بغیر تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"مستقیم شاہ! آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تو ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں، آپ کے احسانات تو ہم پر بڑھتے جا رہے ہیں"۔

"زوہیب! یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میری ذات کسی کے کام آ سکی ہے اور مس عفیف کو ڈھونڈنے یا مل جانے میں تو میرا کوئی ہاتھ ہے ہی نہیں، جب ادی نے مجھے فون کیا تھا تو میں فوراً گھر سے نکلا تھا مگر لان ہی میں مجھے مس عفیف نظر آ گئیں، وہ میرے گھر تک کیسے پہنچیں مجھے علم نہیں ہے، میں نے تو انہیں صرف آپ تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیا ہے"۔

"ہم آپ کے احسان مند ہیں، آج ہمیں ہماری بچی صرف آپ کی وجہ سے مل گئی، وہ آپ کے بجائے کسی غلط ہاتھوں میں چلی جاتی تو جانے کون سی قیامت......" انہوں نے لفظ قیامت کہا ہی تھا کہ قیامت اُن کی منتظر تھی، زرینہ یزدانی سینے پر ہاتھ رکھے ایک جانب لڑھک گئی تھیں، اس نے بڑھ کر ان کی نبض چیک کی تھی۔

"زوہیب! اپنی والدہ کو ہاسپٹل لے چلیں، انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے"۔ وہ ماں کو بانہوں میں اٹھا کر باہر نکلے تھے اور ان تینوں کے بیٹھتے ہی مستقیم شاہ نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

☆☆☆

''مسٹر زوہیب! یہ دوائیں لے آئیں پیشنٹ کی حالت کافی کریٹیکل ہے' ہم کچھ کہہ نہیں سکتے' آپ لوگ دعا کریں''۔ ڈاکٹر جمیل پیشہ ورانہ انداز میں کہتے پرچی تھما کر چلے گئے تھے۔

''زوہیب! آپ یہیں ٹھہریئے میں دوائیں لے آتا ہوں' حوصلہ رکھیں آپ کی والدہ کو کچھ نہیں ہوگا''۔ انہوں نے ممنونیت سے مستقیم شاہ کو دیکھا تھا اور وہ ان کے کاندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ چلتے ہوئے بینچ پر مقیتہ کے برابر بیٹھ گئے تھے' وہ دونوں ہی خدا سے زرینہ یزدانی کی صحت کی سلامتی مانگ رہے تھے' یہ ان کو آنے والا دوسرا اٹیک تھا' پہلا اٹیک انہیں بیٹے اور بہو کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر آج سے بیس بائیس برس پہلے ہوا تھا' وہ دونوں جانے کب تک ایسے بیٹھے رہتے کہ ICU کا دروازہ کھلا۔

''شی از آؤٹ آف ڈینجر''۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے''۔ ان تینوں نے ہی رب کا شکر ادا کیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب! ہم اماں سے مل سکتے ہیں''۔ وہ بھیگے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''تھوڑی دیر میں پیشنٹ کو روم میں شفٹ کر دیا جائے گا پھر آپ لوگ مل سکتے ہیں لیکن ایک خاص خیال آپ لوگوں کو رکھنا ہے' مریض کو ہر قسم کی ٹینشن سے آزاد رکھیں ورنہ...... ان کی حالت بگڑ بھی سکتی ہے' مسٹر زوہیب! آپ تو جانتے ہیں یہ دوسرا اٹیک تھا اور تیسرا اٹیک جان لیوا ثابت ہوتا ہے اس لیے وری کیئر فل''۔ وہ کہہ کر رکے نہیں تھے' زرینہ یزدانی ہارٹ پیشنٹ تھیں اور ڈاکٹر جمال ہی ان کا علاج کرتے تھے۔

☆☆☆

''چھوٹے سائیں! آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات پوچھوں؟'' وہ چائے دیتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور وہ اس کی ہچکچاہٹ سے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے۔

''تم اس لڑکی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو ناں''۔ سپ لیتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

''چھوٹے سائیں! آپ اس لڑکی کو دیکھ کر کافی پریشان ہو گئے تھے اس لیے''۔

''وہ میرے دوست کی سسٹر تھیں' بس اسی لیے پریشانی نے آ گھیرا تھا''۔ وہ خالی کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''رب سائیں نے پھر تو کرم کر دیا چھوٹے سائیں''۔ وہ اس کی بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''چھوٹے سائیں! میں آپ کے کہنے پر خدا بخش کو گاڑی نکالنے کا کہنے گیا تھا جبھی وہ لڑکی بھاگتی ہوئی گھر میں گھسی تھی اور میں اس سے کچھ پوچھتا کہ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے تھے' مجھے کھٹکا سا ہوا تھا اور میں نے باہر جھانکا تھا تو دو لڑکے کھڑے کسی کو تلاش کر رہے تھے' مجھ سے بھی کہا تھا کہ کوئی لڑکی تو اندر نہیں آئی مگر یونیفارم میں روتی ہوئی لڑکی پر مجھے رحم آ گیا تھا اور میں نے اُن سے جھوٹ کہہ دیا اور وہ واپس چلے گئے''۔ فخر دین نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔

''تم ان دونوں لڑکوں کو پہچان سکتے ہو؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''گاڑی کا نمبر وغیرہ''۔

''چھوٹے سائیں! گاڑی کوئی نہیں تھی' ہو سکتا ہے وہ دونوں اس لڑکی کو اکیلے دیکھ کر تنگ کر رہے ہوں''۔

''چھوڑو ان باتوں کو' ایک کپ اسٹرانگ سی چائے اور بنا لاؤ' کھانا کچھ دیر بعد کھاؤں گا''۔

''چھوٹے سائیں! اب گاؤں کب جائیں گے؟'' وہ رُکا تھا۔

''جب ارادہ بنے گا تو بتاؤں گا''۔ وہ سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اسے بہت کچھ یاد آنے

لگا تھا' وہ اسے کمرے میں لایا تھا اور ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس نے کچھ ہی دیر میں آنکھیں کھول دیں تھیں اور اپنے بہت نزدیک مستنیر شاہ کو دیکھ کر تو اسے کچھ یاد ہی نہ آیا تھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچی تھی جبکہ وہ کھڑا ہو گیا تھا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی' آنکھوں سے موتی ٹپکنے لگے تھے تو چہرہ بالکل زرد ہو گیا تھا اور اسے یاد آیا تھا کہ وہ لان میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

''مم...... میں...... یہاں کیسے...... وہ لڑکے...... وہ انکل جنہوں نے میری ہیلپ...... اور آپ......'' وہ کوئی بھی جملہ مکمل نہ بول سکی تھی۔

''یہاں میرے علاوہ کوئی نہیں ہے' وہ لڑکے جا چکے ہیں اور میں آپ کو......''

''مجھے اپنے گھر جانا ہے' دادو کے پاس' چاچو مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے''۔ اس نے بیڈ سے اترتے ہوئے اپنے دوپٹے کے لیے نگاہ دوڑائی تھی اور اسے یاد آیا تھا جب اس کے بہت رونے اور چیخنے چلانے پر بھی انہوں نے گاڑی نہیں روکی تھی اور گاڑی کو تیز رفتاری سے بھاگتے دیکھ کر اس پر خوف سے لرزہ طاری ہونے لگا تھا کہ گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی تھی اور ان دونوں کی باتوں سے اسے لگا تھا کہ گاڑی میں خرابی ہو گئی ہے' ایک بونٹ کھولے تو دوسرا اس پر نگاہ

رکھے کمرہ اٹھا اور وہ اس کی نگاہ چوکتے ہی بھاگی تھی اور سرپٹ آگے پیچھے دیکھے بغیر بھاگتی وہ کھلے دروازے سے اندر گھس گئی تھی' بھاگتے ہوئے وہ کتنی دفعہ گری' دوپٹہ کہاں گرا اُسے کچھ یاد نہ تھا۔

''میں نے آپ کے گھر آپ کی خیریت کی اطلاع کردی ہے'' ۔اس نے نگاہ اٹھا کر اُسے دیکھا تھا' جھکی نظریں موتی برسا رہی تھیں اور چہرے پر بے بسی اور شرمندگی کی تحریر درج تھی' وائٹ یونیفارم دوپٹہ ندارد' وہ انگلیاں مروڑ رہی تھی مستغیر شاہ نے اس کے لرزتے متناسب سراپے سے دوسرے ہی پل نگاہ ہٹائی تھی اور وارڈروب میں سے اپنی سیاہ شال نکال کر اس کی جانب بڑھائی تھی جو اس نے لب کچلتے ہوئے تشکر بھری نگاہ ڈال کر کاندھوں پر پھیلالی تھی۔

''وہ...... میں...... وہ' میں تو لان...... آپ کے روم......'' وہ بہت چاہ کر بھی اس سے پوچھ نہ سکی تھی مگر وہ اس کے چند ادھورے لفظوں سے ہی اس کی بات بخوبی سمجھ گیا تھا۔

''آپ بے ہوش تھیں اس لیے مجھے آپ کو اٹھا کر لانا پڑا اور میں صرف آپ کو اپنے روم میں لا کر بینڈ تیج کرنے کا سزاوار ہوں اس سے زیادہ نہیں اور ویسا تو بالکل نہیں ہوں جیسا آپ سوچ رہی ہیں' میں کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھایا کرتا کم از کم مجھ میں اتنی انسانیت ہے مگر آپ مجھے جانے کیا سمجھتی ہیں'' ۔اسے حقیقتاً اس کی سوچ سے دکھ پہنچا تھا۔

''چاچو! آنٹی جیسا سوچ رہی ہیں ویسا میرے ساتھ کچھ غلط......'' عفیف کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز گونجی تھی اور پھر دوسری آواز سماعتوں میں گونجنے لگی تھی۔

''پوچھو اپنی بھتیجی سے' کیا کچھ گنوا......'' اس نے غصہ میں کپ دیوار پر دے مارا تھا' وہ سگریٹ سلگاتا بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا اور وہ جتنا اُن باتوں کو سوچ رہا تھا اس کا غصہ اتنا ہی زیادہ بڑھ رہا تھا' وہ کمرے کو تہس نہس کرتا باہر نکل گیا تھا' اسے ہر حال میں اُن لوگوں کا سراغ لگانا تھا۔

............☆☆☆............

''آنٹی! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''ہم پہلے سے بہتر ہیں' ہمیں تو ناسازی طبیعت کے باعث آپ کا شکریہ ادا کرنے کا موقع بھی نہیں ملا' ہم تاحیات آپ کے احسان......''

''پلیز آنٹی! مائیں بچوں کا شکریہ ادا نہیں کیا کرتیں'' ۔اس نے شائستگی سے اُن کی بات کاٹ کر کہا تھا اور جبھی ڈور کھول کر مقیتہ اور اس کے پیچھے عفیف روم میں داخل ہوئی تھی اور دادی کے پاس آتے ہوئے اس کی نگاہ خود کو دیکھتے مستغیر شاہ کے چہرے سے ٹکرائی تھی اور وہ شرمندگی سے نگاہ جھکاتی دادی کے پاس رُک گئی تھی مستغیر شاہ کو وہ بلیک سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں بہت افسردہ اور دکھی سی لگی تھی۔

''میں کہتی تھی تو آپ کو یقین نہیں آتا تھا مگر اب ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں اور اپنے گھر جاسکتی ہیں'' ۔وہ آواز میں قدرے بشاشت سموتے ہوئے بولی تھی مگر اس کے لہجے کی مخصوص کھنک غائب تھی۔

''تم وہی لڑکی ہو ناں جو دو دن پہلے جناح یونیورسٹی سے کڈنیپ ہوئی تھی'' ۔زرمینہ یزدانی کے لگی ڈرپ نکالتے ہوئے نرس نے اسے عجیب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا جبکہ وہ اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو بمشکل پیچھے دھکیلتی اثبات میں سر ہلا گئی تھی' اس نرس نے اخبار میں تصویر اور خبر پڑھی تھی۔

''جنہوں نے تم کو اغوا کیا ان سے تمہاری کیا دشمنی تھی' وہ کہاں لے گئے تھے اور تمہارے ساتھ......'' وہ اس سے سب کچھ جان لینا چاہتی تھی جبکہ مقیتہ نے اسے کتنی ہی بار ٹوکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ایک کے بعد ایک سوال کیے جا

رہی تھی۔

"لیف از لیف"۔ مستقیم شاہ نے درشتگی سے ادھیڑ عمر نرس کو مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

"شکل سے تو بڑی معصوم لگتی ہے مگر کرتوت دیکھو' کوئی کسی کو ایسے ہی تو اغوا نہیں کرتا' کوئی نہ کوئی اشارہ دیا ہی ہو گا"۔ وہ جاتے جاتے بھی زہر اُگل ہی گئی تھی' عفیف تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلی تھی' راہ میں زوہیب یزدانی سے ٹکرائی تھی اور اُن کے روکنے کے باوجود اس نے گاڑی میں آ کر ہی دَم لیا تھا۔

"مقیتہ! یہ عفیف اس طرح......"

"جانے دے اُسے زوہیب! ہماری معصوم بچی جسے ہم نے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا وہ آج کلے کے لوگوں کی زہریلی باتیں اور کاٹ دار نگاہیں سہنے پر مجبور ہے اور ہم اتنے بے بس ہو گئے ہیں کہ اپنی بچی کے خلاف کہنے والوں کی زبان نہیں کھینچ سکتے' ہم نے تو کبھی دشمن کا بھی بُرا نہیں چاہا اور ہمیں آج کیسی اذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے یہ سب دیکھنے' سننے سے پہلے ہمیں موت کیوں نہ آ گئی"۔ وہ بیٹے کے شانے سے لگیں سسک رہی تھیں۔

"حوصلہ رکھیں اماں!"

"کہاں سے لائیں حوصلہ اپنی معصوم بچی کو سوالیہ نشان بنے دیکھنے کا' ہمیں یقین ہے کہ ہماری بچی پاک دامن ہے مگر ہم لوگوں کو کیسے یقین دلائیں' اس حادثے میں ہماری عفی کا کیا قصور تھا جو وقاص کی ماں نے بے رحمی سے رشتہ ختم کر دیا۔ زوہیب! اب کون ہے جو پورے مان و عزت کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرے گا' ہماری بچی تو گناہ گار نہ ہوتے ہوئے بھی لوگوں کے عجیب رویے اور نظروں کا شکار ہو رہی ہے' ہم اُسے تاریکیوں کا مسافر بنتے نہیں دیکھ سکتے' کوئی تو اسے بھی نور......"

"مسز یزدانی! میں مس عفیف کی پاک دامنی کا خود بہت بڑا ثبوت ہوں اور میں عفیف کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں"۔ وہ تینوں ہی حیرت و استعجاب میں غرق ہوتے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"مستقیم! آپ جانتے بھی ہیں کیا کہہ رہے ہیں؟" سب سے پہلے زوہیب سنبھلے تھے۔

"زوہیب! یہ جگہ ان باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے' میں اس وقت چلتا ہوں اور انشاء اللہ آج شام یزدانی ولا پہنچ جاؤں گا اور باقی باتیں وہیں ہوں گی"۔ وہ انہیں کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر حیران چھوڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

............☆☆☆............

"کسی رشتے کے نہ ہوتے ہوئے بھی جو احسانات ہمارے گھرانے پر آپ نے کیے ہیں اُن کا قرض ہم تاحیات نہ چکا سکیں گے"۔ وہ وعدے کی پابندی کرتا اس وقت ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔

"آنٹی! کسی کو جاننے کے لیے کبھی لمحہ کافی ہوتا ہے تو کبھی ایک زندگی بھی کم پڑ جاتی ہے اور جو کچھ میں نے کیا وہ کسی فائدے اور احسان کی غرض سے نہیں کیا' مجھے ان حالات میں جو مناسب لگا میں نے وہی قدم اٹھایا اور جہاں تک پرپوزل کی بات ہے وہ بھی کسی احسان کی سند پانے کے لیے آپ کے سامنے نہیں رکھا"۔ وہ جلد ہی اصل موضوع چھیڑ بیٹھا تھا۔

"ہم آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں آپ نے جو کچھ ہمارے لیے کیا وہ اس زمانے میں دیکھنے کو کم ہی ملتا ہے' میری تو ہر سانس آپ کی احسان مندیوں کے بوجھ تلے دبی ہے اور زندگی کے کسی موڑ پر بھی میں ان احسانوں کا بدلہ چکا ہی نہیں سکتا مگر جب بھی میری ذات آپ کے کسی کام آ سکے اس سے بڑھ کر میرے لیے کچھ نہ ہو گا' میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ میں آپ کو اس وقت خالی ہاتھ لوٹانے پر مجبور ہوں کیونکہ زندگی میں جذبات و احساسات کی بہت

اہمیت ہوتی ہے مگر زندگی جذبات کے سہارے نہیں گزرا کرتی' اور بھی بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے اس لیے ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں"۔ انہوں نے بہت شائستگی سے انکار کر دیا تھا۔

"آپ کو اقرار اور انکار کا مکمل اختیار ہے' مجھے آپ کا انکار سن کر ہرگز بھی بُرا نہیں لگا مگر آپ کو تا گوار نہ گزرے تو میں اس پرپوزل کو رکھنے کے سبب سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں"۔ وہ کافی سنجیدگی سے کچھ کہنے کی اجازت طلب کر رہے تھے اور زرمینہ یزدانی کے اثبات میں ہلتے سر کو دیکھ کر وہ دھیرے دھیرے بولنے لگا تھا۔

"مس عفیف سے میری ملاقات بہت اتفاقی طور پر ہوئی اور تعارف کروانے کا سبب واصف کی ذات تھی' ان اتفاقات کے سلسلے نے طول پکڑا مگر ہماری کبھی آمنے سامنے (دوستانہ انداز) میں بات چیت نہ ہو سکی' جیسے دو مسافر ایک راہ پر اپنے اپنے مقصد کے حصول کے لیے چلتے ہیں اور وقت مقررہ پر اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں ٹھیک اسی طرح ہم بھی بہت دفعہ سر راہ ملے پھر اپنے اپنے آشیانے کی طرف بڑھ گئے مگر اس ٹکراؤ کا کوئی ایک انجانا سا پل مجھے محبت کا مسافر بنا گیا' محبت ہوتا تھی وہ ہو گئی مگر اپنی چاہت کا اظہار میں کر ہی نہیں سکتا تھا' اس لیے نہیں کہ میں کم ہمت تھا' حوصلہ تو مجھ میں بے پناہ تھا مگر میں اپنی خاندانی روایتوں کا اور خود سے جڑے رشتوں کا پابند تھا' میرا تعلق جاگیردار گھرانے سے ہے اور کچھ ماہ قبل میرا نکاح میری چچازاد سے ہو گیا تھا اور یہی وہ سب سے بڑا سبب تھا جس کی وجہ سے نہ میں نے کبھی مس عفیف سے کچھ کہنے کی کوشش کی اور نہ ہی کبھی آپ لوگوں کے آگے دست سوال بلند کیا' مگر چند دن قبل ہونے والا حادثہ مجھے اپنا پرپوزل پیش کرنے پر مجبور کر گیا کیونکہ میرا دل اور میری محبت کی عصمت کا مجھ سے تقاضا تھا کہ میں سب کچھ بھول کر اپنے دل اور محبت کی لاج رکھوں' آپ کا انکار مجھ تک پہنچ گیا لیکن میں یہ سوچ کر تا آسودہ نہیں ہوں کہ میری محبت جب مشکل میں تھی تو میں نے اسے بڑھ کر تھاما نہیں' محبت تو ویسے بھی ہر کسی کو نہیں ملتی مگر محبت کے حصول سے بڑھ کر اس کی لاج رکھنا ہوتی ہے"۔ اس کی گمبھیر آواز کمرے میں گونج رہی تھی اور وہ اپنی بات کہہ کر آگے پیچھے دیکھے بغیر باہر نکل گیا تھا مگر ان لوگوں کے لیے سوچوں کے دروازے وا کر گیا تھا۔

............☆☆☆............

"اماں جان! یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے' اب تک میں مستغیر شاہ کو جتنا سمجھ پایا ہوں اُن کی اچھائیوں کا گراف اس قدر بلند ہے کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی مگر اماں مستغیر شاہ اور ہماری عفی کی عمروں میں موجود واضح فرق اور ان کا پہلے سے شادی شدہ ہونا ہم کس طرح سے نظر انداز کر سکتے ہیں اور جاگیردار لوگ تو ویسے بھی برادری سے باہر شادی نہیں کیا کرتے اور مجھے نہیں لگتا کہ اگر ہم پرپوزل ایکسیپٹ کر لیں گے تو مستغیر شاہ کے پیرنٹس خود چل کر آئیں گے اور شادی ایک شخص سے جڑنے کے ساتھ کتنے ہی رشتوں کو اپنے ساتھ باندھ لیتی ہے' یہاں مجھے لگتا ہے کہ مستغیر شاہ کے پیرنٹس شاید ہی اس رشتے کو قبول کریں' اس لیے اماں میں تو اس رشتے کے بالکل حق میں نہیں ہوں' مجھے میری بچی نہ کل بھاری تھی اور نہ آج ہے اور نہ ہی آنے والے کل میں ہو گی' زندگی بہت عجیب دوراہے پہ ہمیں لے آئی ہے مگر وقت جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے' آج دنیا کے ڈر سے ہم جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے"۔ انہوں نے نہایت سنجیدگی سے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"زوہیب! ہم دنیا کے ڈر سے اس رشتے کو قبول کرنا نہیں چاہتے' ہمیں صرف اپنی بچی کی پرواہ ہے' دنیا والوں سے ہمیں کچھ لینا دینا نہیں ہے' ہم نے بچپن سے عفی کو کسی نازک کانچ سے بھی بڑھ کر سنبھالا ہے' اس کی آنکھوں کی نمی سے بچانے کے لیے ہم خود خون کے آنسو روئے ہیں' جو دکھ تڑپ کے معنوں سے نا آشنا تھی آج اس کی روح پر

زخم لگے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اسے کوئی ایسا شخص اپنائے جو اس کے روح کے زخموں کا مداوا کر سکے ہم عورت کے جذبات کو بخوبی سمجھتے ہیں عورت ہر طرح کا ظلم برداشت کر سکتی ہے مگر اس کا شوہر اس کو شک کی نگاہ سے دیکھے یا اسے ماضی کا حوالہ دے کر تارچر کرے یہ عورت کبھی برداشت کر ہی نہیں پاتی 'مستقیم شاہ کا ہم انتخاب اسی لیے کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں اس کی پاکیزگی کا ہم سے زیادہ یقین ہے' جوڑے تو ویسے بھی آسمانوں پر بنتے ہیں اور ہماری تو دعا ہے کہ وہ جس عزت و خلوص سے آج عنفی کو اپنانے کے خواہاں ہیں اسی مان کے ساتھ زندگی بھر اس کا ساتھ نبھائیں اور ہم تو بیٹا اُن کی سچائی کے بھی معترف ہو گئے ہیں' وہ اپنی شادی کا ہم سے چھپا لیتے تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے اس شادی سے عنفی کو ہو سکتا ہے اپنے سسرال میں جگہ بنانے میں دقت لگ جائے مگر عورت کے ساتھ اس کا شوہر ہو تو وہ بہت جلد سسرال میں اپنے قدم جما لیتی ہے"۔ وہ بہت دھیرے دھیرے اپنے نظریات بیان کرتیں بیٹے کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"زوہیب! اماں جان کا فیصلہ مجھے بھی درست لگتا ہے' نیر بھائی کافی چھوٹی عمر سے ہمارے گھر آ رہے ہیں اور جب سے اب تک اُن میں اخلاقی یا کسی اور قسم کی دوسری برائی نہ دیکھنے میں اور نہ ہی سننے میں آئی"۔ وہ مستقیم شاہ کی تعریفوں میں رطب اللسان تھی اور وہ خود سب کچھ محسوس کرنے کے بعد بھی ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔

"زوہیب! جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو وہ رحمت ہونے کے باوجود پتہ ہے زحمت کیوں لگتی ہے؟ کیونکہ والدین کو بیٹیوں سے نہیں ان کے نصیبوں سے ڈر لگتا ہے' کبھی بادشاہ کی بیٹی صرف مقدر کے لکھے کی وجہ سے رُل جاتی ہے تو کبھی غریب کسان کی بیٹی کا بخت اسے مہارانی بنا دیتا ہے اس لیے بیٹا! زیادہ سوچنے کی بجائے اپنی عنفی کے اچھے مقدر کی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری عنفی کو بہت سی خوشیاں دے اور دکھ کی ہلکی سی پرچھائیں سے بھی دور رکھے"۔ وہ آمین کہتیں اٹھ گئی تھیں جبکہ ان دونوں میاں بیوی نے بھی دل سے آمین کہا تھا' ان کا تو روم روم اس کے لیے دعا گو تھا۔

............☆☆☆............

"واصف! وہ فیصلہ جو میں دن رات تڑپنے کے بعد بھی نہیں کر پایا تھا وہ فیصلہ صرف اس کا ایک آنسو کروا گیا' مجھے اپنی فکر تو نہ کل تھی اور نہ آج ہے' اسے اپنانے کا فیصلہ خود اس کی خاطر ہے' اس میں میری محبت کا تو ہاتھ ہے مگر میری خواہش نہیں چھپی' میں نے تو صرف اس کی خوشی کی دعا کی تھی اور اس کی خوشیاں مجھ سے وابستہ ہیں تو میں ہر ممکن کوشش کروں گا اس کے دکھوں کا مداوا کرنے کی"۔ واصف اسے کافی حیرانگی سے دیکھ رہا تھا' محبت تو خود اس نے بھی کی تھی (خالہ زاد عائشہ سے منگنی اس کی پسند سے ہوئی تھی) مگر محبت میں وہ اتنا دیالو اور بڑے ظرف کا مالک نہ تھا' وہ تو گیو اینڈ ٹیک کی پالیسی پر چلتا تھا مگر اس کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جس کی محبت بے لوث تھی' وہ دونوں ہاتھوں سے محبت لٹا رہا تھا' کسی قسم کے صلے کی تمنا کے بغیر۔

"میں دعا کروں گا نیر! کہ جتنی عزت اور محبت تمہارے دل میں عفیف کے لیے ہے وہ اس سے بڑھ کر تمہیں چاہے اور میری یہ دعا ہے کہ تم تاحیات اتنے ہی اچھے اور سچے رہو"۔ واصف نے دل سے اسے سراہا تھا اور وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

............☆☆☆............

"بیٹی! تم کو مستقیم شاہ سے نکاح قبول ہے؟" قاضی صاحب نے دلہن بنی عفیف یزدانی سے پوچھا تھا اور اس کی آنکھوں سے موتی گرنے لگے تھے' زرینہ یزدانی کا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہر گیا جبکہ وہ دونوں اس کے دائیں بائیں کاندھے پر ہاتھ رکھے اپنے ساتھ کا یقین دلا رہے تھے' لمحے کے دسویں حصے میں اس کا سر اثبات میں ہلا تھا اور

اس نے کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر دستخط کر دیے تھے' مبارک سلامت کا شور اٹھا تھا' قاضی صاحب فائل بغل میں دبائے ڈریسنگ روم سے باہر نکل گئے تھے۔

''زوہیب امنی کو چپ کروانے کی بجائے آپ خود رو رہے ہیں''۔ مقیتہ نے آگے بڑھ کر بھیگے لہجے میں کہا تھا اور انہوں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے تھے' آج ان کی بھتیجی کسی اور سے منسوب ہو گئی تھی' وہ اسے مستقل رونے پر آمادہ دیکھ کر مصنوعی خفگی سے گھورنے لگے تھے۔

''کچھ دیر پہلے تک تو میری بھتیجی اپسرا لگ رہی تھی مگر اب...... بالکل بن بتوڑی لگ رہی ہے''۔ وہ شرارت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''سچ چاچو......!'' وہ روتے روتے حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

''او میری پاگل گڑیا! میں نے کسی شہزادی میں نہیں بلکہ بھوتنی میں ملایا ہے مگر تم تو ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے بہت بڑے اعزاز کی بات ہو' سچ چاچو......'' انہوں نے اس کی ناک کھینچتے ہوئے اس کی نقل اتاری تھی۔

''چاچو! جائیے میں آپ سے نہیں بولتی''۔ وہ منہ بنا کر رُخ موڑ گئی تھی۔

''بول ری گڑیا' بول ذرا......'' وہ اس کا رُخ اپنی جانب کرتے ہوئے گنگنائے تھے اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''ایسے ہی ہنستی رہا کرو بہت پیاری لگتی ہو''۔ وہ کافی دن بعد اس کی دلکش ہنسی سن کر مطمئن ہو کر باہر نکل گئے تھے۔

مقیتہ نے اس کا میک اپ درست کیا تھا اور واثقہ کے ساتھ اسے ہال میں لے آئی تھی۔

''ہاں بھئی بڑے لوگوں کی بڑی باتیں' لڑکی کو اغوا ہوئے ایک ہفتہ نہیں گزرا کہ دھوم دھام سے شادی ہو رہی ہے' ایسے ہی تو اپنے گناہ چھپائے جاتے ہیں' لڑکی اغوا ہوئی اور کچھ دیر بعد مل بھی گئی مگر کون جانے وہ باعصمت ہے بھی یا نہیں''۔ شہر کے مشہور صنعتکار کی وائف مسز عروسہ عثمانی' مقیتہ اور واثقہ کی ہمراہی میں آتی عفیف کو دیکھ کر حقارت سے بول رہی تھیں۔

''اور کیا عروسہ! لڑکے کی عمر بھی زیادہ ہے اور لڑکے کے والدین بھی نظر نہیں آ رہے' مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ کسی گہرے راز کو چھپانے کے لیے اتنی جلدی میں شادی کی جا رہی ہے ورنہ تو آج کل اچھے گھرانے کی شریف لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں' بیگم یزدانی کو اپنی اغوا شدہ پوتی کے لیے کہاں سے دو ہی دنوں میں بر مل گیا' لڑکے میں بھی کوئی عیب......''

''مسز جمال!'' نسوانی دھاڑ پر ان کے قہقہوں کو بریک لگ گئے تھے۔

''آپ لوگوں کو اس طرح کی باتیں کرتے شرم آنی چاہیے' کسی لڑکی کے اغوا ہونے میں لڑکی کا قصور نہیں ہوتا مگر آپ لوگوں کی گھٹیا سوچ ہمیشہ کسی لڑکی کو ہی کیوں قصوروار ٹھہرا کر لعن طعن کرتی ہے''۔ ماہین وقار بہت درشتی سے ان تینوں خواتین سے پوچھ رہی تھی جس میں سے ایک اُس کی مما ارجمند وقار بھی شامل تھیں۔

''ماہی! تمہیں ان فضول کے جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے' تم بھی تو اسی یونیورسٹی میں پڑھتی ہو اور ہزاروں لڑکیوں میں ایک یہی اغوا ہونے کو رہ گئی تھی' ضرور خود ہی کوئی چکر......''

''تڑاخ''۔ ماہین اپنی مما کی فرینڈ عروسہ عثمانی پر ہاتھ اٹھا چکی تھی اور ہال میں ہوتی چہ میگوئیاں لمحہ بھر کو ساکت ہو گئی تھیں۔

''مسز عثمانی! یہ تھپڑ جو آپ کے گال پر لگا اس میں آپ کا کتنا قصور ہے؟ آپ نہیں بتا سکتیں کہ میں نے آپ پر ہاتھ کیوں اٹھایا تو یہ لڑکی کیسے بتا سکتی ہے کہ وہ لڑکے کون تھے؟'' وہ عفی کی جانب اشارہ کر کے بول رہی تھی۔

''جیسے آپ نے مجھے تھپڑ مارنے کو نہیں کہا تھا ایسے ہی اس نے بھی انہیں اغوا کرنے کو نہیں کہا تھا پھر بھی یہاں موجود ہر شخص کو یہ لڑکی خطاوار لگتی ہے' آپ بتایئے مسز جمال کہ آپ خود اپنا کڈنیپ کرواسکتی ہیں؟ جب آپ یہ گھٹیا حرکت نہیں کرسکتیں تو اس لڑکی سے ایسی اُمید کیوں رکھتی ہیں' مسز عثمانی خدانخواستہ آپ اس سچویشن سے گزرتیں تب آپ کیا کرتیں؟ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتیں یا خود کو اُن کے حوالے کردیتیں؟ مسز عثمانی لڑکی 12 سال کی ہو یا 66 سال کی عمر رسیدہ خاتون' اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے یکساں سوچ کی حامل ہوتی ہے' مما آپ کو یہ لڑکی باعصمت نہیں لگتی' اس کی جگہ آپ کی بیٹی ہوتی تب بھی آپ کی کیا یہی سوچ ہوتی؟'' ڈیڑھ دوسو افراد کی موجودگی میں بھی موت کا سا سکوت چھایا تھا اور اس سکوت کو عفیف کی سسکیاں اور ماہین کی آواز چیر رہی تھی۔

''مسز جمال! آپ کو اس شادی پر حیرانگی ہے آپ یہ کیوں بھول گئی ہیں کہ دنیا میں جہاں آپ جیسے گھٹیا لوگ بستے ہیں وہیں کچھ اچھے لوگوں کا بسیرا بھی ہے' مسز عثمانی آپ کو لگتا ہے کہ اس شخص میں کوئی عیب ہے' اس کی بڑھتی ہوئی عمر پر بھی آپ کو اعتراض ہے' آپ کے شوہر تقریباً دس بارہ برس تو آپ سے بڑے ہوں گے' آپ کے پیرنٹس نے اپنا کون سا عیب چھپانے کے لیے بڑی عمر کا آدمی آپ کے لیے منتخب کیا تھا''۔

''ماہین! اب تم حد سے بڑھ......''

''مسز عثمانی! اسے حد پار کرنا نہیں سچائی کا آئینہ دکھانا کہتے ہیں' یہ لڑکی تو چلیں ایک اغواشدہ لڑکی ہے مگر آپ تو عزت دار گھرانے کی بیٹی تھیں اور آپ اپنے اکلوتے بیٹے اور بیٹی کے کرتوتوں کو کون سی صف میں شامل کریں گی؟ انسان کو کسی پر انگلی اٹھانے سے قبل اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیے کہ وہ خود کتنا پارسا ہے''۔ وہ خشمگیں نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہی تھی اور وہ ایک ایک کرکے تن فن کرتیں ہال سے نکلتی چلی گئی تھیں اور وہ عفیف کے پاس آرکی تھی۔

''عفی! یو ڈونٹ کرائے' یہ زمانے والے بے رحم لوگ' انہیں دوسروں کے احساسات کی پرواہ نہیں ہوتی اور تمہیں بھی کسی کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ ماہین نے اس کے آنسو صاف کیے تھے' زرینہ یزدانی نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا تھا۔ مہمانوں کی کافی تعداد جاچکی تھی جو رہ گئے تھے ان کی موجودگی میں رخصتی کا فریضہ انجام دیا گیا' مستعیر شاہ کی طرف سے واصف اور اس کے پیرنٹس کے ساتھ عاتکہ نے شرکت کی تھی اور رخصتی کے وقت واثقہ ان کے ساتھ چلی گئی تھی۔

............☆☆☆............

''واثقہ! میرا سر بُری طرح چکرا رہا ہے تم اس دوپٹہ کی پنیں......''

''پاگل لڑکی! جس کے لیے یہ اہتمام کیا گیا ہے اسے نظر بھر دیکھنے کا موقع تو دو''۔ وہ اُسے شرارت سے دیکھتی میک اپ باکس اٹھالائی تھی تاکہ بہت زیادہ بگڑ جانے والے میک اپ کو کچھ حد تک درست کردے۔

''واثقہ! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' ان سے تو مجھے ہمیشہ سے ہی بہت خوف آتا ہے' وہ جانے میرے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟'' دوپٹہ سیٹ کرتے واثقہ کے ہاتھ لحہ بھر کو رُک گئے تھے۔

''عفی! فضول میں واہموں کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے' نیر بھائی بہت اچھے ہیں' تم ان کے ساتھ بہت زیادہ خوش رہوگی''۔ وہ جلدی جلدی بکھرا سامان سمیٹ رہی تھی۔

''واثقہ! تم میری فیلنگز کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکتیں' مجھے شادی کے نام سے ہمیشہ ہی خوف آتا تھا اور جن حالات میں میری شادی ہوئی ہے وہ میرے اندر کے ڈر کو اور تقویت دے رہے ہیں اور جب وقاص کی مما مجھے نہ جانے کیا کچھ کہہ

کر منگنی توڑ سکتی ہیں تو ان کے پیرنٹس ایک اغوا شدہ لڑکی کو کیسے اپنا سکتے ہیں؟ اور جب سب مجھے حقارت بھری لگا ہوں سے دیکھتے ہیں تو انہوں نے مجھے کیسے اپنا لیا؟'' وہ کافی زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

''عفی! تمہارے ذہن میں جو جاگیرداروں کا بُرا امیج بنا ہوا ہے وہ تمہیں نیر بھائی کے متعلق اچھا سوچنے ہی نہیں دے رہا ورنہ وہ بُرے ہرگز نہیں ہیں، تم ان سے پہلی ملاقات سے آج تک سوچو تو تمہیں صرف ان کا اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ کردار کی پر چھائی ہی نظر آئے گی، انہوں نے کبھی تم سے بدتمیزی نہیں کی اور ہر مشکل گھڑی میں تمہیں سہارا دیا، تم ایسے شخص کی نیت پر کیسے شک کر سکتی ہو''۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیسے اس کو سمجھائے، جواباً وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کا سیل بجنے لگا تھا اور وہ اس سے اجازت لیتی باہر نکل گئی تھی، اسے اکیلے کمرے میں بیٹھے دو چار منٹ گزرے ہوں گے کہ اس کا سیل بجنے لگا اور اس نے ماہین کا نمبر دیکھ کر فوراً ایس کر دیا تھا۔

''نہیں نہیں ماہی! میں کبھی مان ہی نہیں سکتی کہ میرے چاچو ایسا کر سکتے ہیں، وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور دادو نے میری شادی جلدی میں اس لیے نہیں کی کہ انہیں دنیا کا ڈر تھا، انہیں تو صرف میری خوشی کا خیال تھا''۔ جو کچھ ماہین نے اسے کہا تھا وہ ماننے سے انکاری ہو گئی تھی۔

''عفی! مجھے خود یقین نہیں آ رہا مگر جب گھر آ کر مما نے مجھے خوب ڈانٹا اور مستغیر شاہ کی اصلیت بتائی تو میں بھی جان سے ہی کانپ اٹھی، میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارے جان چھڑکنے والے چاچو اور دادی صرف زمانے کے خوف سے تمہیں ایک عیاش جاگیردار سے بیاہ دیں گے، میں تمہیں یہ سب باتیں کبھی نہ بتاتی عفی مگر مجھ سے رہا ہی نہیں گیا، تم جیسی اچھی لڑکی کے لیے کیا صرف وہی پہلے سے شادی شدہ جاگیردار ہی رہ گیا تھا''۔

''ماہی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ وہ پہلے سے شادی شدہ تھے پھر بھی دادو نے میری شادی......''

''عفی! یہ سچ ہے اور مستغیر شاہ کے پیرنٹس نے جبھی شادی میں شرکت نہیں کی، انہوں نے تو صاف ایک اغوا شدہ لڑکی کو بہو بنانے سے انکار کر دیا تھا''۔ وہ بہت سنجیدگی سے اس کے کانوں میں زہر گھول رہی تھی۔

''ماہی! یہ سب تمہیں کیسے پتہ؟''

''میں تمہاری طرح معصوم نہیں ہوں، اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتی ہوں، مستغیر شاہ کو اس شادی سے کوئی انٹرسٹ تھا ہی نہیں، وہ تو تمہارے چاچو کے مجبور کرنے پر راضی ہو گئے اور جس شخص کی پہلے سے شادی ہو چکی ہو اور جس کے کوٹھے والیوں سے تعلق ہوں اسے اس شادی سے کیا فرق پڑتا تھا، وہ ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کر فوراً راضی ہو گئے، کسی بھی طرح سے سہی ان کی نفسانی خواہشات......''

''چپ کر جاؤ ماہی! تم کچھ بھی کہو مگر میں نہیں مان سکتی کہ میری دادو میرے ساتھ ایسا کر سکتی ہیں''۔

''تمہیں یقین نہیں کرنا تو مت کرو مگر یہ بتاؤ کیا تمہیں مستغیر شاہ کی شادی کا پتہ تھا''۔

''مجھے نہیں پتہ تھا''۔ وہ روتے ہوئے جلدی سے بولی تھی۔

''یہ بات تم سے چھپائی گئی تھی اس لیے کہ تم انکار نہ کر دو جبکہ وہ تو تم سے چھٹکارا چاہتے تھے، تمہارے پیرنٹس ہوتے ناں عفی! تو وہ کبھی انتہائی بُرے شخص سے تمہاری شادی نہ کرتے، اغوا ہونے میں تمہارا قصور نہ تھا اور جب تم پاکدامن تھیں تو ایک نہ ایک دن تمہیں ایک اچھا ہمسفر مل ہی جاتا مگر تمہارے گھر والوں نے جلد بازی میں تمہیں ایک لوز کریکٹر شخص سے بیاہ دیا، اس کی منتیں کرتے تمہارے چاچو نے تمہارے وقار اور عزت نفس کا بھی خیال نہ رکھا، اس طرح تو مستغیر شاہ سب کی طرح تمہیں آبرو باختہ سمجھے گا''۔

''یہ سچ نہیں ہے ماہی!''

''میں تم پر یقین رکھتی ہوں مگر شاید تمہارے گھر والے تم پر بھروسہ نہ کر سکے اور عفی! بچپن سے تمہارے ساتھ یہی تو ہوتا آیا ہے' تم نے اپنی زندگی اپنی مرضی سے کہاں گزاری' ایل ایل بی نہ کر سکیں اور نہ کبھی اپنی مرضی کے کپڑے پہننے نا اکیلے کہیں جانے دیا' جبکہ میرے پیرنٹس نے ہمیشہ ہر جگہ مجھے اکیلے بھیجا کیونکہ انہیں مجھ پر اعتماد تھا مگر تمہارے گھر والوں نے تو کبھی تم پر اعتبار کیا ہی نہیں' زندگی کے ہر موڑ پر تمہیں محبتوں کی دہائی دے دے کر ڈی گریڈ کرنے کی کوشش کی گئی اور تمہارے پیرنٹس کی موت کو تم بھلا سکتی ہو' وہ ایکسیڈنٹ نہیں تھا کسی کی سازش تھی مگر تمہارے گھر والوں نے قاتلوں کو ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہ کی اور عفی' مستغیر شاہ جانتی ہو کس کے بیٹے ہیں؟''
وہ اب اپنا آخری تیر چلا رہی تھی۔

''اصغر شاہ کو تو تم جانتی ہی ہو' تمہارے چاچو نے تمہاری شادی تمہارے پیرنٹس کے قاتل کے بیٹے سے کی ہے اور پھر بھی تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے چاچو اور دادو نے تمہارے ساتھ اچھا کیا ہے تو یہی تمہاری اچھائی ہے ورنہ وہ لوگ تو......'' وہ مزید آگے کچھ کہہ رہی تھی مگر سیل اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا اور وہ ہیلو ہیلو کرتی فون بند کر چکی تھی' عفیف ساکت بیٹھی تھی' اس کے کانوں میں کبھی چاچو کی محبت میں ڈوبی آواز تو کبھی دادو کا شیریں لہجہ گونجنے لگتا اور پھر ماہین کی آواز سب آوازوں پر حاوی ہونے لگتی' اس نے دونوں کانوں پر سختی سے ہتھیلیاں جمائی تھیں اور وہ ''نہیں' نہیں یہ سچ نہیں ہے'' کی گردان کرتی یکدم سینے پر بائیں جانب ہاتھ رکھتی درد سے تڑپتی بیڈ پر ہی لڑھک گئی تھی جبکہ واصف اور عائشہ وغیرہ کو سی آف کرتا مستغیر شاہ اپنے روم کی جانب آیا تھا اور اس کی چیخوں پر دوڑتا ہوا روم میں داخل ہوا تھا بیڈ پر ہوش وحواس سے بیگانہ عفیف اس کے ہاتھ پاؤں پھلا گئی تھی اور وہ زوہیب یزدانی کو فون کر کے اسے ہاسپٹل لے کر دوڑا تھا' اس کی نبض بہت رک رک کر چل رہی تھی اور اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔

............☆☆☆............

''مسٹر زوہیب! پیشنٹ کی حالت کافی کریٹیکل ہے' اتنی کم عمری میں دل کا دورہ پڑنا معمولی بات نہیں ہے' ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں مگر پیشنٹ تو لگتا ہے جیسے جینا ہی نہیں چاہتیں' مریضہ نے خود سے جینے کی کوشش نہ کی تو ان کی دل کی دھڑکنیں کسی بھی وقت تھم سکتی ہیں''۔

''نہیں ڈاکٹر! ایسا نہیں ہو سکتا' اس کے دل کی دھڑکنیں نہیں رک سکتیں' اسے خود اپنے لیے نہیں ہم سب کی زندگی کی خاطر زندگی کی طرف لوٹنا ہوگا''۔ زوہیب یزدانی نے ڈاکٹر کی بات کاٹ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور ڈاکٹر ایک بار پھر آئی سی یو کی جانب بڑھ گیا تھا' وہ تینوں ہی پریشانی سے کبھی ٹہلنے لگتے اور کبھی بینچ پر بیٹھ جاتے' مقیتہ نے عشاء کی نماز ادا نہ کی تھی وہ وزیٹنگ روم میں نماز ادا کرنے چلی گئی تھی' ان لوگوں کو ہاسپٹل آئے آٹھ گھنٹے ہو گئے تھے' صبح کا اجالا چار سو پھیل گیا تھا مگر ان کے دل و دماغ اب بھی تاریک تھے اور لبوں پر صرف اس کی سلامتی کی دعا تھی۔ مقیتہ کا سر اب بُری طرح چکرا رہا تھا' وہ کل اسی وقت کی اٹھی ہوئی تھی' وہ پانی پینے کے ارادے سے اٹھی تھی کہ اُسے بری طرح چکر آیا تھا اور اسے ڈولتے دیکھ کر افسردگی سے بینچ پر بیٹھے زوہیب یزدانی نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا اور وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔ وہ بڑی بے چینی سے ڈاکٹر کے منتظر تھے' ڈاکٹر امانہ نے چیئر سنبھالتے ہوئے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔

''یور وائف از پریگنٹ''۔ ڈاکٹر کے کہنے پر ان کے غمزدہ چہرے پر یکدم مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور انہوں نے نظر اٹھا کر مقیتہ کو دیکھا تھا اور ایک شرمیلی سی مسکان اس کے اداس چہرے پر بھی بکھر گئی تھی اور وہ دونوں جیسے ہی روم سے

باہر آئے تھے' دوسری خوشی ان کی منتظر تھی' گیارہ گھنٹے موت اور زیست کے درمیان لٹکے رہنے کے بعد آخر وہ ان سب کی دعاؤں کی بدولت موت کو شکست دینے میں کامیاب ہوگئی تھی جبکہ زندگی کی اسے اب کوئی خواہش نہ تھی۔

............☆☆☆............

''السلام علیکم بابا سائیں!'' اس نے ادب سے کھڑے ہوتے ہوئے باپ پر سلامتی بھیجی تھی' انہوں نے سر کی جنبش سے جواب دیا تھا۔

''بابا سائیں! آپ نے مجھے اتنی جلدی آنے کو......''

''تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں ہے' تم جانتے ہو ہم نے تمہیں کیوں بلایا ہے''۔ وہ کڑے تیوروں سے بیٹے کو گھور رہے تھے۔

''بابا سائیں! جب آپ جان ہی چکے ہیں تو میرے منہ سے سن کر آپ کیا کریں گے؟'' وہ باپ کے تیوروں سے بالکل نہ ڈرا تھا۔

''نکاح کے اوپر نکاح کرنے کی تمہاری جرات کیسے ہوئی مستغیر شاہ! حویلی سے دور رہنے کا مقصد یہ تو نہیں کہ تم یہاں کی روایات کو ہی فراموش کردو''۔ وہ بُری طرح گرج رہے تھے۔

''بابا سائیں! میں نے نہ کوئی گناہ کیا ہے اور نہ ہی روایات کو توڑا ہے''۔

''گناہ تم نے بے شک نہیں کیا مگر تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم نے روایات کو نہیں توڑا' عظمٰی دمی سے شادی سے انکار' پھر رخصتی کو رستے میں ڈالنا ہمیں بہت کچھ باور کروا رہا تھا مگر ہم نے نگرانی کروانا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ مرد یہ سب کرتے ہی رہتے ہیں مگر یہ امید نہ تھی کہ تم شہر میں شادی کرلو گے' ہماری پوری نسلوں میں کسی نے غیر برادری کی لڑکی سے شادی نہیں کی' مگر تمہیں اس چھوکری کو طلاق دینے کے لیے نہیں کہیں گے کیونکہ آج تک ہمارے یہاں کسی نے بیوی کو طلاق نہیں دی مگر ہم اس لڑکی کو اس حویلی کا حصہ کبھی نہیں بنائیں گے اور یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے''۔ انہوں نے گویا بات ہی ختم کردی تھی' انہیں بیٹے کی شادی پر تو شاید کوئی اعتراض نہ تھا مگر بہو کا درجہ دینے میں انہیں ضرور اعتراض تھا۔

''بابا سائیں! گستاخی کی معافی چاہتا ہوں' اگر آپ میری بیوی کو بہو کا درجہ نہیں دے سکتے تو مجھ سے امید مت رکھیئے گا کہ میں آپ کی بہو کو بیوی کا درجہ دوں گا کیونکہ عظمٰی سے شادی آپ لوگوں کی ضد کا نتیجہ ہے جبکہ عفیف سے شادی میری پسند''۔

''ہوش میں رہ کر بات کر پتر! تو ہمارے فیصلے سے انحراف کر کے اپنی مرضی ہم پر نہیں ٹھونس سکتا' ایسا نہ ہو کہ ہم ساری مصلحت بالائے طاق رکھ کر تمہیں عاق کردیں اور اس چھوکری سے جینے کا حق ہی چھین لیں''۔ ان کی آنکھوں سے قہر ٹپک رہا تھا اور لہجہ بے لچک تھا۔

''بابا سائیں! دھن' دولت سے مجھے کبھی بھی رغبت نہیں رہی' آپ جیب خرچ کے نام پر بچپن سے مجھے جو لاکھوں روپے دیتے رہے ہیں وہ میں نے بے جا خرچ نہیں کیے' ان کی مدد سے شہر میں خود اپنا کلینک قائم کیا' جب دولت بے دریغ استعمال کرسکتا تھا جب نہیں کی تو آپ مجھے عاق کردیں گے تو مالی طور پر مجھے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی' رب سائیں نے مجھے ہنر و تعلیم کی نعمت سے سرفراز کیا ہے' انشاء اللہ بھوکا نہیں مروں گا' اور جہاں تک بات عفیف کی زندگی کی ہے تو زندگی اور موت کے فیصلے رب سائیں کی مرضی کے محتاج ہیں مگر یاد رکھیئے گا بابا سائیں! اگر آپ نے عفیف کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو آپ کا یہ بیٹا آپ کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ دے گا' آپ دوسرے کی زندگی جتنی آسانی سے ختم کردیتے ہیں بیٹے کو دم توڑتے دیکھنا شاید آسان نہ ہوگا' اگر مشکل نہ ہوتو پہلی گولی میرے

سینے میں اتار کر دوسری گولی بے شک میری بیوی کے سینے میں اتار دیجیے گا اور میں آپ کو اپنا خون ابھی اسی وقت معاف کرتا ہوں مگر عفیف کا ایک آنسو یا خون کی ایک بوند بھی تاقیامت معاف نہیں کروں گا"۔ اس کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"مستقیم شاہ اگر تم جان دینے کو تیار ہو تو ہم بھی اپنے اصولوں اور روایات کی خاطر جان لینے کو تیار ہیں"۔ وہ اس وقت صرف ایک بے رحم جاگیردار لگ رہے تھے۔

"سائیں! آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے سائیں میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں سائیں' میرے پتر کو بخش دیں"۔ سکینہ شاہ ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔

"سمجھا دو اپنے پتر کو کہ وہ چھوکری کبھی اس حویلی کا حصہ نہیں بنے گی"۔ بیوی کے آنسوؤں نے بھی ان پر کوئی اثر نہ کیا تھا اور وہ بیٹے کو گھورتے باہر نکل گئے تھے' وہ بھی باہر نکل آیا تھا۔ وہ ابھی فوراً شہر واپس جا رہا تھا' وہ تو آج آنا بھی نہیں چاہتا تھا مگر باپ کی آتی مستقل کالز پر مجبوراً آ گیا تھا جبکہ عفیف ابھی ہاسپٹل سے ڈسچارج نہیں ہوئی تھی' وہ باپ سے ایسے ہی رویے کی امید کر رہا تھا اس لیے اُسے زیادہ فکر نہ ہوئی تھی مگر عفیف کی اسے اب بھی فکر تھی۔

............☆☆☆............

"آئی ایم سوری عفی! مجھے تمہیں سچائی نہیں بتانی چاہیے تھی' تمہاری اس حالت کی ذمہ دار صرف میں ہوں"۔

"اٹس او کے ماہی! تم نے اچھا ہی کیا کہ مجھے سچائی کا آئینہ دکھا دیا مگر پتہ ہے ماہی! مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ دادا اور چاچو میرے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں' ان کی محبت اور میرے لیے فکر مند ہونا مجھے مصنوعی نہیں لگتا"۔

"چھوڑ نا عفی! گزری باتوں کو دہرانے سے کیا حاصل' تیری زندگی تباہ ہونی تھی ہو گئی' اب تجھے ساری زندگی ایک گھٹیا اور عیاش جاگیردار کے ساتھ گزارنی پڑے گی"۔ اس کی بات پر ایک سایہ سا عفیف کے چہرے پر لہرانے لگا تھا۔

"عفی! میری تجھ سے ریکوئسٹ ہے' میں نے تیری محبت میں جو سچائی تجھے بتائی ہے تو اپنے گھر والوں اور مستقیم شاہ پر ظاہر نہیں ہونے دے گی کہ تو سب کچھ جان گئی ہے"۔ وہ اندر آتی معتبہ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی جبکہ وہ تو جوس رکھ کر واپس چلی گئی تھی اور وہ چند اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے چلی گئی تھی' آج ہی تو وہ چار دن بعد ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آئی تھی' مستقیم شاہ اسے ملنے ضرور آئے تھے مگر بات کوئی نہ ہو سکی تھی' ماہین کے جانے کے بعد روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی' اس کا دماغ تو ماہین کی باتوں پر یقین کر چلا تھا مگر اس کا دل ماننے کو تیار ہی نہ تھا' اسے آرام کی سخت ضرورت تھی مگر اس کے دل و دماغ میں ہر وقت کھچڑی پکتی رہتی تھی جبکہ وہ سب اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے مگر وہ ان کے پیار کو دیکھ کر مزید دکھی ہو جاتی تھی۔

............☆☆☆............

"دادو! آپ نے تیل لگایا ہی کیوں تھا' اب تو میں آپ کی گود میں سر رکھ کر ہی لیٹوں گی"۔ زرمینہ یزدانی نے اس کی ناں ناں کے باوجود سر میں تیل ڈالا تھا اور وہ بھی ان کی ناں ناں کی پرواہ کیے بغیر اُن کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

"بھئی ہم تو ایسے عاجز آئے' آئندہ یہ گستاخی نہ کریں گے"۔ انہوں نے پوتی کی ناک کھینچی تھی اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

"ماہی کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے"۔

''عفی! سونے کی نہیں ہورہی' دونوں وقت مل رہے ہیں''۔ زرینہ یزدانی کی آواز پر وہ خیال سے چونک اٹھی تھی۔

''دادو! آپ کے ہاتھوں میں نہ جانے کیسا جادو ہے مجھے نیند آنے لگتی ہے''۔ وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی اوراُن کی ذہنی رو بھٹک گئی تھی۔

''اماں! آپ کے ہاتھوں میں تو جادو ہے مجھے لمحوں میں نیند آنے لگتی ہے اورایسی پرسکون نیند تو میں کبھی رات میں بھی نہیں سویا''۔ ماضی کی بہت پرانی مگراپنی آواز ان کی سماعتوں میں گونجی تھی' بھیگتی آنکھوں میں بیٹے کا عکس اترا تھااورانہوں نے اس کی پرچھائی' اپنی پوتی کی پیشانی چوم لی تھی۔

''السلام علیکم!'' آواز پرانہوں نے جلدی سے آنسو پونچھے تھے اور نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا' سامنے ہی مستغیر شاہ کھڑا تھا۔

''وعلیکم السلام بیٹا! آؤ بیٹھو''۔ انہوں نے صوفے کی جانب اشارہ کیا تھا' چونکہ وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھیں اس لیے وہ بھی قدرے فاصلے پر کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا' تبھی اس کی نگاہ سوئی ہوئی عفیف پر پڑی تھی۔

''کیا دادو! سونے دیں ناں پلیز''۔ وہ ان کے اٹھانے پر جھنجھلا کر بولی تھی مگر جیسے ہی نگاہیں سامنے بیٹھے مستغیر شاہ سے چار ہوئی تھیں وہ فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔

''عفی! جلدی سے جاکر تیار ہو جاؤ' ڈنر کے بعد مستغیر بیٹے کے ساتھ اپنے گھر چلی جانا''۔ دوپٹہ درست کرتے ہاتھ تھم سے گئے تھے۔

''بٹ دادو!''

''لیکن ویکن کیا چندا! شادی کے بعد لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے اور مستغیر بیٹے نے تمہیں لے جانے کی بات نہیں کی تو ہم بے چارے کی خاموشی سے فائدہ تو نہیں اٹھا سکتے''۔ وہ دھیرے سے مسکرائی تھیں اور وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر اپنے روم میں آ گئی تھی۔

بہو! جاکر عفی کی تیاری میں مدد کروادو''۔ مقیتہ چائے سرو کر کے عفیف کے روم میں چلی آئی تھی' وہ بیڈ پر اوندھی پڑی تکیہ میں منہ دیئے رونے میں مشغول تھی۔

''چاچی پلیز! دادو کو منع کردیں' مجھے کہیں نہیں جانا ہے''۔

''عفی! نیر بھائی تمہارے شوہر ہیں اور شادی کے بعد لڑکیاں اپنے سسرال میں ہی اچھی لگتی ہیں اور ایک نہ ایک دن تو تم نے جانا ہی ہے تو آج ہی کیوں نہیں' بے چارے نیر بھائی کا مزید امتحان تو مت لو وہ گزرے ہفتہ میں اپنی بیوی سے بھی ایسے ملتے رہے ہیں جیسے پڑوسی کی بیوی سے مل رہے ہوں''۔ وہ شرارت سے کہتی اس کی وارڈروب کی جانب بڑھ گئی تھی اور اس کی ایک بھی سنے بغیر اس نے اسے تیار کیا تھا۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو' نیر بھائی تو پلکیں جھپکنا بھی بھول جائیں گے''۔ وہ اس کے بالوں میں پراندہ ڈالتے ہوئے مسکرائی تھی جبکہ وہ ایک نظر اپنے جھلملاتے روپ کو آئینہ میں دیکھتی نگاہ جھکا گئی تھی۔

''چاچی! مجھے یہ سب بہت اوور لگ رہا ہے اور ساڑھی میں تو چلا بھی نہیں جا رہا''۔ وہ اسٹول کھسکا کر اٹھی تھی اور بمشکل چلتی ہوئی بولی تھی۔

''کوئی اوور نہیں ہے اور ساڑھی فرسٹ ٹائم تو پریشانی میں مبتلا کرتی ہی ہے''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے روم سے باہر آ گئی تھی۔

''مقیتہ! کیا خیال ہے آج ہماری عفی گڑیا نہیں' مسز مستغیر شاہ لگ رہی ہے''۔ زوہیب اُسے دیکھتے ہی بولے

تھے اور وہ بُری طرح جھینپ گئی تھی' مستنیر شاہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا' آتشی رنگ کی ساڑھی میں ڈارک میک اپ' جیولری پہنے وہ کافی دلفریب لگ رہی تھی اور اس کی نگاہ نے پلٹنے سے انکار کر دیا تھا مگر اسے خود پر کافی کنٹرول حاصل تھا' وہ دوسرے ہی لمحے نگاہ ہٹا گیا تھا دل کے انکار کے باوجود بھی۔ تھوڑی دیر بعد مقیتہ نے کھانا لگ جانے کی نوید سنائی تھی اور کھانے کے بعد وہ بہت روتی ہوئی اس کے ہمراہ یزدانی ولا سے نکل گئی تھی۔

............☆☆☆............

"پلیز! سیلاب لانے کا ارادہ ہے تو ترک کر دیجیے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے رومال اس کی جانب بڑھایا تھا اور وہ مستنیر شاہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتی ٹشو میں آنسو جذب کرنے لگی تھی' وہ اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کے چہرے پر سجا نو لفٹ کا بورڈ اسے کچھ بھی کہنے سے روک رہا تھا اور اسی خاموشی تلے سفر تمام ہو گیا تھا۔

"مراقبے سے نکل آیئے مسز مستنیر شاہ! گھر آ گیا ہے"۔ اس نے شرارت بھرے لہجے پر آنکھیں کھولی تھیں' دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور اس کے نگاہ چرانے پر وہ زیرلب مسکرا دیا تھا' وہ کھلے فرنٹ ڈور سے باہر نکلی تھی اور مرے مرے قدموں سے اس کے ساتھ چلنے لگی تھی' وہ پورے راستے ماہین کی کہی باتیں سوچتی آئی تھی اور اسے اپنے ساتھ چلتے شخص کے ساتھ خود سے بھی نفرت محسوس ہو رہی تھی' وہ ذہن میں ماہین کی سمجھائی ہوئی باتوں کو دہراتی خود سے الجھ رہی تھی' وہ خود میں بالکل بھی وہ سب کرنے کی ہمت جمع نہیں کر پا رہی تھی جیسا یہاں آنے سے قبل ماہین نے اُسے کرنے کو کہا تھا' وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی ازحد حیران رہ گئی' پورے کمرے میں سرخ گلابوں کی مہک بسی ہوئی تھی' کارپٹ اور بیڈ پر پتیاں کچھ اس انداز سے بکھری ہوئی تھیں کہ بیڈ شیٹ و کارپٹ تقریباً چھپ سے گئے تھے۔

"مسز شاہ! آپ کو میرا سرپرائز اور پیار جتانے کا انداز کیسا لگا؟" وہ گھمبیر آواز پر چونک کر اُسے دیکھنے لگی تھی جبکہ وہ عین اس کے سامنے رُکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام گیا تھا جسے چھڑاتی وہ قدرے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

"میں غلطی پر نہیں ہوں تو فاصلے مٹانے کا مکمل استحقاق رکھتا ہوں مگر آپ ہیں کہ اجنبیت کی دیوار گرانے میں تعامل کا شکار ہیں' آپ کی بے اعتنائی ہماری جان بھی لے سکتی ہے"۔ مستنیر شاہ نے اسے کمر سے تھامتے ہوئے کاندھے پر سر ٹکا کر سرگوشی کی تھی۔

"میں آپ کے کسی استحقاق کو نہیں مانتی' میں آپ سے نفرت کرتی ہوں"۔ وہ اپنا آپ چھڑاتی لرزتے ہوئے بولی تھی' اس کا چہرہ اور آنکھیں لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"چلیں محبت نہ سہی نفرت ہی سہی آج دل میں عداوت کی صورت تو کل محبت کی صورت آپ کے دل میں......"

"مسٹر مستنیر شاہ! نہ آج نہ کل...... میں زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے پیرنٹس کے قاتل کے بیٹے سے محبت نہیں کر سکتی"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی جبکہ وہ جو اَب تک اس کی باتوں کو شرم و حیا پر محمول سمجھ کر شرارت سے بول رہا تھا یکدم حیران رہ گیا تھا۔

"عفیف! یہ کیسا مذاق ہے؟"

"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے' آپ کے فادر نے میری مما کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تھی اور انہوں نے عزت پر جان قربان کر دی تھی' میرے فادر بیرسٹر شعیب یزدانی اور آنی بیرسٹر صدف یزدانی نے آپ کے فادر پر کیس کر دیا تھا اور میری آنی نے اپنی بہن کا کیس خود لڑا تھا اور جس دن آپ کے فادر کو سزا سنائی جانی تھی اس دن میرے فادر اور آنی کا آپ کے فادر نے ایکسیڈنٹ کروا دیا تھا اور میرے فادر اور میری آنی کو انصاف دلانے کی خواہش میں

زندگی سے ہی گزر گئے"۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو ٹپک رہے تھے۔

"میں نہیں جانتا عفیف! کہ اس بات میں کتنی سچائی ہے مگر میں آپ کو جھٹلاؤں گا نہیں کیونکہ آپ کی آنکھوں میں میں سچائی پڑھ سکتا ہوں لیکن آپ نے جو کچھ کہا وہ سچ بھی ہے تو میں اس سے لاعلم ہوں اور میرا اس سب میں کوئی ہاتھ نہیں ہے آپ کی مجھ سے نفرت کوئی معنی نہیں رکھتی"۔ وہ صاف گوئی سے بول رہا تھا۔

"معنی رکھتی ہے مسٹر شاہ! جب کوئی قصور کے نہ ہوتے ہوئے میں نے یتیمی کی زندگی بسر کی ہے تو کچھ سزا تو آپ کو بھی ملنی چاہیے اور آپ مجھے اتنا بیوقوف نہ سمجھیں میں آپ کی کسی بات پر یقین کرنے والی نہیں ہوں ایک گھٹیا باپ کا بیٹا کیسے پارسا ہو سکتا ہے؟ جب کتنی ہی لڑکیوں کی زندگی آپ کے باپ نے داؤ پر لگادی تو آپ بھی تو اسی اصغر شاہ کے بیٹے ہیں اُسی کی طرح گھٹیا اور ہوس پرست ہی ہوں گے"۔

"عفیف ....." وہ غصے میں اپنا ہاتھ اٹھا چکا تھا مگر اس کے گال پر پڑنے کی بجائے ہوا میں معلق رہ گیا تھا جبکہ وہ تو بُری طرح سہم سی گئی تھی۔

"عفیف! آپ کی سنائی کہانی پر میں نے یقین کرلیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ میری اور میرے باپ کی توہین کریں"۔

"مسٹر شاہ! عزت اس کی کی جاتی ہے جو عزت کے لائق ہوتا ہے اور میرے کچھ بھی کہنے اور نہ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور یہ فرضی داستان نہیں ہے آپ آج سے 21 سال پہلے کے نیوز پیپر زدیکھ لیں آپ کو اپنے باپ کا گھناؤنا چہرہ صاف نظر آجائے گا اور ویسے بھی آپ کون سا اپنے باپ کے کرتوتوں سے ناواقف ہوں گے"۔ وہ بہت طنز سے بول رہی تھی اور وہ مٹھیاں بھینچے خود کو بمشکل ضبط کھونے سے روکے ہوئے تھا۔

"عفیف! ان باتوں کا کیا مقصد ہے؟ اور جب آپ مجھے اپنے پیرنٹس کے قاتل کا بیٹا سمجھتی تھیں تو یہ شادی ....."

"شادی کے لیے مجھ سے نہیں پوچھا گیا مگر میری بات یاد رکھیے گا میں اس شادی کو مانتی ہی نہیں ہوں اس لیے آپ کے لیے بہتر ہوگا کہ آپ مجھ سے دور رہیں کیونکہ میں آپ سے شدید نفرت کرتی ہوں"۔

"میں اپنے حق کو استعمال نہیں کروں گا بٹ ...... یہ سزا تو آپ نے اپنے بے چارے شوہر کے لیے منتخب کی ہے اصغر شاہ کا بیٹا ہونے کی پاداش میں تو پھانسی یا کم از کم عمر قید کی سزا تو سنانی ہی چاہیے تھی"۔ وہ استہزائیہ انداز میں کہتا اسے گڑبڑانے پر مجبور کر گیا تھا عفیف نے سٹپٹا کر اسے دیکھا تھا بلیک پینٹ وائٹ شرٹ پر ڈارک بلیو ٹائی سانولا چہرہ خوبصورت آنکھیں گھنی مونچھوں تلے عنابی ہونٹ کچھ بھی تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا اُسے مسکراتے دیکھ کر وہ پلکوں کی جھالر گرا گئی تھی اور اُس کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے کی اُلجھن میں تھی کہ اس کا سیل بجنے لگا تھا وہ کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور اس نے یس کرکے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

"تمہارے کہنے پر میں نے انہیں کافی کچھ سنا دیا ہے مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے انہوں نے تو غصے میں ہاتھ بھی اٹھا لیا تھا جبکہ دادو نے مجھ سے کبھی اونچی آواز میں بات تک نہیں کی اور آج صرف ہاتھ اٹھانے پر اکتفا کیا کل مجھے مارنے سے گریز نہیں کریں گے اور مجھے ڈانٹ اور مار سے بہت ڈر لگتا ہے میں نے تو سوچ لیا ہے اب میں کچھ نہیں کہوں گی اور شادی تو ہو گئی ہے میرے شور کرنے سے کیا ہوگا"۔ وہ پہلی ہی منزل پر ہمت ہار گئی تھی جبکہ وہ جو غصہ سے باہر نکلا تھا دروازے سے لگ کر کھڑا اس کی آواز سن رہا تھا اب خاموشی چھا گئی تھی اور اس نے اندازہ لگایا تھا کہ فون کی دوسری جانب موجود شخص بول رہا ہوگا۔

"ابھی بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے اور تم اپنے پیرنٹس کے قاتل کے بیٹے کو اپنا شوہر کیسے تسلیم کر سکتی ہو؟ جو سزا تم نے

جیسی ہے وہ اس شخص کو بھی ملنی چاہیے‘ تم ہمت سے کام لوگی تو ہی اپنے پیرنٹس کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکو گی اور گھٹیا شخص کے چنگل سے نکل سکو گی‘‘۔ وہ دانت پیستے ہوئے بمشکل غصہ کنٹرول کرتی بول رہی تھی۔

’’سزا تو میں بھی دینا چاہتی ہوں مگر میں کر ہی کیا سکتی ہوں؟ دادو نے مجھے کہاں پھنسا دیا ہے‘ میرے پیرنٹس کے قاتلوں سے رشتہ جوڑے رکھنا میرے لیے آسان نہیں ہے‘ مجھے لڑائی جھگڑے سے خوف آتا ہے‘ میں جانتی ہوں تم میرا بھلا سوچ رہی ہو مگر میں کچھ بھی کرنے پر قادر نہیں ہوں‘ دادو نے کہا میرا نکاح ہو رہا ہے‘ میں نے نکاح نامے پر سائن کردیئے‘ دادو نے کہا مجھے مستنیر شاہ کے ساتھ جانا ہے میں خاموشی سے یہاں چلی آئی‘ تم نے کہا میں انہیں حقیقت بتادوں‘ اُن سے نفرت کا اظہار کروں اور اپنے نزدیک نہ آنے دوں‘ مگر میں تو کسی کو بھی کچھ کہنے روکنے کا حق نہیں رکھتی اور جب میری دادو نے نہیں سنی تو کیا یہ میری بات مان لیں گے؟ کسی کو بھی میری فکر نہیں ہے سب اپنے فیصلے مجھ پر ٹھونس دیتے ہیں اور جب زندگی اسی طور گزارنی ہے تو ایسے ہی سہی‘ میں اب خاموشی ہی اختیار کرلوں گی‘‘۔ وہ روتے ہوئے بے بسی سے بول رہی تھی‘ جبکہ اس کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا یہ سوچ کر کہ کس بے وقوف لڑکی سے پالا پڑ گیا ہے۔

’’جیسے تمہاری مرضی عنقی! مگر ایک بات یاد رکھو جب انسان کم ہمتی کا مظاہرہ کرتا ہے‘ جبھی اسے ساری دنیا دبانے لگتی ہے‘ تم جیسی کمزور لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو حالات کی چکی میں پستی ہیں اور جو راہ تم چننے جارہی ہو یہی راہ تو ہمارے معاشرے کی 80 فیصد لڑکیاں اپناتی ہیں‘ جب تم باکردار ہو تو شوہر بھی باکردار ہی ملنا چاہیے تھا‘ مگر تم کمپرومائز کرنے چلی ہو مگر یہ مت بھولو پہلا کمپرومائز ہی آخری نہیں ہوگا‘ آگے جاکر تمہیں کیا کچھ سہنا پڑے گا‘ آج تھوڑی سی ہمت سے کام لوگی تو آگے زندگی بہت سہل ہوگی اور تم اکیلی نہیں ہو میں تمہارے ساتھ ہوں‘ اور جب تم اپنے پیرنٹس کے قاتلوں کو ان کے انجام تک پہنچالوگی‘ عارف بھی امریکہ سے لوٹ آئے گا اور میں تمہیں اپنی بھابی بنالوں گی‘ مجھے تو تم پر ترس آتا ہے تمہیں اس دلدل میں پھینکنے والے تمہارے اپنے ہیں اور تم اب بھی انہی کے بارے میں سوچ رہی ہو بھول جاؤ عنقی سب کو‘ صرف اپنے پیرنٹس کے قاتل اور اپنے بارے میں سوچو‘ تم اتنی اچھی ہو کہ اگر میرے بھائی سے شادی نہ بھی ہوئی تو تمہیں کوئی بھی اپنالے گا‘‘۔ ماہین اسے جانے کیا کچھ سمجھا اور بتا رہی تھی‘ اسے عمل کرنا تھا یا نہیں مگر اس کے دل و دماغ سے اس کی باتیں چپک سی گئی تھیں۔ جب آواز آنا بند ہوگئی تو وہ اسٹڈی میں چلا گیا تھا۔

☆☆☆

’’بی بی سائیں! اٹھ جائیے‘ صبح ہوچکی ہے اور چھوٹے سائیں ناشتے کی میز پر آپ کے منتظر ہیں‘‘۔ وہ بکھرے بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی تھی‘ گھڑی میں ٹائم دیکھا‘ اس نے ملازمہ کو کپڑے نکالنے کی ہدایت دے کر واش روم کا رخ کیا تھا‘ بانو نے اس کے لیے آتشی رنگ کا بھاری سوٹ نکالا تھا جسے اس نے خاموشی سے پہن لیا تھا اور گیلے بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر وہ روم سے نکل آئی تھی‘ صنوبرہ نے ایک رات کی بیاہی دلہن کو اس طرح سادہ حلیے میں کافی حیرت سے دیکھا تھا مگر کچھ کہنے کی ان میں ہمت نہ تھی‘ صنوبرہ کی بیٹی بانو نے اس کے لیے کرسی کھسکائی تھی اور وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی‘ مستنیر شاہ نے اخبار سائیڈ میں رکھ کر ناشتہ کرنا شروع کردیا تھا‘ وہ پہلی دفعہ دادو کے بغیر ناشتہ کررہی تھی‘ توس اس کے حلق میں اٹکنے لگا تھا اس نے آدھا توس کھا کر واپس رکھ دیا تھا‘ مستنیر شاہ نے اسے کچھ کہنے کی بجائے بانو کو چائے بنانے کا اشارہ کیا تھا۔

’’بی بی سائیں! چائے میں کتنی شکر ڈالوں؟‘‘ اس نے آواز پر چونک کر سر اٹھایا تھا اور نگاہ مستنیر شاہ کے چہرے سے ہوتے ہوئے جھک گئی تھی۔

"میں چائے نہیں پیتی"۔ وہ بہت دھیمے سروں میں بولی تھی اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئی تھی جبکہ اس نے عفیف کو روکنے کی کوشش نہ کی تھی مگر اس کے موبائل پر بجتی بپ نے اسے متوجہ کیا تھا اور زوہیب یزدانی کا نمبر دیکھ کر وہ اسے آواز دے گیا تھا۔

"آپ کے گھر سے فون ہے"۔ موبائل اس کی جانب بڑھایا تھا اور چائے کے سپ لینے لگا تھا۔

"وہ دادو گھر آنے......"

"آپ کو جب چلنا ہو مجھے بتا دیجیے گا"۔ وہ اٹھتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر بولا تھا اور جانے کے لیے قدم بڑھا دیے تھے۔

"میں ابھی دادو کے پاس جانا چاہتی ہوں"۔ اسٹڈی کی جانب اٹھتے قدم رُکے تھے اور وہ عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے اپنی ذات کی تشہیر کبھی بھی پسند نہیں رہی اور میں نہیں چاہتا کہ آپ اس طرح وہاں جا کر مجھ پر انگلی اٹھانے کا کسی کو بھی موقع دیں"۔ اس کا اشارہ عفیف کے دھلے ہوئے چہرے اور کسی بھی قسم کی آرائش نہ ہونے کی طرف تھا۔

"آپ نے مجھ سے نفرت کا اظہار کیا، مجھے ایک قاتل کا بیٹا کہا اور نہ جانے کیا کچھ کہا اور کوئی کسر باقی رہ گئی ہو تو وہ بھی پوری کر سکتی ہیں لیکن یہاں اگر آپ کو میری ذات کے حوالے سے رہنا ہے تو میری ذات سے بھلے منکر

ہو کر رہیں مگر میری ذات کے مان اور میری عزت کا خیال آپ کو رکھنا ہوگا اور مجھے امید ہے اس بات کا خیال رکھتے ہوئے آپ اپنے گھر جا کر "سب برا ہے" کی تفسیر پیش نہیں کریں گی کیونکہ میں نہ آپ کو اپنانے پر مجبور کر رہا ہوں اور نہ ہی ٹھکرانے پر' سارے فیصلوں کے اختیار آپ کے پاس ہیں' بس ایک میری نیک نامی پر حرف نہیں آنا چاہیئے کیونکہ مجھے اپنا وقار دنیا کی ہر شے سے عزیز ہے"۔ وہ ملازموں کی موجودگی کے خیال سے بہت دھیمے لہجے میں اور انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

"آپ کو اپنی نیک نامی تو بہت عزیز ہے مگر دوسروں کے وقار کو آپ ہرگز بھی قابل اعتنا نہیں سمجھتے اور جب آپ کو اپنی نیک نامی اتنی ہی عزیز تھی تو کیوں ایک اغوا شدہ لڑکی کو اپنی ذات کا حوالہ دیا؟ ایسے آپ کی نیک نامی پر حرف نہیں آتا؟ اور جب آپ کا وقار و کردار کہاں چلا جاتا ہے جب معصوم لڑکیوں کی زندگیوں کو برباد کرتے ہیں' یہ مت سمجھیں کہ میں کچھ نہیں جانتی' آپ کے کردار کے جھول مجھ سے ہرگز چھپے ہوئے نہیں ہیں اور میری جیسی ایک اغوا شدہ لڑکی کو بھی سوچ کر تو اپنایا ہے تاکہ آپ کے آگے سر نہ اٹھا سکوں اور آپ اپنے گھناؤنے کھیل بھی جاری......"

"تڑاخ!" اس کی زبان کو بریک لگ گئے تھے اور وہ گال پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی اور پھر روتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

"اوشٹ"۔ اس نے غصے میں دایاں ہاتھ زور سے ٹیبل پر مٹھی بند کر کے مارا تھا' ڈائننگ ٹیبل کا شیشہ چھناکے کی آواز کے ساتھ ٹوٹا اس کا ہاتھ زخمی کر گیا تھا جبکہ وہ دونوں ماں بیٹیاں آواز پر دوڑتے ہوئے آئی تھیں۔

"چھوٹے سائیں! آپ کے تو بہت خون بہہ رہا ہے"۔ منورہ آگے آتے ہوئے پریشانی سے بولی تھی مگر وہ اسے نظر انداز کرتا اسٹڈی میں چلا گیا تھا' خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا' تکلیف کا احساس تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا مگر اس نے بینڈ تیج کرنے کا سوچا بھی نہ تھا' اسے رہ رہ کر خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اُس پر ہاتھ کیوں اٹھایا' اسے اندازہ تھا کہ وہ رو رہی ہوگی اور جتنی تیزی سے اس کے آنسو بہہ رہے تھے اس سے کہیں زیادہ سے اس کا خون بہہ رہا تھا اور یہی وہ چاہتا تھا' وہ خود کو اس سے زیادہ تکلیف دینا چاہتا تھا جو اس نے محض غصہ میں اس کی غلطی کی وجہ سے دی تھی کیونکہ نہ وہ ایسی بات کرتی نہ اس کا ہاتھ اٹھتا۔

............☆☆☆............

"عفی! تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" وہ اُسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتی پوچھ رہی تھیں۔

"کیوں دادو! ٹھیک تو ہے"۔ وہ ان کے دیکھنے سے کچھ خائف سی ہو گئی تھی۔

"خاک ٹھیک ہے' کہیں سے بھی تو سہاگن نہیں لگ رہی ہو"۔ ان کی نگاہ اس کے ملگجے کپڑوں' سونی کلائیوں اور خالی کانوں پر تھی۔

"وہ......دادو! میں ابھی شاور لینے کا ہی سوچ رہی تھی کہ آپ آ گئیں"۔ وہ گڑبڑا کر بولی تھی۔

"فضول بات مت کرو' کیا ہم نہیں جانتے کہ تمہیں چوڑیوں کا کتنا کریز تھا اور جب پہننے کا وقت ہے تو تم کچھ بھی نہیں پہنتیں' ہم تمہیں پہلے روکتے تھے مگر اب تو کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہے جبکہ ہم نے گزرے ایک ماہ میں مشکل سے دو تین بار ہی تمہیں بجے سنورے دیکھا ہے' مستنیر تمہیں کچھ نہیں کہتا؟" وہ پوتی کو بُری طرح تاڑتے ہوئے آخر میں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

"وہ......دادو! انہیں یہ سب پسند نہیں ہے"۔ گڑبڑاہٹ میں بنا سوچے سمجھے بولی تھی جبکہ ان کے تو کان کھڑے ہو گئے تھے۔

...

''کیا پسند نہیں ہے؟ سجنے سنورنے کو تمہیں مستنیر نے منع کیا ہے؟ مستنیر کا رویہ تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہے ناں اور کیا کچھ پابندیاں ہیں''۔

''نہیں' نہیں دادو! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ مزید گڑبڑا گئی تھی۔

''عفی! گول مول بات کرنے کے بجائے ہمیں سچ سچ بتاؤ' آخر بات کیا ہے''۔ ان کی نگاہیں اس پر جمی تھیں۔

''دادو! آپ خوامخواہ میں واہمات کا شکار ہورہی ہیں' مستنیر بہت اچھے ہیں' میرا بہت خیال رکھتے ہیں' اُن کی طرف سے مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے' مجھے خود ہی گھر میں بھاری بھاری سوٹ پہننا اچھا نہیں لگتا اور آج کل گرمی بھی تو بہت ہے اور میری عادت بھی نہیں ہے' میں نے ہمیشہ سادہ کاٹن کے سوٹ ہی تو پہنے ہیں''۔ وہ اپنی صفائی دینے کے چکر میں بلا ارادہ اس کی تعریف کر گئی تھی اور وہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑا اُس کے گھبرائے ہوئے انداز ملاحظہ کررہا تھا۔

''عفی! حد کردی تم نے' گرمی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ پورا پورا دن ان ملگجے کپڑوں میں گزار دیا جائے' صاف ستھرا لباس' ہلکا پھلکا سنگھار اور جیولری وغیرہ کا اہتمام تو کیا ہی جاسکتا ہے' بیوی کا فرض ہوتا ہے کہ شوہر جب گھر آئے تو بیوی خوشبو میں بسی مسکراتے ہوئے استقبال کرے' ملگجے کپڑوں اور سرد چہرے والی بیویاں بہت جلد شوہر کی نگاہ میں اپنا مقام کھو بیٹھتی ہیں' مستنیر کے آنے سے پہلے اہتمام کرنا تمہارا فرض ہے جس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے' تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ کیا چیز' کون سا رنگ تمہارے شوہر کو پسند ہے اور کون سی چیز اور بات اس کے موڈ کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے''۔ وہ سر جھکائے دادی کی باتیں سن رہی تھی۔

''اب شاباش اٹھو اور جا کر تیاری کرو جب تک ہم عصر کی نماز ادا کرلیں مستنیر بیٹے کے ساتھ ہی چائے پئیں گے' مغرب کے بعد ہمیں زوہیب لینے آجائے گا''۔ وہ اس کا گال تھپتھپاتی اٹھ گئی تھیں۔

زرینہ یزدانی اس کے گھر پہلی دفعہ آئی تھیں اور وہ جو پوتی کی جانب سے پہلے ہی فکر مند تھیں اب کچھ اور تشویش کا شکار ہوگئی تھیں' کھڑے ہوتے ہوئے ان کی نگاہ مستنیر پر پڑی تھی' وہ اندر چلا آیا تھا اور بڑی محبت اور عزت کے ساتھ ان سے پیش آیا تھا۔

''آپ نے دادو کی کوئی خاطر مدارت بھی کی ہے یا صرف باتوں ہی میں وقت گزار دیا ہے''۔ وہ بڑی خوشدلی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا جبکہ اس کا نہایت دوستانہ انداز اسے مزید بوکھلاہٹ میں مبتلا کر گیا تھا۔

''بیٹا! تم جا کر شاور لے لو جب تک ہم نماز ادا کرلیں پھر ساتھ ہی چائے پئیں گے''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں اور پوتی کے ہونق چہرے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں' مستنیر نے بانو کو آواز لگائی تھی اور وہ اس کی ہمراہی میں ایک روم میں چلی گئی تھیں۔ مستنیر' صنوبرہ کو انتظامات کرنے کا کہتا روم کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ عفیفہ تو دادی کے جاتے ہی روم میں آئی تھی' جلدی سے جو کپڑے ہاتھ لگے انہیں لیے ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔

''آپ پہلے سے ہی خیال رکھیں تو نہ کسی کی بات سننی پڑے اور نہ ہی تردد کرنا پڑے''۔ وہ جب کمرے میں آیا تھا وہ نہ تھی' وہ شاور لینے چلا گیا تھا اور جب نہا کر نکلا تھا تو وہ آئینہ کے سامنے کھڑی جلدی جلدی چوڑیاں چڑھا رہی تھی۔

''آپ اپنے کام سے کام رکھیں اور یہ تردد آپ کی ذات کے لیے نہیں خود میرے لیے ہے' اس لیے کسی قسم کی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ہرگز بھی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ مڑتے ہوئے بولی تھی اور بیڈ پر رکھے دوپٹہ کو اٹھانے کے لیے جیسے ہی آگے بڑھی تھی' وہ اسے بازو سے تھام کر اس کا رُخ اپنی جانب موڑ گیا تھا۔

''آپ اپنی غلط فہمی دور کرلیجیے محترمہ! کہ آپ کے سجنے سنورنے سے اور سنگھار نہ کرنے سے مجھے کوئی فرق

پڑتا ہے اور آپ نے بالکل درست کہا کہ یہ تردد خود آپ کی ذات کے لیے ہے کیونکہ اگر آپ کی دادی کو ہمارے ریلیشن کی بابت پتہ چلے گا تو جوابدہ آپ ہوں گی میں نہیں' اس لیے اچھی بیوی بننے کی اداکاری آپ کی مجبوری ہے نہ کہ میری' کہ میں اچھا شوہر بن کر دکھاؤں کیونکہ میں دُہری شخصیت کا مالک نہیں ہوں' میرا باطن وظاہر یکساں ہے اس لیے ساری اداکاریاں آپ ہی کو مبارک ہوں"۔ اس کی بھیگتی آنکھیں اسے آگے کچھ بھی کہنے اور بازو آزاد کرنے پر مجبور کر گئی تھیں۔

"جس انسان کے قول وفعل میں حد درجہ تضاد پنہاں ہو اُس شخص کا ظاہر و باطن یکساں کبھی نہیں ہوتا اور یہ نہ سمجھیں کہ مجھے کسی کا ڈر......" وہ آگے بھی کچھ کہتی کہ دروازہ ناک ہونے لگا تھا۔ وہ دوپٹہ شانوں پر ڈالتی باہر نکل گئی تھی اور وہ بھی کچھ ہی دیر میں لاؤنج میں آ گیا تھا' عفیف چائے بنا رہی تھی کہ زوہیب یزدانی بھی آ گئے تھے' چائے بہت اچھے ماحول میں پی گئی تھی۔

"بیٹا! اب تم نے کیا سوچا ہے' عفی کو اپنے پیرنٹس کے پاس کب لے جا رہے ہو؟" وہ جوز وہیب سے بات کر رہا تھا اُن کی آواز پر چونک اٹھا اور انہیں دیکھنے لگا تھا جبکہ عفیف اُن کے برابر خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"جی انشاء اللہ کچھ دنوں میں ہم گاؤں جا رہے ہیں' پروگرام سیٹ ہوتے ہی آپ سے ملنے چلے آئیں گے"۔ وہ کافی سنجیدگی سے جھوٹ بولا تھا کیونکہ عفیف کو گاؤں لے جانے کا دور دور تک کوئی امکان نہ تھا لیکن جہاں زرمینہ یزدانی کچھ مطمئن ہو گئی تھیں وہیں عفیف کو گھبراہٹ نے آ گھیرا تھا اور یہی وجہ تھی جو وہ دادی اور چاچو کے جاتے ہی پھٹ پڑی تھی۔

"آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپ کے ساتھ گاؤں جاؤں گی' اس گھر میں رہوں گی جہاں میرے پیرنٹس کا قاتل بڑے مزے اور خوشی کے ساتھ رہتا ہے"۔ وہ نہایت درشتی سے کہہ رہی تھی۔

"آپ جب ایک قاتل کے بیٹے کے ساتھ اس کی بیوی کی حیثیت سے رہ سکتی ہیں تو اُسی قاتل کے گھر میں اس کی بہو کی حیثیت سے رہنے میں کیا قباحت ہے؟ اس طرح شاید آپ اپنے پیرنٹس کی موت کا بدلہ لے سکیں اس لیے آپ کو چاہیے مجھ پر ٹائم ضائع نہ کریں بلکہ اصلی مجرم کو تنگ کرنے کے لیے پلاننگ کر لیں' آپ ویسے بھی تو ہر کام بڑی پلاننگ سے ہی کرتی ہیں"۔ وہ بڑی سنجیدگی سے اس کے چہرے پر نگاہ جمائے بول رہا تھا۔

"جب میں نے آپ کو ہی شوہر نہیں مانا تو آپ کے پیرنٹس کو ساس سسر ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور آپ کس پلاننگ کی بات کر رہے ہیں' میں نے ابھی تک تو کوئی پلاننگ کی ہی نہیں ہے مگر یاد رکھیں جب بھی کوئی منصوبہ تیار کیا ناں تو وہ آپ اور آپ کی فیملی کی بربادی ہی کے لیے ہوگا اس لیے آپ مجھے مجبور نہ کریں"۔

"مجبوری کے رشتے کیسے نبھائے جاتے ہیں اس سے ابھی آپ انجان ہیں اور مجبوری کے رشتے آپ نہیں' میں نبھا رہا ہوں"۔

"میں نے آپ کو مجبور نہیں کیا اس مجبوری کی ڈور کو کھینچنے کے لیے اختیار تو آپ کے پاس ہے' استعمال کریں اور مجھے نکال باہر کریں اپنی زندگی سے تاکہ میں بھی ایک ناپسندیدہ شخص کی رفاقت سے چھٹکارا پا سکوں' آپ نہ نبھائیں یہ آدھا ادھورا کاغذی رشتہ' 3 لفظ بولیں اور مجھے میری زندگی میں واپس بھیج دیں"۔

"شٹ اپ....." وہ بُری طرح دھاڑا تھا وہ سہم کر اس کے اٹھے ہاتھ کو دیکھتی کچھ فاصلے پر ہوئی تھی۔

"بڑی سے بڑی بات بھی آپ کے لیے کہنا کس قدر آسان ہے' 3 لفظوں کا مطلب بھی سمجھتی ہیں"۔

"سب سمجھتی ہوں' اب اتنی بھی معصوم نہیں ہوں جتنا لوگوں نے مجھے سمجھ رکھا ہے اور مجھے اپنے اشاروں پر کٹھ پتلی

کی مانند نچاتے ہیں 3 لفظ میری زندگی میری خوشیاں میرے احساس سب کچھ سلب کر گئے اور میں بھی 3 لفظوں کے ذریعے ہی زادِراہ چاہتی ہوں"۔

"یہ آپ کی بھول ہے کہ میں زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کو چھوڑنے کی بات بھی کروں گا' ایک میری موت ہی اس رشتے کو ختم کر سکتی ہے اس لیے ڈائیورس ملنے کی توقع کرنے کی بجائے میری موت کی صبح وشام دعائیں مانگا کریں"۔ وہ اس کے گال تک لڑھک آنے والے آنسو کو اپنی پور پر سمیٹتا کہہ رہا تھا۔

"کیوں' کیوں آپ مجھے طلاق نہیں دے سکتے؟ جبکہ میں یہاں رہنا ہی نہیں چاہتی' مجھے اپنا آپ مجرم لگتا ہے کہ میں اپنے پیرنٹس......"

"اسٹاپ اٹ عفیف! ایک ہی بات کی گردان سن کر میں تھک گیا ہوں"۔

"آپ چھ ماہ میں تنگ آ گئے' میری اذیت کا اندازہ ہے آپ کو صرف آپ کے والد کی وجہ سے میں نے یتیمی کی زندگی گزاری ہے"۔

"آپ کی زندگی کی کٹھنائیوں میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے تو مجھے کیوں مورد الزام ٹھہرا کر میری اور خود اپنی زندگی کو مشکل بنا رہی ہیں"۔ اس کے مستقل بہتے آنسو اسے بے بس کر رہے تھے۔

"میں نے آپ کی زندگی کو مشکلوں و پریشانیوں کی نذر نہیں کیا ہے' آپ کے ساتھ نے مجھے ضرور بے بس کر دیا ہے' اس سے بڑھ کر میری بے بسی کیا ہوگی کہ میں ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ جڑے رہنے پر مجبور ہوں"۔ وہ کہتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر جیولری اتارنے لگی تھی۔

"بخدا عفیف! شادی سے پہلے مجھے آپ کی ناپسندیدگی اور وہ سچائی جو شادی کے بعد پتہ چلی اس سے قبل معلوم ہو جاتی تو میں ہرگز بھی آپ کو اپنی زندگی میں شامل نہ کرتا لیکن اب بھی کہاں میں آپ کو کسی بھی بات کے لیے مجبور کر رہا ہوں' آپ کی ہر نفرت وحقارت مجھے دل سے قبول ہے اور آپ مجھ سے میری جان طلب کریں گی تو مجھے لمحہ بھر کا تامل نہ ہوگا لیکن جو آپ مجھ سے چاہتی ہیں وہ میری زندگی سے بڑھ کر ہے"۔ وہ روم سے باہر نکل گیا تھا۔

............☆☆☆............

"یار! وہ تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے' پہلے اس نے خاموشی اختیار کر کے اپنی اچھائی ثابت کرنے کی کوشش کی اور اب وہ جھوٹے جذبات کا سہارا لے رہا ہے"۔ وہ عفیف کی بات کے جواب میں بولی تھی۔

"نہیں مجھے وہ جھوٹے نہیں لگتے' میں نے ان سے جو کچھ کہا انہوں نے اس پر یقین کر لیا"۔

"تو کیوں نہ کرتے' کیا وہ اپنے باپ کے کرتوتوں سے ناواقف ہوں گے اور تم اس شخص کی سائیڈ کیسے لے سکتی ہو جو تم پر دو دفعہ ہاتھ اٹھا چکا ہے اور تم اسی طرح کی بے وقوفانہ حرکتیں کرتی رہیں ناں تو وہ دن دور نہیں ہے جب وہ صبح و شام تمہیں پیار کریں گے' اچھائی کا نقاب ایک نہ ایک دن تو اترے گا ہی اور تمہیں میری بات پر تو یقین آتا ہی نہیں ہے' کل میں نے انہیں ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا اور تم خود دیکھنا چاہو تو......"

"مجھے تم پر یقین ہے مگر میں کیا کروں؟ اُن سے کچھ کہتی ہوں تو وہ غصہ کرنے لگتے ہیں اور مجھے اس سب سے خوف آتا ہے' وہ تو گاؤں جانے کی بات کر رہے تھے اور میں نے منع کر دیا"۔

"پاگل ہوئی ہے عفی! یہی تو موقع تھا اپنے پیرنٹس کے قاتلوں کو مزہ چکھانے کا"۔ ماہین نے غصہ سے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

"تم کیا کہہ رہی ہو' میں بالکل نہیں سمجھی"۔ وہ اپنی ازلی معصومیت سے بولی تھی اور وہ خون کے گھونٹ پیتی اسے

سمجھانے لگی تھی۔

''نہیں، میں نہیں جا سکتی، یہاں اگر مجھے کوئی پریشانی ہوئی تو میں دادو کے پاس تو جا سکتی ہوں مگر وہاں تو میری مدد کے لیے کوئی نہ ہوگا اور یہاں تو مستنیر بھی دادو اور چاچو کی وجہ سے مجھے کچھ نہیں کہتے، وہاں جا کر جانے میرا کیا حال کریں گے''۔ اس نے تو صاف منع کر دیا تھا۔

''یہ مت بھولو تمہیں اس دلدل میں پھینکنے والے تمہارے چاچو اور دادو ہی ہیں، دوسروں کے سہارے پر جینا چھوڑ دو''۔ اس نے غصے سے فون بند کر دیا تھا۔

''میں بھی کس پر اپنا وقت ضائع کر رہی ہوں مگر زوہیب یزدانی میں نے تمہیں برباد کرنے کا خود سے عہد کیا ہے اور تمہاری بربادی تمہاری بھتیجی کی بربادی میں چھپی ہے اس لیے میں ہار نہیں مانوں گی، عفیف کب تک اچھائی کے سائے میں رہے گی، ایک نہ ایک دن میں اسے تمہارے مقابل لے ہی آؤں گی''۔ ماہین نے خود سے کہا تھا اور مسکرانے لگی تھی۔

............☆☆☆............

''واصف! مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ وہ کون ہے جو عفیف کو مجھ سے بدگمان کر رہا ہے اور وہ میری تو کچھ سننا ہی نہیں چاہتی''۔ مستنیر شاہ نے دو دفعہ جو اچانک عفیف کی باتیں سنی تھیں وہ اسے کہہ سنائی تھیں۔

''یار! یہ تو بڑی پریشانی والی بات ہے اور جہاں تک مجھے پتہ ہے عفیف کی صرف دو فرینڈز ہیں، واثقہ کو تو تم جانتے ہو اور ماہین مجھے نہیں لگتا کہ ایسی کوئی حرکت کر سکتی ہے اور اس کی تو کوئی دشمنی بھی نہیں ہے، مجھے لگتا ہے یہ کام تمہارے کسی دشمن کا ہے''۔

''واصف! تو جانتا ہے میرا حلقہ احباب کس قدر مختصر ہے اور عفیف اپنے پیرنٹس کی موت کی بات کرتی ہے اور جو بات مجھے نہیں معلوم تھی وہ میرے کسی دوست یا دشمن کو کیسے پتہ چل سکتی ہے؟'' مستنیر نے فوراً اس کی بات کاٹ کر خیال ظاہر کیا تھا۔

''دوست کی تو تو نے ٹھیک کہی، دوستوں کو اکثر وہی پتہ چلتا ہے جو ہم بتاتے ہیں مگر دشمن اکثر وہ بھی جان لیتے ہیں جس سے ہم انجان ہوتے ہیں تاکہ ہماری کمزوری کا فائدہ اٹھا سکیں مگر یار! عفیف نے جو کہا تجھے وہ سب سچ.....'' اس نے جان کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''تجھے لگتا ہے کہ میں نے عفیف کی بات نہ جھٹلانے کی وجہ سے ان کی بات پر یقین کر لیا ہے لیکن نہیں یار! میں اپنے بابا سائیں کو جانتا ہوں، وہ اس بڑھاپے میں بھی کس قدر رنگین مزاج ہیں، ہر دوسری رات وہ بادہ نوشی کی محفلیں سجائے بیٹھے ہوتے ہیں اور دشمن کو تو چھوڑو وہ اپنی سگی اولاد کی بھی جان لینے سے دریغ نہ کریں، مگر اس سب کو جاننے کے باوجود میں ان سے یہ جواب طلبی نہیں کر سکتا کہ انہوں نے کیوں ایک لڑکی کو اس قدر مجبور کیا کہ وہ جان سے گزر گئی اور پھر اس کی بہن اور شوہر کی بھی جان لے لی، میں بابا جان سے کچھ نہیں پوچھ سکتا کیونکہ ماضی کے اوراق پلٹنے سے حال تباہ ہو جائے گا، بابا سائیں اپنی غلطی کی تلافی کرنے کے بجائے عفیف اور اس کی فیملی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے جبکہ وہ عفیف کی جان کے تو پہلے ہی دشمن ہیں''۔ وہ کافی دکھ اور تلخی سے بول رہا تھا۔

''یار! تمہارے بابا سائیں ایسے کیسے ہو سکتے ہیں؟'' وہ بے یقین تھا۔

''میں ایسے ہی تو نہیں کہتا واصف! کہ کاش میں بھی اُن کے جیسا ہوتا یا کم از کم میری پہچان وہ نہ ہوتے''۔ وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔

''اچھا چھوڑ، یہ بتا زندگی ایسے کب تک گزرے گی؟'' وہ اس کے چہرے پر منڈلاتے دکھ کے سائے دیکھ کر بولا۔

کو وہیں لے گیا تھا جہاں سے شروع ہوئی تھی۔

''مجھے خود نہیں پتہ عفیف کو مجھ سے نفرت ہے وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ انہیں خود سے دور کر دوں جبکہ وہ میری ہو کر بھی میری نہیں ہیں میں کبھی تو سوچتا ہوں جو وہ چاہتی ہیں اس سے ان کے پیرنٹس کی موت کا بدلہ پورا ہو جائے گا ان کی خوشیاں لوٹ آئیں گی میرے طلاق دینے سے ان کے آنسو تھم جائیں گے تو میں عفیف کی خواہش پوری کر دوں مگر یہ ایک فیصلہ مجھ سے نہیں ہوتا سمندر کے سامنے کھڑے ہو کر پیاس کی طلب بجھانے کی بجائے اس میں غرق ہو جانا یہ سوچ کر پیاس کی طلب ہی باقی نہ رہے گی اس سے کہیں بہتر تو سمندر کے پانی کو دور سے دیکھ لینا ہے کہ شاید اس طرح زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر پیاس بجھ ہی جائے کیونکہ زندگی کے ہونے ہی سے پیاس کی شدت مشروط ہے جب زندگی ہی نہ ہوگی تو پیاس کہاں ہوگی''۔ وہ ایک کے بعد ایک سگریٹ جلاتا اور ختم کرتا اُسے دیکھے بنا ہی بول رہا تھا۔

''سمندر کو دیکھتے رہنے سے پیاس نہیں بجھتی بلکہ پیاس کی شدت کچھ اور بڑھ جاتی ہے اور تو نے یہ سوچ کر تشنہ رہنا شروع کر دیا ہے کہ سمندر تیرے سامنے ہے جب تیرے پاس اختیار ہے کہ تو آگے بڑھ کر اپنی تشنگی دور کر سکے تو تو کیوں فضول کے فلسفوں کی بھینٹ خود کو چڑھا رہا ہے''۔ واصف نے سگریٹ اس کے ہاتھ سے چھینی تھی۔

''تو کیا چاہتا ہے اُس شفاف سمندر کو اپنی پیاس بجھانے کے لیے میلا کر دوں اس کی بے فکر لہروں سے حسن نچوڑ لوں تو میں ایسا نہیں کر سکتا جب اسے مجھ پر اعتبار ہی نہیں ہے تو اس کی بے اعتباری کو کیسے تقویت دے دوں میں اس کی آنکھوں میں رہنا چاہتا ہوں محبت یا پھر نفرت کی ہی صورت سہی میں اس کی آنکھوں میں احساسِ زیاں بن کر نہیں رہنا چاہتا اور جو تو کہہ رہا ہے وہ میرے لیے مشکل نہیں ہے اور ایسا تو وہ بھی جانتی ہیں اور میں عفیفہ کے اسی خوف کو زائل کرنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میں خود اپنے وجود کا احساس نہ دلاؤں بلکہ وہ مجھے خود محسوس کریں''۔ اس نے پھر سگریٹ سلگائی تھی۔

''میں تجھے بُرائی کی دلدل میں گرنے اور کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کو نہیں کہہ رہا مگر یار! بعض دفعہ ہماری اچھائی خود ہماری دشمن بن جاتی ہے عفیف کا تیرے ساتھ رویہ کسی کے بہکانے پر ہے اور تیری خاموشی اسے تجھ سے اور بدگمان کرے گی اس لیے تو اتنا اچھا نہ بن کہ وہ تیری اچھائی ہضم نہ کر سکے اور نہ تو اتنا بُرا بن جا کہ ساری عمر پچھتاوے تیرا پیچھا کرتے پھریں اور اس بات کو چھوڑ دے کہ وہ خود تجھے محسوس کرے کیونکہ بعض دفعہ حالات اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں کہ انسان کو کسی دوسرے کو ہی نہیں خود اپنے وجود کو اپنی ذات کی موجودگی کا احساس دلانا پڑتا ہے اور ایسا کرنے کو میں تجھے شاید اس وقت نہ کہتا جب عفیف تجھ سے خود بدگمان ہوتی کیونکہ انسان کی بدگمانی کی ایک حد ہوتی ہے مگر بدگمان کرنے پر بدگمان ہونے والے انسان کی بدگمانی لامحدود ہوتی ہے کیونکہ اس کی آنکھیں اور کان بند ہوتے ہیں اور ایسا بندہ خود اپنی بھی ذات کی نفی اور اپنی مثبت سوچوں کو بھی منفی رُخ عطا کرتا ہے''۔ واصف نے اچھے دوستوں کی طرح اسے مثبت تبدیلی لانے کی جانب توجہ دلائی تھی۔

''تو اپنا بہت سا خون جلا چکا ہے اور تیری دکھ بھری داستان نے میری آنتیں سکھا دی ہیں اس لیے میں تو چلا بڑی بھوک لگی ہے اور گھر میں کوئی کھانا دینے والا بھی نہیں ہے راستے میں سے ہی لیتا ہوا گھر جاؤں گا''۔ وہ جان کر مزاحیہ انداز میں کہتا اٹھ گیا تھا۔

''گھر والے سب کہاں گئے؟''

''تو نے شادی کروائی میں نے سوچا کیوں نہ دوست کے نقشِ قدم پر چلوں صبح ہی مما پاپا اور عاتکہ لاہور گئے ہیں

مابدولت کی تاریخ پکی کرنے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا جبکہ واثقہ بہن کے گھر چلی گئی تھی۔

"یار! یہ تو بڑی اچھی خبر ہے"۔ مستغیر کو واقعی خوشی ہوئی تھی۔

"ہم ہمیشہ اچھی ہی خبریں دیا کرتے ہیں اور بے فکر رہ اگلے ماہ کی ہی کوئی تاریخ فکس ہوگی' تو اپنا پروگرام سیٹ کر لینا' بعد میں کہیں بہانے بناتا پھرے"۔ اس نے مصنوعی خفگی دکھائی تھی۔

"یار! تیرے لیے تو جان بھی حاضر ہے' تو نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تیری شادی میں شرکت نہیں کروں گا"۔ وہ اس پر خفا ہوا تھا۔

"جانتا ہوں یار!" وہ خجل ہو گیا تھا۔

"تو ساتھ ہی نکل رہا ہے' کوئی کام تو نہیں ہے؟" وہ اسے والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھاتے دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"تو میرے ساتھ چل رہا ہے' کھانا ساتھ کھائیں گے"۔ اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا تھا۔ وہ ڈرائیور کو گاڑی لانے کا کہتا خود اس کی گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔

..........☆☆☆..........

"چھوٹی ملکانی! مجھے تو یہاں وڈی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے جی' میں نے تو یہاں کبھی چھوٹے سائیں اور بی بی سائیں کو ہنستے بولتے ہی نہیں دیکھا"۔ مفورہ دبے دبے لہجے میں کہہ رہی تھی اور واصف کے ساتھ آتے مستغیر شاہ نے اسے دیکھ کر نظر چرائی تھی۔

"ملکانی جی! سوہنی تو بہت ہے مگر ہے بڑی دکھری' کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی' اپنے خاوند سے بھی نہیں جی' چھوٹے سائیں اکثر کھانا باہر سے کھا کر آتے ہیں اور جب بھی گھر میں کھاتے ہیں تو وہ بھی اکیلے' بی بی سائیں تو پہلے سے ہی کھا لیتی ہیں' آپ فکر ہی نہ کرو چھوٹی ملکانی' میں یہاں کی سب خبریں آپ کو دیتی رہوں گی اور راز کی بات ملکانی' وہ رات میں نے چھوٹے سائیں کو الگ کمرے میں سوتے دیکھا تھا"۔ فون رکھتے رکھتے اسے یاد آیا تو وہ اِدھر اُدھر دیکھتی سرگوشی میں بولی تھی اور اس کے بعد دو چار اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے فون رکھ دیا تھا۔

"مفورہ بی!" وہ باورچی خانے میں جانے کی بجائے ڈر کر تھم گئی تھیں۔

"مفورہ بی! جلدی سے کھانا لگائیں' میرے ساتھ دوست بھی ہے اور پہلے دو کپ چائے دے دیں"۔ وہ مطمئن ہو کر باورچی خانے میں چلی گئی تھیں ورنہ تو ان کی جان ہی نکل گئی تھی یہ سوچ کر کہ اس نے ساری بات تو نہیں سن لی۔

"واصف! تو ریلیکس ہو کر بیٹھ میں چینج کر کے آتا ہوں"۔ وہ اسے دیکھے بنا اپنے روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ عفیف کاؤچ پر بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی اور اس نے اس کی موجودگی کو ہمیشہ کی طرح دیکھا ان دیکھا کر دیا تھا۔

"عفیف! اپنا حلیہ درست کر کے فوراً نیچے جائیں' واصف نیچے آیا بیٹھا ہے"۔ وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے اُسے کہہ رہا تھا مگر اس نے سر اونچا کر کے دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی' وہ منہ دھو کر آیا تھا تو وہ اپنی جگہ پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں نے ابھی آپ سے کچھ کہا تھا؟" وہ اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا اور اس کے لہجے میں اتنی سختی تھی کہ میگزین اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور جسے اٹھاتی وہ کھڑی ہو گئی تھی اور کچھ بھی بولے بغیر کمرے سے نکلنے کو تھی کہ وہ سختی سے اس کا بازو دبوچ گیا تھا۔

"میں نے ابھی کچھ بکواس کی تھی' آپ کو تماشے کرنے کا بہت شوق ہے ناں تو سارے تماشے اس کمرے تک

محدود کردیں اور شرافت سے اچھی بیویوں کی طرح آ کر میرے دوست کی خاطر مدارت کریں"۔ وہ بہت چبا چبا کر بول رہا تھا اور اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر باہر نکل گیا تھا' عفیف اس کے تیوروں سے ڈرتی ڈرتی واڈروب کی جانب بڑھی تھی کہ اس کا سیل بجنے لگا تھا۔

"ماہی! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں"۔ وہ اس کے ہیلو کہنے سے پہلے بولی تھی۔

"کیوں' سب خیریت تو ہے؟" وہ اس کی عجلت محسوس کر کے بھی پوچھ رہی تھی۔

"وہ واصف بھائی آئے ہیں اور مستغیر نے مجھے تیار ہو کر فوراً ڈائننگ روم میں پہنچنے کا کہا ہے"۔

"تمہیں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' تم مستغیر یا اُن کے دوستوں کی غلام نہیں ہو جو اُن کی خاطر مدارت کرو گی"۔ اُسے صحیح معنوں میں آج تو ان کے جھگڑے کو طول دینے کا موقع ملا تھا۔

"ماہی! مجھے جانا ہی پڑے گا وہ بہت غصہ میں ہیں"۔

"تمہیں انہیں غصہ ہی تو دلانا ہے' تم مستغیر کی چھوٹی چھوٹی کمزوری سے فائدہ اٹھاؤ گی تب ہی تو انہیں مات دے سکو گی' خود سوچو تم گھر میں ہوتے ہوئے اُن کے دوست سے نہیں ملو گی تو اُن کی کتنی انسلٹ ہو گی"۔

"میں تمہارے کہنے سے نہیں جاتی مگر وہ آج تھے بہت غصہ میں' میرے نہ جانے پر تو غصہ اُن کا اور بڑھے گا اور وہ پھر میرے ساتھ جانے کیا کریں"۔ وہ اس کے سمجھانے پر راضی ہوتے کے باوجود ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

"وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' وہ تمہیں کچھ کہیں تو تم بھی انہیں ان کی گھناؤنی صورت دکھا دینا' پھر دیکھنا مارے خجالت کے غصہ غائب ہی ہو جائے گا"۔ وہ اسے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رہی تھی اور وہ خاموشی سے اس کی باتوں پر ایمان لاتی چلی گئی تھی۔

"مجھے یقین ہے آج تو تمہارے اس مجازی خدا کا پارہ ضرور ہائی ہو گا اور جب تم روتی ہوئی اپنے چاچا کے پاس لوٹو گی تو اس کے چہرے پر بکھرا دکھ مجھے کتنی مسرت عطا کرے گا تم سوچ بھی نہیں سکتیں"۔ ماہین نے سرشاری سے سیل فون چوم لیا تھا اور دھیرے دھیرے خوشی سے گنگنانے لگی تھی۔

☆☆☆

مستغیر کو آج جتنا عفیف پر غصہ آیا تھا گزرے دنوں میں اس کا ایک فیصد بھی نہ آیا تھا اور جس وقت وہ کمرے میں آیا تھا عفیف سونے کی تیاری کر رہی تھی' اسے دیکھتے ہی اس کے ہاتھوں میں لرزش سی اُتر آئی تھی اور تکیہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔

"یہ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں' یہ تو اس وقت تک اسٹڈی میں سونے چلے جاتے ہیں"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سوچا تھا اور جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی تھی مستغیر نے بڑی خاموشی سے اس کے چہرے پر پھیلتے سائے دیکھے تھے اور نائٹ ڈریس نکال کر واش روم میں چلا گیا تھا۔ اس کے وہاں سے جاتے ہی اس نے سانس خارج کی اور کارپٹ پر سے تکیہ اٹھا کر بیڈ پر رکھا تھا اور باہر نکل گئی تھی' اسے بھوک تو لگ رہی تھی مگر دل نہیں چاہ رہا تھا اس لیے ایک گلاس دودھ پیا تھا اور واپس کمرے میں آ گئی تھی' اس کا خیال تھا کہ وہ اب وہاں نہیں ہو گا مگر وہ تو بیڈ پر نیم دراز کتاب پڑھنے میں مشغول تھا۔

"مجھے لگتا ہے آج یہ اس کمرے سے نہیں جانے والے اس لیے میں کسی دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہوں"۔ وہ سوچتے ہوئے مڑی تھی۔

"عفیف! کہاں جا رہی ہیں؟" سرد لہجہ اس کے قدم روک گیا تھا۔

''وہ میں......'' عفیف بُری طرح گڑبڑاہٹ کا شکار ہو چکی تھی۔

''محترمہ! کبھی تو آپ شیر کی مانند دھاڑنے لگتی ہیں اور کبھی بکری کی طرح میں میں......اور میں آپ کی بہادری تو آج شام دیکھ ہی چکا ہوں''۔ وہ اس کے عین سامنے کھڑا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ عفیف نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ نگاہ جھکا گئی تھی اور انگلیاں مروڑنے لگی تھی۔

''میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ اپنی ذات کی تشہیر مجھے پسند نہیں مگر آج آپ نے میرے دوست کے سامنے میرا خوب تماشا بنوایا''۔ وہ اس کی آنکھوں میں خوف اور شرمندگی ساتھ ساتھ دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ کے دوستوں کی خدمت کا خود کو پابند نہیں سمجھتی''۔ وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہتی پلٹی تھی مگر وہ اس کی کلائی تھام گیا تھا۔

''آپ خود کو ہر فرض سے بھلے ہی آزاد سمجھتی ہوں' آپ کے نہ ماننے' اور میرے نہ جتانے سے حقیقت مٹنے والی نہیں ہے اور جتنے تماشے آپ نے کرنے اور میں نے سہنے تھے اُن سب کا اب اختتام ہوا جاتا ہے''۔ وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا اور اس کا سرد لہجہ اس کے وجود میں کپکپاہٹ دوڑا گیا تھا اور کسی انہونی کے ڈر سے اس نے زور لگا کر اپنی کلائی اس کی مضبوط گرفت سے آزاد کرائی تھی۔

''مسز مستغیر شاہ! یہی حوالہ آپ کی یہاں موجودگی کا سبب ہے''۔ وہ دھیرے دھیرے اس کی جانب بڑھ رہا تھا اور وہ پیچھے ہوتے ہوتے الماری سے جا لگی تھی۔

''مسز مستغیر شاہ! صرف نام کو' ہمارے مابین صرف ایک کاغذی تین بولوں کا رشتہ' ایک مجبوری کا سودا لیکن...... ہر ایک اختلاف اس کمرے کی حدود تک...... ہمارے رشتے کی ہر ایک تلخی اس کمرے تک محدود...... اور اس کمرے سے باہر......'' مستغیر شاہ لمحہ بھر کو رکا تھا اور اسے دیکھنے لگا تھا جو آنکھیں بند کیے اس کے بہت نزدیک کھڑی تھی' عفیف نے اس کے خاموش ہوتے ہی آنکھیں کھولی تھیں' دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور وہ خود کو کمزور پڑنے سے بچانے کی خاطر لمحہ ضائع کیے بنا پلٹ گیا تھا۔

''اس کمرے سے باہر آپ کو ایک مثالی بیوی کا رول ادا کرنا پڑے گا اس لیے اس گھر میں اب دلچسپی لینا شروع کر دیجیے''۔ اس نے ایک بار پھر اپنا رخ اس کی جانب موڑا تھا اور وہ اتنے مضبوط لہجے میں بول رہا تھا کہ اسے روکنے یا ٹوکنے کی عفیف کی ہمت نہیں پڑی تھی۔

''مجھے صبح 9 بجے ہاسپٹل جانا ہوتا ہے اور کل سے آپ روز 8 بجے مجھے ڈائننگ ہال میں ملیں گی کیونکہ میں کل سے ناشتہ اکیلے نہیں کروں گا' ناشتے کے بعد مجھے سی آف کرنے باہر تک جائیں گی اور میرے آفس جانے کے بعد اپنی نگرانی میں ملازمہ سے کام کروائیں گی' دوپہر کا کھانا آپ جب اور جو چاہیں کھا سکتی ہیں اور اس کے بعد سو سکتی ہیں لیکن شام 5 بجے میری واپسی ہوتو مجھے آپ نیچے ملیں' 5:30 بجے شام کی لان میں چائے' پھر آپ کی رہنمائی میں رات کے کھانے کی تیاری' کھانے کے بعد چہل قدمی تو کبھی ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے کے بعد کمرے میں واپسی اور پھر آپ ہر بندھن سے آزاد''۔ اس نے بات کے اختتام پر ایک نگاہ اس کے ہونق چہرے پر ڈالی تھی' لائٹ میرون جارجٹ کے سوٹ میں وہ سادگی میں بھی بہت زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

''میں اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنے کی عادی ہوں' آپ کی پابند نہیں ہوں اور نہ ہی بننا چاہتی ہوں''۔ وہ آ بول ہی پڑی تھی۔

''میں آپ کو اپنا پابند بنانا بھی نہیں چاہتا مگر اتنی تبدیلی تو آپ کو ہمارے ریلیشن کی وجہ سے لانی ہی پڑے گی'

وہ ٹھوس لہجے میں بولا تھا۔

"اس ریلیشن کی میرے نزدیک کوئی واقعت نہیں ہے اور نہ ہی مجھے کوئی تبدیلی لانی ہے"۔ اس کے تحکمانہ لہجے نے اسے غصہ دلا دیا تھا' اس سے کہاں کسی نے اس لہجے میں کبھی بات کی تھی' کسی کو اپنی بات منوانا بھی ہوتی تو اتنی نرمی سے اسے سمجھایا جاتا کہ وہ قائل ہو جاتی تھی مگر وہ تو جیسے اُسے حکم دے رہا تھا۔

"یہ میری ڈھیل ہی کا نتیجہ ہے جو آپ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں ہیں' ابھی میں نے صرف زبانی کلامی آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اور میں چاہوں گا آپ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے مجھے کوئی دوسرا ایکشن لینے پر مجبور نہ کریں"۔ اسے آگے سے آج تک کسی نے جواب نہ دیا تھا اور عفیف اس سے کافی بدتمیزی کر جاتی تھی' اُسے زبان چلاتی اور بدتمیزی کرتی لڑکیاں بالکل پسند نہ تھیں مگر اس کے سامنے کھڑی لڑکی کو تو گویا اس نے سات خون معاف کیے ہوئے تھے۔

"کیا کریں گے آپ...... اپنے بابا کی طرح میری جان لے لیں گے' ایسا ہے نا تو وقت کیوں ضائع کرتے ہیں"۔ کب سے آنکھوں میں مچلتے آنسو گالوں پر قطار در قطار لڑھکنے لگے تھے اور وہ تو جیسے پل میں سارا غصہ بھلا بیٹھا تھا۔

"نہ میں آپ کی جان لینا چاہتا ہوں اور نہ ہی آپ کو حکم دے رہا ہوں' یہ میری آپ سے ریکوئسٹ ہے کیونکہ آپ کی بیگانگی میری ذات تک محدود ہے تو ٹھیک ہے اس سے خود آپ کی اور میری ریپوٹیشن پر حرف آئے یہ میری برداشت سے باہر ہے اور جس طرح آپ اجنبیوں کی طرح اس گھر میں رہ رہی ہیں یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کیونکہ یہاں ملازم بھی ہیں"۔ وہ حد درجہ نرم لہجے میں بول رہا تھا اور اس کا یہی نرم لہجہ تو اسے شیر بنا تا تھا۔

"انسان کمپرومائز وہاں کرتا ہے جہاں دلوں میں معمولی سی ہی سہی گنجائش موجود ہوتی ہے مگر میرے دل میں رتی برابر بھی جگہ نہیں ہے"۔

"انیق عفیف! میں جتنا پیار سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں آپ اتنا ہی میرے سر پر چڑھنے لگتی ہیں' نفرت ہے نا مجھ سے تو مجھے بھی آپ سے ایسی کوئی الفت نہیں ہے کہ اپنی ذات کی آپ سے دھجیاں بکھروا کر خوشیاں مناؤں اور یہ میری آپ کو لاسٹ وارننگ ہے' آئندہ مجھے کچھ بھی کہنے سے قبل ہزار بار سوچ لیجیے گا ورنہ نتائج کی آپ خود ذمہ دار ہوں گی"۔ وہ غصے سے کہتا روم سے باہر نکل گیا تھا اور یہ اس گھر میں عفیف کی پہلی رات تھی جس میں سونے کی بجائے اس نے روتے ہوئے گزاری تھی۔

............☆☆☆............

مستقیم نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد ایک نگاہ سوئی ہوئی عفیف پر ڈالی تھی' اس کا دل تو اسے روک رہا تھا مگر وہ اب دل کی بات نہ سننے کا ارادہ باندھتے ہوئے اس کے سرہانے کھڑا آوازیں دے رہا تھا مگر وہ اس کے مستقل پکارنے پر بھی کسمسائی تک نہ تھی' دل میں اس کی بے آرامی کا خیال جاگا تھا مگر اس نے ٹیبل پر رکھا آدھا بھرا ہوا جگ اس پر انڈیل دیا تھا' وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی' مندی مندی آنکھوں سے اپنے عین سامنے کھڑے مستقیم کو دیکھتی اٹھ بیٹھی تھی اور کچھ کہنے کے لیے لب وا کرنا چاہے تھے کہ وہ بول پڑا تھا۔

"8 بجنے میں دس منٹ ہیں اور ڈائننگ ہال میں پورے 8 بجے آپ کی موجودگی آپ کے لیے مفید ہوگی"۔ وہ کہتے ساتھ ہی پلٹ گیا تھا' اس کی خمار آلود پلکوں میں تادیر دیکھنا اُسے کسی مشکل سے دوچار کر سکتا تھا اور وہ مشکلوں میں گھرنے کی فی الحال پوزیشن میں نہیں تھا۔

"اگر میں 8 بجے ڈائننگ ہال میں نہیں پہنچی تو......؟"

"نتائج کی آپ خود ذمہ دار ہوں گی کیونکہ میں جتنا نرم خود کھائی دیتا ہوں اتنا ہوں نہیں' غصے میں' میں کیا کر سکتا ہوں اس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں یہ اور بات ہے کہ اس کا ثبوت وہ دوپہر ہے جس میں' میں نے اس شخص پر گولی چلانے میں تعامل نہیں کیا تھا"۔ وہ مزید کچھ کہتا مگر اس کی آنکھوں میں در آنے والا خوف اسے خاموش کرا گیا تھا اور وہ اس پر سے نگاہ ہٹاتے ہوئے روم سے نکل گیا تھا جبکہ وہ تو اس دن کا سوچتے ہی کانپ اٹھی تھی۔ منہ دھو کر بکھرے بال ایسے ہی کیچر میں جکڑتے ہوئے انہی گیلے کپڑوں میں ڈائننگ ہال میں پہنچ گئی تھی مستغیر نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی جو 8:05 ہونے کا سگنل دے رہی تھی مگر اسے کچھ کہے بناء ناشتہ شروع کر دیا تھا۔

"اسٹیچو بن کر بیٹھنے کی بجائے ناشتہ کریں"۔ اس نے سلائس پر جیم لگا کر اس کی جانب بڑھایا تھا اور وہ خاموشی سے کھانے لگی تھی۔

"بانو! تم جاؤ' چائے عفیف بنا لیں گی"۔ بانو فوراً کچن میں چلی گئی تھی اور عفیف نے چائے بنا کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

"اس گھر میں رہتے ہوئے آپ کو کتنے دن ہو گئے؟" مستغیر نے اس سے سوال کیا تھا اور وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تقریباً 5 سے 6 ماہ"۔

"اور آپ کو یہ بھی نہیں پتہ کہ میں چائے میں چینی نہیں ڈالتا"۔ اس نے خود ہی جواب دے دیا تھا اور بغور اسے دیکھنے لگا تھا جہاں گھبراہٹ کی جگہ خجالت نے لے لی تھی۔

"آئی ایم سوری' بے دھیانی میں......"

"بے دھیانی اور لاعلمی میں فرق ہوتا ہے' لائف میں سیکنڈ ٹائم میں نے میٹھی چائے پی ہے' فرسٹ ٹائم کب پی تھی یہ آپ کو یاد نہیں ہوگا' میں بتائے دیتا ہوں' پرسوں شام جب آپ کی دادو آئی تھیں اور ان کے سامنے شرمندہ کرنا مجھے اچھا نہیں لگا تھا جبکہ آپ تو مجھے شرمندہ کرنے کے بہانے تلاشا کرتی ہیں"۔ وہ خالی کپ میز پر تقریباً پٹختا کلینک جانے کے لیے نکل گیا تھا جبکہ وہ شرمندہ سی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

..........☆☆☆..........

"ماہی! واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز"۔ عفیف اُسے اپنے گھر میں دیکھ کر خوشی سے چلاتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی تھی۔

"دیکھ لو تمہاری محبت میں کھنچی چلی آئی تمہیں تو توفیق نہ ہوئی"۔ اس نے بیٹھتے ہوئے شکوہ کیا تھا اور وہ محض مسکرا دی تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے عفی! آنکھیں کس قدر سرخ ہو رہی ہیں"۔ وہ اُسے دیکھ رہی تھی۔

"طبیعت میری بالکل ٹھیک ہے بس نیند پوری نہیں ہوئی' رات دیر سے آنکھ لگی اور صبح جلدی اٹھ گئی' سونے ہی رہی تھی کہ تم آ گئیں"۔ وہ اپنی ازلی صاف گوئی سے بول رہی تھی۔

"کیوں' رات سو کیوں نہیں سکیں؟" وہ اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور اس نے فوراً اسے پور تفصیل بتا دی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہوا ہے' اُسے ڈرانے کی بجائے خود ڈرنے لگیں"۔ اسے تو سن کر ہی غصہ آ گیا تھا' وہ تو یہ کر بیٹھی ہوئی تھی کہ اس گھر میں عفیف کا آخری دن ہوگا مگر جو ہوا اس کی توقع کے برعکس تھا۔

"ماہی! میں کیا کروں' مجھ سے کسی کا تیز لہجہ اور گھورتی آنکھیں برداشت نہیں ہوتیں' دادو اور چاچو نے ہمیشہ

سے نرم لہجے میں بات کی مستغیر ویسے تو مجھے کچھ نہیں کہتے مگر جب میں انہیں کچھ کہتی ہوں تو وہ مجھ پر برسنے لگتے ہیں اور کتنی دفعہ تو ہاتھ اٹھا چکے ہیں"۔

"تمہارا ابھی دبو پن تو تمہارا دشمن ہے' نہ میکے میں اپنی من چاہی زندگی جی سکیں اور نہ ہی سسرال میں' یار ابریو ہوا گر وہ تمہیں ڈانٹتے ہیں تو زبان تو تم بھی رکھتی ہو' اگر ہاتھ اٹھاتے ہیں تو کیا ہاتھ تمہارے پاس نہیں ہیں اور تم آخر یہاں رہ کیوں رہی ہو' جا کر اپنے چاچو اور دادو کو اس شخص کے کالے کارنامے دکھاؤ' وہ تو تمہیں جہنم میں دھکیل کر خوش وخرم زندگی بسر کررہے ہیں اور تمہارا ہر پل خوف کے سائے تلے گزرتا ہے' تم جا کر پوچھو اپنے چاچو سے کہ انہیں تمہارے لیے یہی ایک شادی شدہ مرد ملا تھا اور جب تک تم خود اپنے حق کے لیے آواز بلند نہیں کروگی یونہی گھٹ گھٹ کر اَن چاہی زندگی جیتی رہو گی جبکہ دنیا کا اصول ہے جو پیار سے نہ ملے وہ چھین لو"۔ ماہین اس کا ہاتھ تھامے بڑے چاپلوسانہ انداز میں اس کی برین واشنگ کررہی تھی اور جو کام اس کی آواز کے ذریعے ممکن نہیں ہوسکا تھا وہ اس کی موجودگی نے تقریباً ممکن بنادیا تھا' عفیف کو اپنے سامنے بیٹھی نرمی سے نم پلکوں کے ساتھ سمجھاتی لڑکی اپنی مسیحا لگ رہی تھی۔

"دیکھو تمہاری اداس شکل دیکھ کر میں تو سب ہی کچھ بھول گئی' اپنے یہاں آنے کا مقصد بھی' یہ پکڑو کارڈ عارف کینیڈا سے واپس آگیا ہے اور اس خوشی میں ہم نے پارٹی ارینج کی ہے اور تمہیں ضرور آنا ہے' اسی بہانے میں تمہیں عارف سے بھی ملوادوں گی"۔ ماہین اپنے بیگ میں سے ایک کارڈ اس کی جانب بڑھاتی ہوئی بولی تھی جبکہ وہ اسے کارڈ دینے نہیں سن گن لینے آئی تھی اور اس نے اپنے اب تک تمام حربے ناکام دیکھ کر لمحوں میں نیا منصوبہ تشکیل دیا تھا اور اسے کارڈ دے کر آنے کی یقین دہانی کے ساتھ نکل گئی تھی۔ یہاں سے وہ سیدھی اپنے فرینڈ کے گھر گئی تھی اس کے بغیر تو وہ اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا ہی نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

"بانو! ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے' میں نے شاپنگ کے لیے جانا ہے"۔ وہ سرہلاتی باہر کی جانب بڑھ گئی تھی جبکہ ٹی وی دیکھتے مستغیر شاہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ بلیک جارجٹ کے سوٹ جس پر سلور لیس لگی ہوئی تھی' سلور نازک جیولری اور لائٹ سے میک اپ میں وہ کافی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔

"عفیف!" اس نے باہر نکلتی ہوئی عفیف کو آواز دی تھی۔

"میں لیٹ ہورہی ہوں جو بات ہو میری واپسی پر کرلیجیے گا"۔ وہ پلٹے بغیر کہتی اُسے حیران چھوڑ کر باہر نکل گئی تھی' وہ تو اکیلی گئی تھی اور طے کردہ پروگرام کے مطابق مال میں اسے ماہین مل گئی تھی' ماہین نے اسے زبردستی اپنی جیسی ساڑھی دلوائی تھی اور مختلف چیزیں خریدنے کے بعد وہ کافی شاپ میں آگئی تھیں اور جب وہ اٹھنے لگی تھیں تو ایک کافی ہینڈسم شخص اُن کی ٹیبل کے سامنے آرُکا تھا۔

"عفی! یہ میرا کزن نجم حیات اور نجمی یہ میری سویٹ فرینڈ عفیف ہے"۔ اس نے تعارف کروایا تھا۔

"ہیلو عفی!" اس نے بڑی خوشدلی سے کہتے ہوئے ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا اور اس نے گڑبڑا کر ماہین کو دیکھا تھا۔

"نجمی تمہارے سامنے کھڑی لڑکی ٹوٹلی مشرقی ہے جسے جدید دور کی ہوا چھو کر نہیں گزری"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"اور میری دعا ہے انہیں بُرے زمانے کی ہوا لگے بھی نہ' ویسے بھی اچھے لوگوں کا تو اس دنیا میں کال پڑگیا ہے"۔ نجم حیات بظاہر سادہ لہجے میں بولا تھا مگر اس نے نظروں ہی نظروں میں اسے حسن وخوبصورتی کے سو میں

سے سو نمبر دے دیئے تھے جبکہ وہ اس کی مستقل جمی نگاہوں سے قدرے گھبرا گئی تھی اور اس نے ماہین سے اجازت لی تھی اور اے سی کے باوجود ماتھے پر چمک آنے والے پسینے کو صاف کرتی کافی شاپ سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

"بانو! ذرا اس میکسی کی ڈوری تو باندھ دو کب سے کوشش کر رہی ہوں بندھ ہی نہیں رہی"۔ وہ دروازہ کھلنے کی آواز پر بولی تھی اور شیشے میں نظر آتے مستنیر شاہ کے عکس کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ میں موجود میکسی ڈریسنگ ٹیبل پر ڈالتے ہوئے بے فکری سے اڑسے ہوئے ساڑھی کے پلو کو کھینچ کر درست کیا تھا جبکہ مستنیر شاہ کی نگاہ اس کے سراپے سے ہٹنے کو انکاری ہو گئی تھی' بلیک رنگ کی ساڑھی میں وہ بھی ستوری اس کے ضبط کو آزما گئی تھی مگر وہ کچھ ہی لمحوں میں وارڈروب کی جانب بڑھ گیا تھا اور اس کے واش روم میں جاتے ہی اس نے جیسے تیسے میکسی کی ڈوری باندھی تھی' ساڑھی کا پلو سیٹ کر کے سینڈل پہنی تھی اور شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے آخری نگاہ اپنی تیاری پر ڈالی تھی اور مطمئن ہو کر بیڈ پر پڑے پرس کو اٹھا کر باہر کی جانب بڑھی تھی۔

"عفیف! آپ رات کے 8 بجے اتنی تیاری کے ساتھ کہاں؟"

"میں آپ کو جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی"۔ وہ رُکتے ہوئے بولی تھی اور باہر نکلنے کو تھی کہ عفیف کی کلائی اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔

"عفیف! میں نے آپ کو اپنے رشتے کے تقدس کی بابت کبھی بتانے کی کوشش نہیں کی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جو چاہیں کرتی پھریں' آپ کو کہیں جانے سے پہلے میری اجازت لینی چاہیے"۔

"آپ کہیں جاتے ہوئے میری اجازت طلب کرتے ہیں جو میں آپ کی اجازت طلب کرتی' جیسے آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں میری بھی اپنی مرضی ہے اور مجھے کہیں بھی آنے جانے سے آپ ہرگز بھی نہیں روک سکتے"۔ اس نے کہتے ہوئے بائیں ہاتھ کی مدد سے دائیں ہاتھ پر جمے مستنیر کے ہاتھ کو ہٹایا تھا اور باہر نکلتے نکلتے مڑی تھی اور بغور اس کے حیران چہرے پر نگاہ کی تھی۔

"ماہین کے گھر پارٹی میں جا رہی ہوں' بتانا ضروری نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی بتا کر جا رہی ہوں کہیں آپ مجھے بھی اپنے جیسا نہ سمجھ بیٹھیں"۔

"مجھے کسی کو بھی' کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کو جانا ہی ہے تو اس خرافات کی جگہ کچھ اور پہن کر جائیں"۔ ساڑھی میں اس کا متناسب سراپا اور آدھی آستینوں میں سڈول گلابی بازو کافی توجہ طلب لگ رہے تھے اور اسے یہ بات گوارہ نہ تھی کہ کوئی اس کی بیوی پر اچھی یا بُری نگاہ ڈالے۔

"میں نے آپ سے مشورہ طلب نہیں کیا اور یہ ڈریس میں نے پہلی دفعہ نہیں پہنا اس لیے آپ اپنے نادر مشورے اپنے پاس رکھیں"۔ وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتی باہر نکل گئی تھی اور وہ غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا اور اس نے ہمیشہ کی طرح اپنا غصہ بے جان چیزوں پر ہی نکالا تھا' اس نے غصے میں موبائل بھی دیوار پر مارنا چاہا تھا کہ نمبر پر نگاہ پڑتے ہی اس نے کان سے لگا لیا تھا۔

"بہت بہت مبارک ہو یار! ہاں ہاں کیوں نہیں' مایوں مہندی سے ولیمہ تک ہر ایک تقریب میں انشاء اللہ شرکت کروں گا' اوی کو بھی میری طرف سے مبارکباد دے دینا"۔ وہ دوست کی آواز سنتے ہی غصے پر قابو پانا بڑے نارمل انداز میں اُسے وِش کر رہا تھا۔

"بھئی واثقہ کو تم خود مبارکباد دے دو"۔ واصف نے کہا تھا۔

''ادی! گھر ہی پر ہیں' وہ اپنی دوست کے ہاں پارٹی میں نہیں گئیں؟'' وہ الجھ کر پوچھ رہا تھا۔

''تم کس دوست کی بات کر رہے ہو؟'' واصف نے استفسار کیا تھا۔

''ماہین......'' مستنیر فوراً بولا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ نیر! کہ ماہین کے ہاں آج کوئی پارٹی ہے' تم واثقہ سے خود ہی پوچھ لو''۔ واصف نے فون واثقہ کو تھما دیا تھا۔

''السلام علیکم نیر بھائی! کیسے ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں ادی! آپ اپنی فرینڈ ماہین کے ہاں پارٹی میں نہیں گئیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

''ماہین کی مجھ سے زیادہ فرینڈشپ نہیں ہے' وہ عفی کی دوست ہے' اس نے مجھے کسی پارٹی میں نہیں بلایا' کیا عفی اس کے ہاں پارٹی میں گئی ہوئی ہے؟'' اس نے صاف گوئی سے بتاتے ہوئے سوال کیا تھا اور اس نے اس کے سوال کا مثبت جواب دے کر بعد میں فون کرنے کا کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا' نہ جانے کیوں اسے عجیب سا لگا تھا' فوراً وہ پارکنگ ایریا میں آیا تھا۔

''خدا بخش! بی بی سائیں کو کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟'' اس نے ڈرائیور سے پوچھا تھا۔

''چھوٹے سائیں! بی بی سائیں کو میں تو کہیں چھوڑنے نہیں گیا' انہیں البتہ ایک گاڑی لینے آئی تھی''۔ خدا بخش نے ادب سے بتایا تھا اور وہ مزید الجھتا روم میں واپس آ گیا تھا' اس نے عفیف کے سیل پر ٹرائی کیا تھا مگر بیل تو جا رہی تھی وہ اٹھا نہیں رہی تھی۔ اسے غصہ آنے لگا تھا اور جبھی اسے کل کا منظر یاد آیا تھا' عفیف کے باہر جانے کے بعد اس کے کسی پیشنٹ کا فون آیا تھا اور وہ اسے ملنے کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا اور واپسی میں وہ کافی شاپ میں آ گیا تھا' اس نے عفیف کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھا تھا جسے وہ پہچان گیا تھا کہ وہ ماہین ہے مگر ان کے ساتھ موجود لڑکے کو اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا' وہ کافی بے بناہ ہی پلٹ گیا تھا مگر اس کے دل میں کوئی عجیب خیال نہیں آیا تھا اور نہ ہی وہ آج کچھ غلط سوچ رہا تھا' بس اس کے دل کی عجیب سی حالت تھی اور وہ بڑی بے چینی سے عفیف کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆

عفیف' ماہین کی ضد سے مجبور ہو کر پارٹی میں تو آ گئی تھی مگر اسے یہاں بہت عجیب سا لگ رہا تھا' زیادہ تر لڑکیاں شارٹ شرٹ اور ٹراؤزر اور کیپری میں ملبوس تھیں اور خواتین نے ساڑھیاں پہنی ہوئی تھیں' ساڑھی تو خود اس نے بھی پہنی ہوئی تھی مگر چھوٹے چھوٹے بغیر آستینوں کے بلاؤز میں بہت عجیب سا لگ رہا تھا' وہ یہاں آ کر ہی اکتا گئی تھی مگر ماہین ایک ایک سے زبردستی اس کا تعارف کرواتی پھر رہی تھی۔

''عارف! ان سے ملو یہ میری بیسٹ فرینڈ عفیف اور عفیف یہ میرے بگ برادر عارف ہیں''۔ اس نے ایک ڈیشنگ سے شخص کا عفیف سے تعارف کروایا تھا۔

''ہیلو عفی! تمہارا ذکر بارہا سنا ہے اور تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جتنا سنا تھا وہ تو بہت کم تھا' تم تو میری سوچوں سے بھی بڑھ کر حسین ہو''۔ عارف جس نے ڈرنک کی ہوئی تھی حد درجہ بے باکی سے بولا تھا جبکہ وہ تو اتنے عامیانہ لہجے پر گھبرا کر ماہین کو دیکھنے لگی تھی۔

''عارف! تم عفی کو کمپنی دو میں ابھی آتی ہوں''۔ وہ فوراً وہاں سے پلٹ گئی تھی اور عفی بھی اس کے پیچھے ہی لپکی تھی مگر عارف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''ہنی! تم کہاں چلیں' آؤ ہم ڈانس کرتے ہیں''۔ وہ اس کے وجود پر اپنی سرخ انگارہ آنکھیں جمائے کہہ رہا تھا جبکہ وہ خوف کے حصار میں بندھ سی گئی تھی' وہ اس کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی کہ ایک ویٹر اس سے ٹکرایا تھا اور اس کے ہاتھ میں موجود ڈرنکس کی ٹرے تقریباً پوری اس کی ساڑھی پر الٹ گئی تھی' عارف اس کا ہاتھ چھوڑے ویٹر پر برسنے لگا تھا' ماہین وہیں چلی آئی تھی اور عفیف کو لیے ایک روم میں چلی گئی تھی۔

''تم بے فکر ہو کر کپڑے صاف کر لو میں یہیں ہوں''۔ وہ سر ہلاتی واش روم کی جانب بڑھی تھی جبھی اُسے بُری طرح چکر آیا تھا اور وہ لہرا کر زمین پر آ رہی تھی کہ اسے کسی نے تھام لیا تھا' ماہین نے بے ہوش عفیف پر نگاہ ڈال کر وکٹری کا نشان بنایا تھا اور کافی دیر بعد مسکراتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''آر یو اوکے عفی! میں تو ڈر ہی گئی تھی''۔ وہ اس کے برابر بیٹھی نہایت فکرمندی سے بول رہی تھی' وہ اپنے دُکھتے سر کو دباتی اٹھ بیٹھی تھی۔

''مجھے کیا ہوا تھا ماہی!'' اس نے ماہین کو دیکھا تھا۔

''تمہاری ساڑھی پر ڈرنک گر گئی تھی اور ہم وہی صاف کرنے آئے تھے کہ تمہیں چکر آ گیا' میرے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے' ڈاکٹر کو فون کرنے کا سوچ رہی تھی کہ تمہیں ہوش آ گیا' اب کیسا فیل کر رہی ہو؟'' وہ اثبات میں سر ہلاتی اٹھ گئی تھی۔

''ماہی! مجھے گھر جانا ہے''۔

''ابھی سے کہاں یار! ابھی تو ڈنر بھی نہیں کیا''۔ وہ فوراً بولی تھی۔

''ماہی! میں نے کبھی ایسی پارٹی اٹینڈ نہیں کی' مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے' صرف تمہارے مجبور کرنے پر آ گئی تھی مگر اب مجھے اجازت دو''۔ ماہین نے زیادہ روکنے کی بجائے اسے ڈرائیور کے ذریعے ڈراپ کروا دیا تھا کیونکہ اسے روکنے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا کیونکہ اس کا کام تو ہو گیا تھا۔

..........☆☆☆..........

''بانو! ایک کپ کافی' سر میں شدید درد ہو رہا ہے''۔ وہ لاؤنج سے گزرتے ہوئے ملازمہ سے بولی تھی اور اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور اِدھر اُدھر نگاہ ڈالے بغیر بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے آنکھیں موند لیں تھیں۔ صوفے پر بیٹھے مستقیم شاہ نے اُسے دیکھا تھا وہ سر کو انگلیوں کی مدد سے سہلا رہی تھی' وہ گھڑی پر نگاہ ڈالتا (جو ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی) روم سے نکل گیا تھا' عفیف نے بند ہوتی پلکوں کو بمشکل کھولتے ہوئے کافی کا مگ خالی کیا تھا اور وہ چینج کیے بنا ہی سو گئی تھی' رات کے کسی پہر مستقیم شاہ نے کمرے میں قدم رکھا تھا' وہ گزرے دو چار دنوں سے اسی کمرے میں سو رہا تھا جبکہ اس سے قبل وہ اسٹڈی میں سویا کرتا تھا' کمرے کی لائٹس آن تھیں' تکیہ بیڈ سے اٹھاتے ہوئے سوئی ہوئی عفیف پر نگاہ کی تھی' ساڑھی کا پلو اس کے وجود کی بجائے زمین پر لہرا رہا تھا' اس نے آگے بڑھ کر چادر اسے اوڑھا دی تھی اور لائٹ آف کرتا صوفے پر لیٹ گیا تھا اور اس کی آنکھ معمول کے مطابق فجر کے وقت کھلی تھی' نماز ادا کی تھی اور بوجھل دل و دماغ کے سبب وہ واک پر جانے کی بجائے واپس لیٹ گیا تھا' دوبارہ اس کی آنکھ الارم کی آواز پر کھلی تھی' عفیف نے الارم بند کیا تھا۔ بیڈ سے اترتے ہوئے نگاہ مستقیم کی سرخ آنکھوں سے ٹکرائی تھی اور اگلے ہی پل وہ واش روم میں چلی گئی' جب اس کی واپسی ہوئی تھی مستقیم شاہ بیڈ پر سویا ہوا تھا' وہ بال سلجھاتی نیچے چلی گئی تھی' اس نے ناشتہ کیا تھا اور دوپہر میں پکانے کا بتاتی وہ ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی تھی' مختلف چینلز سے مارننگ شوز آ رہے تھے اُسے اکتاہٹ سی ہو گئی تھی اور وہ گھر جانے کا

ارادہ باندھتی روم میں آ گئی تھی مگر اب تک سوئے مستغیر شاہ کو دیکھ کر اسے کچھ فکر سی ہوئی تھی' اس نے آگے بڑھ کر مستغیر کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بُری طرح جل رہی تھی۔

''اوگاڈ! انہیں تو تیز بخار ہے''۔ اس نے خود کلامی کی تھی اور جیسے ہی ڈاکٹر کو فون کرنے کے ارادے سے آگے بڑھی تھی کہ بجتی ہوئی رنگ ٹون کی جانب متوجہ ہوگئی تھی' صوفے پر پڑے سیل فون کو اٹھایا تھا جس پر ''بابا سائیں کالنگ'' لکھا ہوا آ رہا تھا' اس نے ایک نظر فون پر ڈالتے ہوئے مستغیر کو دیکھا تھا اور لائن کاٹ دی تھی مگر سیل دوبارہ شدومد سے بجنے لگا تھا اور مستغیر کی بھی آنکھ کھل گئی تھی' عفیف اسے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھتے دیکھ کر شرمندہ ہوگئی تھی۔

''آئی ایم سوری' وہ آپ کے بابا کا فون.....'' وہ کہنے لگی تھی مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے سیل مانگا تھا۔

''السلام علیکم بابا سائیں! سب خیریت؟ ٹھیک ہے بابا سائیں میں فوراً نکلتا ہوں' جی جی آپ آرام سے جائیے میں گاؤں پہنچ رہا ہوں''۔ اس نے سیل آف کیا تھا اور فوراً وارڈ روب کی جانب بڑھ گیا تھا' کچھ کپڑے جلدی جلدی بیگ میں ٹھونسے تھے اور سیاہ کاٹن کا شلوار قمیض لے کر واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

عفیف نے بانو سے ناشتہ وہیں منگوالیا تھا جسے دیکھ کر اس نے تھینکس کہنے پر اکتفا کیا تھا مگر ناشتہ کرنے کی بجائے اپنے لیے چائے بنانے لگا تھا۔

''عفیف! میں گاؤں جا رہا ہوں مجھے کچھ دن بھی لگ سکتے ہیں آپ تیار ہو جائیے تو میں آپ کو یزدانی ولا چھوڑ دوں گا اور چاہیں تو بعد میں خود چلی جائیں' جیسے آپ کی مرضی''۔ وہ خالی کپ رکھنے کے بعد مختلف فائلز بیگ میں رکھتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولا تھا اور اس نے خاموشی سے بیگ میں کپڑے' سینڈلز' جیولری اور کاسمیٹکس وغیرہ رکھا تھا' کپڑے تو اس نے صبح ہی نہا کر پہنے تھے' لپ اسٹک لگا رہی تھی کہ وہ اسے جلدی آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا تھا (اپنے اور اس کے بیگ کے ساتھ)

''چھوٹے سائیں! آپ گاؤں جا رہے ہیں تو مجھے بھی ساتھ لے جائیں''۔

''ابھی نہیں بانو! پھر کبھی سہی''۔ وہ اُسے ٹوکتا عجلت میں باہر نکل گیا تھا۔

''بانو! تم اپنا سامان لے آؤ''۔ عفیف نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں بی بی سائیں! چھوٹے سائیں نے منع کر دیا ہے' وہ غصہ ہوں گے''۔ وہ جانا تو چاہتی تھی مگر ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

''تمہیں میں نے کہا نا تو پھر مستغیر کیسے غصہ کریں گے''۔ وہ جلدی سے اپنے کمرے کی جانب دوڑی تھی۔

''مستغیر شاہ! آج آپ کے ضبط کا امتحان ہے' میں بھی دیکھتی ہوں آپ کیا کرتے ہیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔

''میں نے تمہیں منع کر دیا تھا تو پھر؟''

''بانو کو میں نے اجازت دی ہے''۔ وہ اسے حیرانگی سے دیکھنے لگا تھا اور وہ کچھ کہتا کہ عفیف نے بانو کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور خود کھلے بیک ڈور سے اندر بیٹھ گئی تھی اور وہ بھی لب بھینچے پچھلی سیٹ پر براجمان ہوگیا تھا' پورے راستے وہ سیل پر بات کرتے ہوئے گیا تھا اور بات پنجابی میں کر رہا تھا اس لیے ایک لفظ بھی عفیف کے پلے نہیں پڑا تھا۔

''آپ کھڑے کھڑے ہی دادو سے مل کر واپس آ جائیے گا اس طرح دروازے سے لوٹیں گے تو دادو کو بُرا

لگے گا"۔ اسے اترتے نہ دیکھ کر وہ بولی تھی' اس کے پاس وقت نہیں تھا پھر بھی بانو کو اس کا سامان لانے کا کہتا وہ اس کے ساتھ ہی چل پڑا تھا۔

"آپ چلیں' میں اپنا پرس لے آتی ہوں' گاڑی میں ہی بھول آئی ہوں"۔ وہ فوراً پلٹی تھی' جان کر چھوڑے پرس کو اٹھایا تھا اور بانو کو سامان نہ لانے کا کہہ کر جلدی سے پلٹ آئی تھی۔

"السلام علیکم دادو!" اس نے زرینہ یزدانی کو سلام کیا تھا اور وہ اسے اپنے سامنے اچانک دیکھ کر خوش ہو گئی تھیں۔

"اس وقت اجازت دیں جلدی میں ہوں' گاؤں جا رہا ہوں' بابا سائیں نے ارجنٹ بلایا ہے' میں تو بس عفیف کو......"

"جی دادو! اس وقت ٹائم بالکل نہیں ہے آپ سے ملے بغیر جانے کو دل نہیں کیا تو کھڑے کھڑے ملنے آ گئے"۔ عفیف اس کی بات کاٹ کر بولی تھی اور وہ قدرے حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا تھا جو جانے کیا کہہ رہی تھی۔

"اس کا مطلب تم بھی نیر بھائی کے ساتھ گاؤں جا رہی ہو؟" مقیتہ خوش ہو کر بولی تھی اور اس کا اثبات میں ہلتا سر مستنیر کو از حد پریشان کر گیا تھا۔

"عفی! یہ آپ......" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ ایک بار پھر ٹوک گئی تھی۔

"اچھا دادو! اب اجازت دیں راستے میں بھی ٹائم لگے گا جبکہ مستنیر کے بابا نے جلد سے جلد پہنچنے کو کہا ہے"۔ وہ اسے دانستہ نہ دیکھتے ہوئے دادی سے بولی تھی۔

"عفی! مستنیر کے بابا اب تمہارے بھی بابا ہیں' وہاں جا رہی ہو تو سب سے بہت عزت اور پیار سے پیش آنا' کوئی بچکانہ حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے' یہی وقت ہے جو تم اپنے سسرالیوں کے دل میں جگہ بنا سکتی ہو"۔ زرینہ یزدانی نے اسے فوراً ٹوکتے ہوئے سمجھایا تھا اور مقیتہ کو وہ تمام گفٹس لانے کو کہا تھا جو انہوں نے اس کے گھر سے آنے کے بعد عفیف کے گاؤں جانے کے خیال سے اس کے سسرالیوں کے لیے خریدے تھے۔

"عفی! زوہیب سے فون پر بات کر لو' ان سے ملے بغیر جا رہی ہو' جانے کتنے دن بعد لوٹو گی"۔ مقیتہ نے مختلف بیگز اسے پکڑاتے ہوئے کہا تھا اور وہ ان کی دعاؤں کے حصار میں یزدانی ولا سے نکلی تھی مگر اس کی آنکھیں بار بار نم ہوئی جا رہی تھیں۔

"اپنا خیال رکھنا عفی! اور کسی کو بھی شکایت کا موقع نہیں دینا"۔ انہوں نے پوتی کو پیار سے نم پلکوں کے ساتھ سمجھایا تھا۔

"بیٹا! عفی کا بہت خیال رکھنا' اگر یہ جانے انجانے میں تمہارے پیرنٹس کے ساتھ بدتمیزی کر جائے تو اسے فوراً اس کی غلطی کا احساس دلا دینا مگر اسے اکیلا مت چھوڑنا"۔ اب انہوں نے مستنیر سے کہا تھا اور وہ محض اثبات میں سر ہلاتا گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

"پوچھ سکتا ہوں عفیف! یہ سب کیا ہے؟" وہ آگے بیٹھی بانو اور ڈرائیور کا خیال کرتے ہوئے نہایت مدھم مگر تلخ لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔

"آپ مجھے گاؤں لے جانا چاہتے تھے میں نے انکار کر دیا تھا اس لیے سوچا کہ آپ تو اب کہیں گے نہیں اس لیے میں خود ہی سارا پروگرام سیٹ کر لیتی ہوں"۔ وہ اتنے آرام سے بولی تھی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"شٹ اپ عفیف! آپ کی فضول حرکتیں دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہیں' میں آپ کو گاؤں بھی لے جانا

چاہتا ہی نہیں تھا' اس دن صرف آپ کی دادو کا خیال کر کے جھوٹ بولا تھا"۔ وہ اندرونی اشتعال کو دباتا اب انگلش میں اس سے بات کر رہا تھا۔

"آپ نہیں لے جانا چاہتے تو ٹھیک ہے مجھے واپس دادو کے گھر چھوڑ دیں لیکن...... آگے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے' دادو اور چاچو کے سامنے بنا آپ کا اچھے داماد کا امیج کرچی کرچی ہو جائے گا اور مجھے آپ سے چھٹکارا"۔ وہ اسے کافی چیلنجنگ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"عفیف! آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا' میں نے اپنا امیج ظاہری کوشش سے نہیں بنایا' میرا ظاہر و باطن ایک جیسا ہے مگر آپ کی ایک غلط فہمی دور کر دوں کہ صرف وہی نہیں ہوگا جو آپ چاہتی ہیں کیونکہ میں نہ آپ کو گاؤں لے جا رہا ہوں نہ ہی آپ کو یزدانی ولا چھوڑ رہا ہوں بلکہ......" عفیف کے چونکنے پر وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے آپ سے ایسی ہی اُمید تھی اس لیے تو میں بانو کو ساتھ لائی ہوں' اسے میں نے بتا دیا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ گاؤں جا رہی ہوں' اب آپ یہاں سے پلٹتے ہیں یا کہیں اور جاتے ہیں تو آپ کا سو کالڈ ظاہری و باطنی یکساں امیج ضرور اونچ نیچ کا شکار ہو جائے گا اور میں یہ تو بتانا بھول ہی گئی کہ میں نے آپ کے سیل سے حویلی کا نمبر نوٹ کر کے چاچی کو آتے ہوئے دے دیا ہے اور جب آپ نہ مجھے "یزدانی ولا" چھوڑیں گے اور نہ ہی حویلی لے کر جائیں گے تو کیا ہوگا...... جب چاچی خیریت سے پہنچ جانے کا جاننے کے لیے حویلی فون کریں گی تو وہاں میرے نہ پہنچنے کی اطلاع آپ کے امیج......" اس نے جان کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور وہ اسے بری طرح گھورنے لگا تھا' جس چہرے پر اب تک اس نے معصومیت اور بھولپن دیکھا تھا آج وہی چہرہ نفرت اور شیطانی چالوں کو بننے کا مرکز لگا تھا' اس نے عفیف کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا کہا تھا۔

"شاید آج آپ کو پتہ چلا ہو کہ بے بسی کسے کہتے ہیں؟" وہ طنز کرنے سے باز نہیں آئی تھی جبکہ وہ تلخی سے مسکرا دیا تھا۔

"عفیف! ابھی آپ نے صرف یہ پانچ حرفی لفظ بے بسی سنا ہی سنا ہے اور اپنی یہ غلط فہمی دور کر لیں کہ مرد کبھی بے بس ہوتا ہے' آپ کو لگتا ہے کہ میں بے بس ہو گیا ہوں' آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ابھی یہ لفظ مجھ سے کوسوں دور کے فاصلے پر ہے' آپ سے اب تک جو میں نے نرمی برتی یا اس وقت خاموشی اختیار کر لی ہے تو اس کے پیچھے بے بسی کا عمل دخل نہیں ہے جو جذبہ اور احساس اس سب کے پیچھے کار فرما ہے وہاں تک آپ کی سوچ کی پرواز جا ہی نہیں سکتی کیونکہ آپ کا تعلق اُن لوگوں میں سے ہے جو آنکھیں بند کر کے دنیا کو دیکھتے ہیں اور یہ سب ایک فرضی دنیا ہوتی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور جب آپ کی آنکھیں کھلتی ہیں تو وقت ہاتھوں سے پھسل گیا ہوتا ہے اور روشنی پہلی سی نہیں رہتی"۔ وہ اسے دیکھے بنا نہایت کرب سے کہہ رہا تھا اور وہ حق دق بیٹھی اسے دیکھے اور سنے جا رہی تھی۔

"اور آپ کو جو میری بے بسی لگتی ہے وہ میری نہیں آپ کی بے بسی کی ابتداء ہے مگر یہ میں آپ کو سمجھانا بھی چاہوں تو نہیں سمجھا سکتا"۔ وہ مدھم لہجے میں کہتا آنکھیں موند کر بیٹھ گیا تھا' اس کا سر اب بری طرح چکرا تھا اس لیے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

☆☆☆

''اوہ شٹ.....'' وہ پرس میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے جھلا کر بولی تھی۔
''واٹ ہیپن؟'' آنکھیں کھول کر اُسے دیکھا تھا۔

''میں اپنا سیل فون گھر ہی پر بھول آئی ہوں''۔ اس کے بولتے ساتھ ہی مستنیر شاہ نے اپنا سیل اس کی جانب بڑھا دیا تھا جسے لینے سے اس نے انکار کر دیا تھا۔
''خدا بخش گاڑی روکو''۔ گاڑی فوراً رُکی تھی اور مستنیر شاہ کے اشارے پر وہ خاموشی سے گاڑی سے اُتر گیا تھا۔
''بانو! تم حویلی جانے کے بجائے سیدھی گھر جاؤ گی اور تم تنہا نہیں ہو گی' بی بی سائیں بھی تمہارے ساتھ جائیں گی''۔ وہ گاؤں سے کچھ دور فاصلے پر گاڑی رُکوا کر بانو سے بولا تھا۔
''یہ آپ.....'' عفیف نے بولنا چاہا تھا مگر وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے روک گیا تھا۔
''بانو! تم بی بی سائیں کو جب تک اپنے گھر میں رکھو گی جب تک میں تم سے کوئی رابطہ نہیں کرتا اور یہ بات کسی کو پتہ نہیں چلنی چاہیئے''۔ اس نے براہ راست بانو سے کہا تھا۔
''چھوٹے سائیں! میں اپنی معمولی سی کوٹھری میں بی بی سائیں......''
''تم وہی کرو جو میں نے کہا ہے' ڈرنے کی ضرورت بالکل نہیں ہے' میں احسان کا بدلہ چکانے میں دیر نہیں کرتا' بالفرض بابا سائیں کو پتہ بھی چل گیا تو تمہاری اور تمہارے گھر والوں کی حفاظت میرے ذمہ ہے''۔ اس نے اٹل لہجے

میں اُسے کہا تھا اور وہ بے چاری کیا کہتی خاموشی سے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔
''میں کسی ملازمہ کے گھر جا کر نہیں رہوں گی' آپ حویلی نہیں لے جا سکتے تو مجھے واپس......'' اس نے خدا بخش کو اشارہ کیا تھا۔
''عفیف! مجھے یہاں بابا سائیں نے کام کے سلسلے میں بلایا ہے' کسی زمین کا چکر ہے' بابا سائیں پہلے ہی زمین کو لے کر غصے میں ہیں' میں آپ کو ایک دم اُن کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دوں گا تو وہ کبھی بھی آپ کو ایکسیپٹ نہیں کریں گے' وہ پہلے ہی میرے شادی کرنے پر مجھ سے ناراض ہیں''۔
''یہ بات آپ کو شادی سے پہلے سوچنی چاہیے تھی اور یہی بات تھی تو مجھے آپ یہاں لائے کیوں؟''
''ہر وقت کی بحث اچھی نہیں ہوتی عفیف! صرف ایک سے دو دنوں کی بات ہے' میں زمین کا مسئلہ سلجھا کر بابا سائیں سے بات کرتا ہوں اور پلیز یہاں کوئی تماشا کھڑا نہ کریں''۔ وہ درشتی سے بولا اور جبھی گاڑی ایک جھٹکے سے بانو کے مٹی کے بوسیدہ سے گھر کے سامنے رُکی تھی' مستنیر شاہ نے اسے جانے کو کہا تھا مگر وہ صاف انکاری ہو گئی تھی' اس کی ایک ہی ضد تھی ''حویلی یا گھر''۔
''عفیف! آپ دو منٹ میں بانو کے ساتھ نہیں گئیں تو میں غصے میں وہ کر بیٹھوں گا جس کا آپ نے تصور بھی نہیں کیا ہو گا' اور یہاں ویسے بھی آپ میرے رحم و کرم پر ہیں' وہ آپ کی دالی بات شہر میں آپ کے ساتھ کچھ غلط کرتا تو میرا امیج خراب ہوتا مگر یہاں مجھے آپ کے چاچو اور دادو کا ڈر بالکل نہیں ہے اور آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ وہی کریں جو میں چاہتا ہوں''۔ اس نے نہایت غصے سے اس کا بازو دبوچا تھا اور اس کی آنکھوں میں اترتی نمی اور خوف کے سائے اسے پشیمان کر گئے تھے اور اس نے لمحے میں اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔
''مجھے آپ سے اچھے کی امید کبھی بھی نہیں تھی' میں تو خود چاہتی تھی کہ آپ اپنا خود ساختہ اچھائی کا خول خود سے اتار پھینکیں''۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔
''پلیز عفیف! سمجھنے کی کوشش کرو''۔ وہ کمزور پڑنے لگا تھا اور وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی گاڑی سے اُتر گئی تھی۔
''خدا بخش! یہ راز راز ہی رہنا چاہیے اور اب ساتھ والے گاؤں چلو''۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا اور واصف کا نمبر ملانے لگا تھا' اسے کچھ ہدایات دی تھیں اور سیل آف کر دیا تھا۔
''السلام علیکم بابا سائیں!'' اس نے باپ کو ادب سے سلام کیا تھا اور وہ محض سر ہلاتے پنچائیت کی جانب بڑھ گئے تھے' ایک جانب اصغر شاہ' ان کے بھائی' بھتیجے اور مستنیر شاہ بیٹھا ہوا تھا اور بائیں جانب ملکوں کے مرد حضرات بیٹھے تھے۔
''خان جی' پنچائیت میں مسئلہ رکھنے سے پہلے میں مستنیر شاہ سے بات کرنا چاہتا ہوں''۔ وہ اس طرح کی کسی بھی پنچائیت میں پہلی بار آیا تھا اور اس کا ذہن اب تک عفیف میں ہی الجھا ہوا تھا اس لیے اس نے ڈھنگ سے دیکھا بھی نہ تھا کہ سامنے کون کون بیٹھا ہے' آواز پر اس نے جھکا سر اٹھا کر دیکھا تھا' سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔
''ہم بات کرنا نہیں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں''۔ اصغر شاہ دبنگ لہجے میں بولے تھے' مستنیر شاہ نے ایک نظر باپ کے سخت گیر چہرے پر ڈالنے کے بعد اپنے عین سامنے چارپائی پر بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔
''خان جی! میں بات کرنے کو تیار ہوں''۔ وہ کہتے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا اور اصغر شاہ نے محض اسے گھورنے پر اکتفا کیا تھا کیونکہ وہ اس وقت بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے جبکہ مستنیر شاہ کو کھڑے دیکھ کر عالم ملک بھی کھڑا ہو گیا تھا

اور وہ دونوں ان سب لوگوں سے کچھ دور فاصلے پر جا کھڑے ہوئے تھے۔

''مستنیر! یہاں آپ کو اصغر شاہ کے بیٹے کے روپ میں موجود دیکھ کر مجھے کافی حیرت ہوئی''۔

''میں بھی تمہیں یہاں ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا'' ۔ وہ اس کی بات قطع کر کے بولا تھا۔

''مستنیر! یہاں جو مسئلہ درپیش ہے اس سے آپ ناواقف نہ ہوں گے اور زمین کے مالک آپ ہو اس لیے مجھے ایک امید کی کرن دکھائی دی ہے' یہاں آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں یہ سب نہ کہتا مگر جس طرح کی آپ نے یونیورسٹی لائف گزاری ہے، وہ میں جانتا ہوں اور اسے مدنظر رکھ کر ہی مجھ میں یہ حوصلہ آیا کہ میں آپ سے ریکوئسٹ کروں کہ آپ یہ زمین ہمیں دیں'' ۔ عالم ملک نے تمہید باندھنے کے بعد اصل بات بالآخر کہہ دی تھی۔

''عالم! یہاں گاؤں میں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں مجھے اس سے کبھی سروکار رہا ہی نہیں اور جس زمین کی تم بات کر رہے ہو مجھے آج پتہ چلا ہے کہ اس زمین کا مالک میں ہوں' مگر اتنا تو میں کم از کم یہاں کے اصولوں سے واقف ہوں کہ میرے بابا سائیں وہ زمین کبھی بھی تم لوگوں کو نہیں دیں گے' میرے نام ہونے سے تو کچھ نہیں ہوتا کیونکہ میں اپنے گھر والوں کے خلاف جا کر تو بے سوچے سمجھے فیصلہ نہیں کر سکتا'' ۔ اس نے صاف گوئی سے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

''آپ نے ٹھیک کہا کہ یہ زمین ہمیں نہیں مل سکتی مگر ہم قبضہ کرنا کب چاہتے ہیں' ہم نے ایک اسکول کی تعمیر شروع کی اور آپ کی زمین کا آدھا گز حصہ ہم اپنی زمینوں میں شامل کر کے اس اسکول......''

''میں زمین دینے کو تیار ہوں'' ۔ وہ اسے حیران کر گیا تھا۔

''عالم! جو کام کرنے کی میری برسوں کی تمنا ہے وہ کام تم کرنے جا رہے ہو تو میں اتنی سی زمین کے ذریعے حصہ ضرور ڈالوں گا'' ۔ وہ اس کا جواب سنے بغیر پلٹ گیا تھا اور عالم بھی مطمئن سا آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا' عالم اس سے ایک سال جونیئر تھا' وہ اکثر مستنیر سے مدد لینے آیا کرتا تھا' ان کا ساتھ 4 سالوں پر مبنی تھا' وہ مستنیر کے یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد بھی جب بھی اسے مدد کے لیے بلاتا وہ ضرور عالم کی مدد کرتا تھا مگر مستنیر کی ریزرو طبیعت کی وجہ سے وہ پڑھائی کے علاوہ دوسری کوئی بات نہیں کر پاتا تھا اور یہی وجہ تھی جو وہ ایک دوسرے کے بارے میں بالکل ہی لاعلم تھے۔

''خان جی! ہم دوسری بات تو سننا ہی نہیں چاہتے' ہماری زمین پر ملکوں نے زبردستی عمارت تعمیر کرنا شروع کر دی ہے اور یہ بات ہمیں بالکل پسند نہیں آئی' یہ ہماری زمین خالی کر دیں'' ۔ اصغر شاہ نے فیصلہ سنایا تھا۔

''خان جی! ایسا ہم نے جان کر نہیں کیا' جب زمین پر کام شروع ہو گیا تو پتہ چلا اور اب خان جی' اصغر شاہ کی زمین پر کام رکوانے کا مقصد ہے پورے اسکول کی عمارت کو ڈھا دینا اور ایسا ہم بالکل نہیں چاہتے' ہم نے تو عاجزی سے اصغر شاہ کے سامنے اپنا مسئلہ رکھتے ہوئے زمین کو فروخت کرنے کی بات کی تھی اور اب بھی ہم صرف زمین خریدنا......'' عالم ملک کے دادا احسان ملک بڑی نرمی سے بول رہے تھے مگر اصغر شاہ بیچ ہی میں غصے سے بولنے لگے تھے۔

''لیکن خان جی! میں اپنے پرکھوں کی زمین نہیں بیچنا چاہتا اور یہ احسان ملک آج تو بڑی نرمی اور عاجزی کی باتیں کر رہا ہے' یہی حرکت ہم نے کی ہوتی تو یہ مرنے مارنے پر تل گیا ہوتا'' ۔ وہ غصے سے کھڑے ہو گئے تھے۔

''بیٹھ جاؤ اصغر شاہ! ہم نے دونوں جانب کا موقف سن لیا ہے مگر آخری فیصلہ مستنیر شاہ کا ہو گا کیونکہ زمین اسی کے نام ہے اور مستنیر شاہ کے انکار کے بعد احسان ملک تمہیں ایک دن کے اندر اندر زمین خالی کرنی ہو گی اور اگر مستنیر شاہ زمین فروخت کرنے پر راضی ہوا تو اس کی قیمت بھی اسی کی منہ مانگی ہو گی اور تم اصغر شاہ تمہیں اپنے پتر سے کوئی

بات کرنی ہے تو ابھی کرلو اس کے اقرار کے بعد تمہارے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے گی"۔ خان جی نے دونوں جانب کے لوگوں کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے پرسکون رہنے کو کہا تھا۔

"خان جی! میرا پتر وہی فیصلہ کرے گا جو میرا فیصلہ ہے"۔ اصغر شاہ نے فخر سے بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اور مستغیر شاہ کشمکش میں پڑ گیا تھا' اس کا باپ کتنے دن سے اس سے ناراض تھا اور آج اس نے مشکل گھڑی کے وقت کیسے فخر سے کہا تھا کہ اس کے بیٹے کا فیصلہ اُن سے مختلف نہ ہوگا' اس نے باپ کے فخر سے تمتماتے چہرے سے نگاہ ہٹا کر سامنے دیکھا تھا وہاں موجود تقریباً سب لوگ اسے بڑی اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے' اب کے اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا دور سے ہی بلند و بالا عمارت نظر آ رہی تھی۔

"میں انکار کرتا ہوں تو یہ عمارت اپنی قامت کھو دے گی اور کتنے ہی لوگ ایک بار پھر تعلیم سے محروم رہ جائیں گے اور میں اقرار کرتا ہوں تو بابا سائیں اور میرے مابین خلیج ایک بار پھر حائل ہو جائے گی"۔ وہ باری باری سب کو دیکھنے کے بعد خود سے بولا تھا۔

"لیکن رب سائیں نے زندگی دی تو میں بابا سائیں کو راضی کرلوں گا لیکن یہ خواب آج شرمندۂ تعبیر پانے سے محروم رہ گیا تو جانے اس خواب کی تعبیر میں کتنے ہی برس لگ جائیں' میں علم کی اس شمع کو بجھنے نہیں دوں گا"۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر اپنے باپ کے خلاف جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"خان جی! میں اپنے بابا سائیں کے خلاف نہیں جانا چاہتا مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اسکول کی تعمیر رُک جائے' اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنی زمین ملکوں کے نام کردوں گا"۔

"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے پتر! جانتا بھی ہے کیا؟"

"آرام سے بیٹھ جاؤ اصغر شاہ! کیونکہ زمین کے مالک تم نہیں تمہارا پتر ہے اور اسی کا فیصلہ حتمی ہوگا"۔ وہ بھڑک کر اٹھے تھے مگر پنچائیت کے سربراہ خان جی نے انہیں بیٹھ جانے کو کہا تھا۔

"ملکوں کو بھی اپنی زمین ہمیں دینی ہوگی' ویسے بھی زمین کی عزت یہاں انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے' یہاں انسان تو صبح و شام بک جاتے ہیں مگر زمینیں نہیں بکا کرتیں اور میرے پُرکھوں کی زمین میرے یہ عزیز کبھی بھی بیچنا نہیں چاہیں گے اسی لیے میں نے یہ حل نکالا ہے کہ زمین کے بدلے زمین ہی دے دی جائے"۔ وہ اب خاموش ہو گیا تھا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے ہم زمین کے بدلے زمین دینے کو تیار ہیں"۔ احسان ملک اس کے خاموش ہوتے ہی بولے تھے اور اصغر شاہ تن فن کرتے وہاں سے نکلے تھے اور انہی کے پیچھے بھائی اور بھتیجے بھی چلے گئے تھے' ایک وہی تنہا رہ گیا۔

"مستنیر شاہ! تم جو زمین چاہو اپنے نام کروا سکتے ہو"۔

"دولت یا زمین کی چاہ نہیں ہے' یہ بات میں نے صرف بابا سائیں کے ردعمل کو خطرناک بنانے سے روکنے کی غرض سے کی تھی' میری کوئی بات ماننا ہی چاہتے ہیں تو ہمارے گاؤں کے بچوں کو اپنے اسکول میں آکر پڑھنے کی مکمل آزادی اور اجازت دے دیجیے' اور جہاں تک بات زمین کی ہے آپ جو چاہیں وہ زمین میرے بابا سائیں کے نام کر دیں"۔ وہ اپنی بات کہہ کر رُکا نہیں تھا۔

"شکریہ کی ضرورت نہیں ہے عالم! میں نے وہی کیا جو مجھے مناسب لگا' کسی کے دباؤ میں آکر فیصلہ کرنا میری سرشت میں نہیں ہے"۔ اس نے کہتے ہوئے پجیرو کا دروازہ کھولا تھا اور بیٹھنے کو تھا کہ اس کی نگاہ غصے میں آتے باپ پر پڑی تھی۔

''اصغر شاہ! یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو' پنچائیت کے فیصلے کے خلاف......''
''خان جی! میں پنچائیت کے فیصلے کو مانتا ہی نہیں ہوں''۔ اصغر شاہ نے کہتے ہوئے احسان ملک کا نشانہ لیا تھا مگر شالم (عالم کا بڑا بھائی) داوا کے سامنے آ گیا تھا' باقی سب لوگ جو گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے گولی کی آواز پر باہر آئے تھے' شالم کو زمین پر تڑپتے دیکھ کر وہ سب اس کی جانب دوڑے تھے' قربان ملک (عالم کے والد) نے شلوار میں اُڑسی ہوئی پسٹل نکال کر اصغر شاہ کا نشانہ لیا تھا مگر وہ جھک گئے تھے اور لمحوں میں وہاں سے فرار ہو گئے تھے۔
''نہیں بابا جان! آپ مستنیر پر گولی نہیں چلائیں گے''۔ عالم اس کے سامنے ڈھال بنا کھڑا تھا مگر وہ بہت غصے میں تھے لیکن احسان ملک نے آگے بڑھ کر پستول بیٹے کے ہاتھ سے چھین لی تھی' عالم بھائی پر جھکا تھا مگر شالم دنیا سے ناتا توڑ گیا تھا۔

............☆☆☆............

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے فیصلے کے خلاف جانے کی؟ بابا سائیں نے وہ زمین اس لیے تو تمہارے نام نہ کی تھی کہ تم اسے کسی کو بھی دیتے پھرو''۔ وہ بیٹے کو بُری طرح گھور رہے تھے۔
''وہ زمین کسی کی جان سے زیادہ قیمتی نہیں تھی بابا سائیں! اور آپ کے فیصلے کے خلاف تو میں گیا تھا جان لینی تھی تو میری لیتے' اس بے گناہ انسان کی جان کیوں لے لی''۔ وہ بولا بھی تھا تو کیا۔
''بڑے بابا سائیں! اسے تو ہمارے پرکھوں کی روایات کا پاس کبھی رہا نہیں' کیسے لمحوں میں وہ زمین ہمارے دشمنوں کو سونپ دی اور بڑے بابا سائیں' یہ شہر سے اکیلا نہیں آیا' یہ شہر سے کڑی بھی لایا ہے اور جو ہو نہ ہو اس کی شہری بیوی ہے جسے اس نے وہ نمک حرام بانو کے گھر چھپایا ہوا ہے''۔ مظفر شاہ سخت غصے میں انہیں بتا رہا تھا۔
''ادا سائیں! مجھے اپنی بیوی کو چھپانے کی......''
''چھپانا نہیں چاہتے تھے تو حویلی لانے کی بجائے اسے بانو کے گھر کیوں بھیج دیا؟'' مظفر شاہ تلخ ہوا تھا' بات کہاں سے کہاں نکل گئی تھی' اصغر شاہ نے اطہر شاہ کو اشارہ کیا تھا اور وہ فوراً باہر نکل گیا تھا۔
''بابا سائیں! آپ ناراض تھے' میں نے سوچا کہ زمین کا معاملہ نبٹ جائے تو آپ سے بات کرتا ہوں''۔
''مجھ سے تجھے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' تو نے ہر موڑ پر میرے سر کو نیچا کیا ہے' بھروسہ کر کے تجھے شہر بھیجا اور تو نے شادی رچالی' آج کتنے بھروسے دیقین کے ساتھ تجھے بلایا اور تو نے بھری پنچائیت میں میری ناک کاٹ دی اور جب میں نے منع کر دیا تھا کہ تو اس شہری لڑکی کو یہاں نہیں لائے گا تو تو کیا سوچ کر اسے یہاں لایا......
اونہہ تو یہ ہے وہ فساد کی جڑ جس نے تجھے باپ سے بغاوت پر اُبھارا''۔ باپ کے یکدم بات پلٹ دینے پر اس نے مڑ کر دیکھا تھا' اطہر شاہ تقریباً گھسیٹتا ہوا عفیف کو لیے دہیں آ رہا تھا۔
''ادا اطہر! یہ بیوی ہے میری اس طرح......'' وہ آگے بڑھا تھا مگر اصغر شاہ رکاوٹ بن کر اس کے درمیان کھڑے ہو گئے تھے جبکہ عفیف بُری طرح روتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کرتی اس سے مدد مانگ رہی تھی۔
''مستنیر پلیز! ہیلپ می''۔ وہ بڑی اُمید سے مستنیر کو دیکھ رہی تھی۔
''بابا سائیں! یہ بات کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے' ادا اطہر سے کہیں وہ میری بیوی کا ہاتھ چھوڑ دیں''۔
''یہی ہے ناں وہ جس نے تمہیں ہم سے بغاوت پر مجبور کیا''۔ انہوں نے عفیف کو بازو سے پکڑ کر جھٹکے سے اس کے سامنے کیا تھا جبکہ اس کی چیخیں بلند ہو گئی تھیں' زنان خانے سے عورتیں بھی مردان خانے میں چلی آئی تھیں۔
''میں نے اس لڑکی کو حویلی لانے سے منع کیا تھا مگر تو میری ضد اور مخالفت پر ڈٹا ہے' میں نے پہلے تو اس کی جان

بخش دی تھی مگر اب نہیں' اس کی زندگی کے ساتھ ہی تیری ساری ضد اور مخالفت ختم ہوگی''۔ اصغر شاہ نے جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر اسے مستنیر شاہ کے قدموں کی جانب دھکیل دیا تھا اور خود دیوار پر لگی اپنے بابا کی گن اٹھا لائے تھے مستنیر شاہ نے جھک کر عفیف کو اپنے مقابل کھڑا کیا تھا' وہ خوف سے پیلی پڑتی آنے والے وقت کا سوچ کر آنکھیں بند کر گئی تھی' سکینہ شاہ بچاؤ کے لیے آگے بڑھی تھیں مگر انہیں پرے دھکیل کر اصغر شاہ نے ٹریگر پر انگلی رکھی تھی' نشانہ عفیف تھی' مستنیر شاہ نے باپ کی انگلی ٹریگر پر جمے دیکھی تو اسے بازو سے تھام کر یکدم سائیڈ میں کیا تھا اور اصغر شاہ کی بندوق سے نکلی گولی مستنیر شاہ کے سینے کے پار ہوگئی تھی اور حویلی میں کہرام سا بپا ہوگیا تھا' بندوق اُن کے ہاتھ سے چھوٹی تھی' عفیف اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے خون میں لت پت ہوتے دیکھ رہی تھی۔

''رُک کیوں گئے بابا سائیں! ابھی میرے سینے میں سانس باقی ہے اور میں اس لڑکی کی زندگی پر سایہ کیے ہوئے ہوں' اس لڑکی کی زندگی چھیننے کے لیے اپنے بیٹے سے آخری سانس کا حق چھین لیں تاکہ آپ کی ضد اور اَنا......'' وہ اس کا ہاتھ تھامے زمین بوس ہوا تھا اور ساتھ ہی وہ بھی بیٹھتی چلی گئی تھی' سکینہ شاہ' مقدس اور سندس روتے ہوئے اس پر جھکی جا رہی تھیں۔

''پتر! آنکھیں کھول' اپنی ماں سے بات کر' اسے اسپتال لے چلو سائیں' اوا کچھ تو کرو میرا پتر......'' سکینہ شاہ کی چیخوں پر جیسے انہیں ہوش سا آیا تھا' ظفر شاہ اور مظفر شاہ آگے بڑھ کر اسے اٹھانے لگے تھے' عفیف کے ہاتھ پر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی' سندس نے عفیف کو بائیں بازو سے پکڑ کر کھینچا تھا اور وہ اسے لے گئے تھے' عفیف بھی جانے کو مڑی تھی مگر لمحوں میں وہ بے ہوش ہو کر لہرا کر زمین پر گری تھی مگر اس کی جانب بڑھنے یا دیکھنے کی کسی نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

............☆☆☆............

''آپ لوگوں نے بہت دیر کردی ہے' مریض کا خون بہت بہہ چکا ہے' بچ جانا ناممکنات میں ہے پھر بھی آپ دعا کریں اور او نیگیٹو بلڈ گروپ کا انتظام کرلیں''۔ ڈاکٹر کے کہنے پر اصغر شاہ اس کے ہمراہ چلے گئے تھے مگر ان کا بلڈ گروپ بی پازیٹو تھا۔

''اطہر! تو جا کر مستنیر کے گھر سے ملکانی کو لے آ یقیناً اس کا خون اور مستنیر کا خون ایک ہی ہوگا''۔ اطہر خاموشی سے باہر نکل گیا تھا اور کچھ ہی دیر میں سکینہ شاہ کے ساتھ لوٹا تھا' ان کا بلڈ گروپ او نیگیٹو ہی تھا۔ مظفر شاہ تو انہیں لانا نہیں چاہتے تھے مگر وہ زبردستی گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں اور انہیں اسپتال کے بجائے مستنیر کے بنگلہ پر چھوڑ دیا تھا مگر ان کا آنا فائدہ مند ہی ثابت ہوا تھا۔

''تم لوگوں کو کا ہے کی آفت پڑی ہے' جیسے ہی کوئی اطلاع ملتی ہے میں خود فون کردوں گا' ڈاکٹر ابھی مطمئن نہیں ہیں' کہتے ہیں مستنیر کا خون بہت بہہ گیا ہے''۔ فون کی جانب موجود سندس کے رونے پر اس نے بتایا تھا اور فون رکھ دیا تھا' وہاں سے نکلتا واصف نام سن کر چونک گیا تھا اور کسی سے کچھ پوچھے بغیر سیدھا آئی سی یو کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور بستر پر ساکت لیٹے وجود نے اسے لمحہ بھر کو ساکت کردیا تھا اور وہ کچھ فاصلے پر کھڑے شخص کے سامنے آ رُکا تھا۔

''مجھے واصف کہتے ہیں' مستنیر کا دوست ہوں' مستنیر کو کیا ہوا ہے؟'' مظفر شاہ نے ایک نگاہ اُس پر ڈالی تھی۔

''گولی لگی ہے''۔ وہ شخص اتنا ہی بولے تھے باقی تفصیل بتائے جانے کے لائق نہ تھی اور جبھی آئی سی یو کا دروازہ کھول کر ڈاکٹر باہر آیا تھا اور وہ سب انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''ڈاکٹر خرم! اب کیسا ہے میرا دوست' وہ ٹھیک......''

''ڈاکٹر واصف! کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا' خون بہت بہہ چکا ہے صرف دعائیں اسے زندگی دے سکتی ہیں اور......''

''اور کیا ڈاکٹر خرم!'' وہ فوراً بولا تھا۔

''وہ بار بار کسی کو پکار رہے ہیں' آپ جتنی جلدی ہو سکے وہ کیا نام تھا ہاں عفیف...... جس کا بھی عفیف نام ہے اسے بلا لیں' ہو سکتا ہے وہ موت کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں ورنہ بچنے کے 10 پرسنٹ بھی چانسز نہیں ہیں''۔ وہ واصف کے شانے پر دباؤ ڈالتے آگے بڑھ گئے تھے۔

''آپ لوگ چپ کیوں ہیں بتاتے کیوں نہیں کہ عفیف کہاں ہے؟'' وہ قدرے پریشانی سے اُن سب کو دیکھ رہا تھا اور جو مظفر شاہ نے بتایا تھا وہ لمحہ بھر کو اس کی سدھ بدھ ہی چھین لے گیا تھا۔

''کیا' گاؤں میں...... جب آپ لوگ مستنیر کو لائے تو عفیف کو وہیں چھوڑ کر کیوں آ گئے؟'' وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔

''مظفر پتر! حویلی فون کر کے اطہر پتر سے کہہ دے وہ اُس کڑی کو لے آئے گا' میں اپنا اِکو اِک پتر کھونا نہیں چاہتی''۔ سکینہ شاہ روتی ہوئی آگے بڑھی تھیں اور اس نے مجبوراً فون کر دیا تھا۔

''کون سا وہ دو منٹ میں پہنچ جائے گی' جب تک وہ آئے گی یہ اس دنیا سے اٹھ چکا ہوگا''۔ مظفر شاہ نے دل ہی دل میں کمینگی سے سوچا تھا اور ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔

..........☆☆☆..........

واصف نے فون کر کے زوہیب یزدانی کو بتا دیا تھا اور اب وہ سب بے چینی سے عفیف کا انتظار کر رہے تھے اور اندر ڈاکٹرز اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔

''عفیف......!'' کئی گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد زوہیب یزدانی کی نگاہ عفیف پر پڑی تھی اور وہ اُن کے سینے سے لگی بلک اٹھی تھی۔

''زوہیب! اس وقت عفیف کی اندر زیادہ ضرورت ہے مستنیر کی اُبھرتی ڈوبتی نبضیں صرف عفیف کی منتظر ہیں' شاید...... کوئی کرشمہ ہو جائے''۔ واصف نے اُمید سے کہا تھا اور زوہیب یزدانی نے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

''جاؤ عفیف!'' انہوں نے اسے آئی سی یو میں جانے کا اشارہ کیا تھا۔

''نہیں چاچو' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے مستنیر کو کچھ نہیں ہوگا''۔ انہوں نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی اور اس کے لڑکھڑاتے قدموں کو دیکھ کر وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے آئی سی یو میں چلے آئے تھے' عفیف کی جیسے ہی نگاہ بستر پر مشینوں اور آکسیجن کے ساتھ مختلف ڈرپ اور نیڈلز میں جکڑے مستنیر شاہ پر پڑی تھی اس کا دل پہلی دفعہ بُری طرح ڈول گیا تھا' اس کے ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ اتر آئی تھی جسے زوہیب یزدانی بخوبی محسوس کر سکتے تھے' اُن پر نگاہ پڑتے ہی ڈاکٹر خالد مایوسی سے مڑے تھے۔

''آئی ایم سوری آپ نے بہت دیر کر دی''۔ وہ کہتے ہوئے باہر کی جانب بڑھے تھے' یہ الفاظ سنتا تھے کہ عفیف ایکدم جیسے گہری نیند سے بیدار ہو گئی تھی' زوہیب یزدانی سے ہاتھ چھڑاتی لپک کر بستر تک آئی تھی۔

''آنکھیں کھولیں مستنیر! میرے حصے کی موت کو آپ گلے نہیں لگا سکتے' آپ مجھے اپنی زندگی کا مقروض بنا کر

پچھتاوں کی نذر کر کے نہیں جا سکتے' اٹھیں مستنیر دیکھیں میری طرف' آپ نے کہا تھا یہ آپ کی نہیں میری بے بسی کی انتہا ہے' تو دیکھیں میں بے بس ہو گئی ہوں' آپ کتنے آرام سے میرے حصے کی گولی خود پر لے گئے''۔ وہ روتے روتے بے خودی میں اپنا سر اس کے ماتھے پر ٹکا گئی تھی' اس کی آنکھوں سے چند موتی مستنیر شاہ کی بند پلکوں پر گرے تھے' گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں کہ یکدم جیسے وقت پیچھے چلا گیا تھا جو کام ڈاکٹرز کی گیارہ گھنٹوں کی محنت شاقہ اور دعائیں نہ کر سکیں تھیں وہ رب سائیں کے کرم سے چند آنسو کروا گئے تھے' مستنیر شاہ نے دھیرے سے آنکھیں وا کیں تھیں' وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا اور وہ اس کے ہوش میں آنے سے بے خبر آنسو بہائے جا رہی تھی جو اس کے چہرے کو تر کر رہے تھے' مستنیر شاہ نے تھوڑی سی کوشش کے بعد اپنے سینے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا' لمس کی حدت سے اس نے سر اونچا کیا تھا' اس کی آنکھیں مستنیر کی ادھ کھلی سرخ آنکھوں سے ٹکرائی تھیں اور وہ خوشی سے چیخ اٹھی تھی۔

''چاچو! دیکھیں انہیں ہوش......'' وہ کھڑی ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ انجانے میں کھینچتی گویا اس کے زخم ہرے کر گئی تھی' اس کے کراہنے پر عفیف کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر بھی متوجہ ہو گیا تھا جبکہ وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا تھا مگر یہ بے ہوشی محض ایک سے ڈیڑھ گھنٹے پر مبنی تھی۔

............☆☆☆............

''چاچی! کسی زمین کا مسئلہ تھا اُسی پر جھگڑا ہو گیا' بات خون خرابے تک پہنچ گئی' اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں پتہ''۔ اس نے مقیتہ کو مطمئن کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا تھا' اب زوہیب یزدانی کو مطمئن کرنا اُس کا کام تھا' دروازے کے باہر کھڑی سکینہ شاہ نے اطمینان کا سانس لیا تھا یہ سوچ کر کہ وہ سچ بتا دیتی تو کیا ہوتا۔

''بی بی سائیں! کھانا تیار ہو گیا ہے''۔ وہ دونوں چونک اٹھی تھیں۔

''میں کھانا لے کر ہاسپٹل جا رہی ہوں' تم کھانا کھا لینا اور نبر بھائی کی والدہ کو بھی کھلا دینا''۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ پہلے اٹھ کر عشاء کی نماز ادا کی تھی اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے بعد نیچے آ گئی تھی' اس کا دل نجانے کیوں بہت گداز ہو رہا تھا' اسے اپنے بُرے رویئے یاد آ رہے تھے اور اس کے باوجود مستنیر شاہ اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔

''آنٹی! کھانا کھا لیجیے''۔ وہ دستک دیتی اُن کے روم میں آ کر بولی تھی' وہ جائے نماز تہہ کر رہی تھیں' جا نماز رکھ کر وہ اسے دیکھنے لگی تھیں' گلابی متورم چہرہ' سیاہ آنکھیں جو سوجی ہوئی تھیں۔

''یہ بظاہر عام سی دکھائی دینے والی لڑکی کس قدر خاص ہے' میرا پتر اسے کتنا چاہتا ہے کہ صرف اس کی خاطر جان پر کھیل گیا اور زیست سے ناطہ جوڑا بھی تو صرف اس کے احساس کو پا کر''۔ وہ اس پر نگاہیں جمائے سوچ رہی تھیں جبکہ وہ ان کے مستقل دیکھنے پر کچھ خائف سی ہو گئی تھی۔

''مستنیر کی اس حالت کی ذمے دار صرف میں......''

''نہیں پتر! یہ رب سائیں کے فیصلے ہیں' زندگی اور موت پر صرف وہی قادر ہے اور جیسے ایک ماں اپنے بیٹے کو جان کر موت کے منہ میں دھکیل نہیں سکتی ٹھیک اسی طرح ایک بیوی اپنے سہاگ کو اپنے ہاتھوں کبھی نہیں اُجاڑتی''۔ وہ کتنے یقین سے بولی تھیں اور وہ ازحد شرمندہ ہو گئی تھی' جو شخص اس کی خاطر جان پر کھیل گیا تھا اس پر تو اُس نے ایک نظر التفات کی بھی ڈالنا گوارا نہ کیا تھا' وہ مدھم لہجے میں کہتیں اس کے نزدیک آ گئی تھیں' ہاتھ میں موجود دو بھاری جڑاؤ کنگن اتارے تھے اور عفیف کی گوری کلائی میں سجا دیئے تھے۔

"یہ میری طرف سے میری بہو کے لیے شگن ہے' مجھے اپنے پتر کی پسند دیکھنے کا بڑا شوق تھا اور میرے پتر کی پسند لاکھوں میں ایک ہے"۔ انہوں نے دھیرے سے اس کی پیشانی چوم لی تھی اور عفیف کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔
"روتے نہیں ہیں' رب سائیں جو کرتے ہیں اچھے کے لیے کرتے ہیں"۔ وہ حلاوت سے کہتیں اس کے ساتھ باہر آ گئیں تھیں۔

☆☆☆

"کیسا ہے پتر؟" وہ دوسرے ہی دن زبردستی چھٹی لے کر گھر آ گیا تھا جبکہ اسے انتہائی نگہداشت کی ضرورت تھی۔
"اماں سائیں! آپ کی دعائیں مجھے موت کے سفر سے زندگی کی طرف لے آئی ہیں"۔ وہ ماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے بولا تھا اور جبھی کھلے دروازے سے ٹرے تھامے عفیف داخل ہوئی تھی' کل کے بعد اُن کا سامنا اب ہوا تھا' اس کے ہاتھوں سے سکینہ شاہ نے ٹرے لے لی تھی جبکہ اس کی نگاہ عفیف کے ہاتھوں میں موجود کنگنوں پر تھی جو کل تک اس کی ماں کی کلائیوں میں کھنکا کرتے تھے آج عفیف کی کلائی میں جگمگا رہے تھے۔
"ایسے کیا دیکھ رہا ہے پتر! بہو ہے میری شگن نہ دیتی"۔ وہ بیٹے کی آنکھوں میں اترتی حیرانگی کو پڑھ گئی تھیں۔
"اماں سائیں! آپ مجھ سے ناراض......"
"ارے نہیں پتر! میں تجھ سے کبھی بھی ناراض نہ تھی اور جو معمولی سی خفگی تھی وہ اتنی سوہنی بہو کو دیکھ کر دور ہو گئی ہے"۔ انہوں نے پیار سے کہتے ہوئے عفیف کا ہاتھ تھام کر بیڈ پر نیم دراز بیٹے کے ساتھ بٹھایا تھا' دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں' ایک کی آنکھوں میں جھجک و بے چینی تھی تو دوسرا اپنی بے تاثر آنکھیں اس کے صبیح چہرے سے ہٹا گیا تھا۔
"بڑی ملکانی جی! حویلی سے چھوٹی ملکانی کا فون ہے"۔ انہوں نے صفورہ کے ہاتھ سے کارڈلیس لے کر کان سے لگا لیا تھا' مستغیر شاہ بڑی تشویش سے ماں کے چہرے پر پھیلتے پریشانی کے سائے دیکھ رہا تھا۔
"اماں سائیں! سب خیریت تو ہے؟" اس سے رہا نہیں گیا تھا۔
"تو فکر نہ کر پتر! رب سائیں سب ٹھیک کریں گے"۔ اُن کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔
"اماں سائیں! مجھے آپ بتائیے تو سہی بات کیا ہے؟" وہ بے دھیانی میں جلدی سے اٹھنے لگا تھا اور ایک درد کی لہر پورے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔
"پتر! تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بیٹے کا پیلا پڑتا چہرہ انہیں کچھ دیر کے لیے تمام پریشانیاں بھلا گیا تھا۔
"اماں سائیں! میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ یہ بتائیے چھوٹی اماں کیا کہہ رہی تھیں"۔ اس کی سوئی ایک ہی بات پر اٹک گئی تھی' عفیف گومگو کی کیفیت میں بیٹھی اُن دونوں کی تکرار سن رہی تھی۔
"پتر! ملکوں کا پتر اسی وقت زندگی ہار گیا تھا' تیری وجہ سے پنچایت نہ بیٹھی تھی مگر جیسے ہی سائیں گاؤں پہنچے خان جی نے انہیں طلب کر لیا' مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے پتر! خان جی جانے کیا فیصلہ کریں گے' ملکوں نے اپنا پتر کھویا ہے اور گاؤں کے رواج کے مطابق آنکھ کے بدلے آنکھ اور جان کے بدلے جان' میں نے تو تجھے کتنی ہی دعاؤں کے بعد پایا ہے' اب تجھے کھونے کا احساس ہی جان لیوا ہے"۔ سکینہ شاہ بیٹے کو دیکھتے ہوئے بات ختم کر کے بلکنے لگی تھیں جبکہ وہ تو کچھ سمجھی نہ تھی۔
"اماں سائیں! حوصلہ رکھیں' یہ تو آپ مانتی ہیں ناں زندگی موت رب سائیں کے اشارے کی محتاج ہیں تو پھر ڈرنا فضول ہے' آپ بالکل پریشان نہ ہوں' میں ابھی گاؤں کے لیے نکلتا ہوں"۔

''تیرا دماغ ٹھیک ہے پتر! اپنی حالت دیکھی ہے تو نے' اتنا لمبا سفر کیسے کرے گا؟'' وہ رونا بھول کر اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا ہے میں بالکل ٹھیک ہوں اور اماں سائیں! وہاں جو کچھ بھی ہوا میرے ایک فیصلے کی وجہ سے ہوا' وہاں کے حالات کی درستگی کی ذمہ داری بھی میری ہے''۔ وہ ماں سے کہتا ہوا حیرانگی سے کھڑی عفیف کی جانب مڑا تھا۔

''اپنے گھر جانے کی تیاری کیجیے''۔ وہ بول رہا تھا کہ ملازمہ نے واصف کے آنے کی اطلاع دی تھی اور وہ کچھ ہی دیر میں وہیں آ گیا تھا۔

''پتر تو ہی اسے سمجھا' میری تو سن ہی نہیں رہا''۔ سکینہ شاہ نے اس کی مدد لینا چاہی تھی جبکہ وہ اس کے گاؤں جانے کا سن کر غصے میں آ گیا تھا۔

''کیوں اپنی جان کا دشمن بن گیا ہے نیر! تجھے آرام کی سخت ضرورت ہے' تو نے زبردستی اسپتال سے چھٹی لے لی اور اب گاؤں جانے کا پروگرام بنائے بیٹھا ہے''۔ وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''یار اب اتنا بھی نازک نہیں ہوں' دو چار گھنٹے کی بات ہے میرا وہاں جانا ضروری ہے''۔ وہ ابھی ابھی مظفر سے بات کر کے ہٹا تھا' اس نے بھی اُسے فوراً پہنچنے کو کہا تھا کیونکہ اسے ڈر تھا کہیں ساری مصیبت ان کی جان پر نہ بن آئے کیونکہ وہ اصغر شاہ کا بھتیجا تھا اور وقت پر موجود بھی تھا۔

''تو میری فکر نہ کر' میں اور اماں سائیں گاؤں کے لیے نکل رہے ہیں' تو عفیف کو ان کے گھر چھوڑ دینا''۔ اس نے صغورہ کو آواز دی تھی اور خدا بخش سے گاڑی نکالنے کو کہا تھا اور ان لوگوں کی طرف دیکھے بنا باہر نکل گیا تھا۔

''یہ تیری دوائیں ہیں' وقت پر کھا لینا اور کوئی پریشانی کی بات ہو تو مجھے کال کر لینا''۔ واصف جانتا تھا وہ کتنا ضدی ہے اب کسی کی نہیں سنے گا جبکہ مستنیر شاہ اس کے اتنا فکر کرنے پر مسکرا دیا تھا' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ بے اختیار اپنے کمرے کی جانب اٹھی تھی اور کھڑکی میں کھڑی عفیف پر ٹھہر گئی تھی۔

''زندگی ایک بار تمہاری خاطر داؤ پر لگا چکا ہوں اور اب باپ کی ضد پر قربان ہونے جا رہا ہوں' کون جانے اب کبھی یہ چہرہ دیکھنا نصیب ہو گا بھی یا نہیں''۔ اس نے حسرت سے سوچا تھا اور آخری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتا گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور آنکھیں موند لیں تھیں' وہ اس وقت صرف اسے محسوس کرنا چاہتا تھا اور بند پلکوں کے پیچھے اس کا معصوم انداز آن ٹھہرا تھا جو وقت کے بڑھتے بڑھتے نفرت اور غصے کی نذر ہو گیا تھا' وہ حسین و بدصورت لمحوں کو سوچے جا رہا تھا اور سفر تمام ہو گیا تھا۔

............☆☆☆............

''ایسی بھی کیا ایمرجنسی تھی' انسان اپنی حالت تو دیکھتا ہے''۔ زوہیب یزدانی کو پریشانی و اشتعال نے گھیرا تھا۔

''چاچو! وہ کسی پنچائیت......''

''مُغی! جو بات ہے وہ مجھے صاف صاف بتاؤ' مجھے لگ رہا ہے تم ہم سے کچھ چھپا رہی ہو''۔ وہ اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''چاچو! آپ فضول میں واہمات کا شکار ہو رہے ہیں' بات وہی ہے جو میں بتا چکی ہوں''۔ وہ بمشکل خود پر قابو رکھے ہوئے تھی۔

''مُغی! ان ہاتھوں نے تجھے کھلایا ہے' تیرے مزاج کے ہر موسم کی مجھے خبر ہے' تو نے مجھ سے بات چھپانا سیکھ لی

ہے مگر میری نگاہ تو وہی ہے جو تیرے اندر تک اُتر کر جان سکتی ہے اور تجھے کیا لگتا ہے تو نے کہا تو بہت خوش ہے میں ایمان لے آیا' گزرے مہینوں میں' میں نے تیرے لبوں کو مسکراتے تو بار ہا دیکھا ہے مگر تیری آنکھوں میں مسرت کی پرچھائی بھی دیکھنے میں ناکام ہوا ہوں"۔ وہ انہیں چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"تجھے اس گھر سے رخصت کیا ہے اپنے دل سے نہیں' کبھی لمحہ بھر کو بھی مجھے تو خوش نہ لگی' مگر اس خیال سے نہ پوچھا کہ ذرا سی خراش آنے پر دوڑ کر میرے پاس آنے والی میری بھتیجی اب مجھے اپنے دل کا حال بتائے گی مگر میں منتظر ہی رہا' عفی! ایسی کیا بات تھی جو تو اپنے چاچو سے نہیں کر سکتی تھی بلکہ تو تو اپنے چاچو سے بھی بدگمان ہے"۔ وہ انکشاف پر انکشاف کر رہے تھے۔

"چاچو! میں آپ سے بدگمان نہیں ہوں"۔

"ناراض ضرور ہے جبھی تو مجھ سے اپنے دل کی بات کرنا ہی چھوڑ دی ہے"۔ وہ اسے بولنے پر اُکسا رہے تھے۔

"چاچو! آپ نے بالکل ٹھیک کہا' میں آپ سے ناراض ہوں"۔ اس نے بات کلیئر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا' وہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔

"چاچو! آپ کو میرے لیے صرف مستنیر شاہ ہی ٹھیک لگے تھے' کڈنیپنگ میں تو میرا کوئی قصور نہیں تھا تو پھر کیوں آپ نے ایک بے جوڑ رشتہ میرے لیے مناسب سمجھا' کیا آپ کو بھی لوگوں کی طرح مجھ پر یقین نہیں تھا' آپ کو لگتا تھا کہ میں اب پہلے والی عفیف یزدانی نہیں رہی اور آپ کی بدنامی کا سبب بنوں گی"۔ وہ سارے سوال یکدم ہی کر بیٹھی تھی۔

"عفی! کیسی باتیں کر رہی ہو' میں نے کب تم پر یقین نہیں کیا' شادی تو تمہاری کرنی ہی تھی سو ہم نے کر دی مستنیر شاہ میں کیا خرابی ہے جو تم ایسی باتیں کر رہی ہو"۔ وہ تو از حد اُلجھ کر رہ گئے تھے۔

"خرابی کی بات کرتے ہیں آپ چاچو! ان میں خوبی کیا تھی' دو چار دفعہ وہ ہمارے کام آ گئے اور بس...... آپ انہیں مسیحا سمجھ بیٹھے اور یہ بھی بھلا دیا کہ وہ آپ کے بھیا اور بھابی کے قاتل کے بیٹے ہیں"۔ اس نے کوئی دھماکا کیا تھا۔

"عفی! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ مستنیر کس کے بیٹے ہیں؟"

"بنئے مت چاچو! آپ سب کچھ جانتے تھے' آپ کو معلوم تھا کہ مستنیر شاہ کوئی اور نہیں اصغر شاہ کے بیٹے ہیں' اسی اصغر شاہ کے جس نے ممی کو موت کو گلے لگانے پر مجبور کیا اور پھر پاپا کی بھی جان لے لی اور آپ نے مجھے ایک قاتل کی بہو بنا دیا صرف بدنامی کے ڈر سے"۔ وہ بہت دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"بخدا عفیف! یہ سچ نہیں ہے' ہم نے کسی بدنامی کے ڈر سے مستنیر سے تمہاری شادی نہیں کروائی اور اس وقت سے پہلے مجھے نہیں پتہ تھا کہ مستنیر' اصغر شاہ کا بیٹا ہے"۔ وہ سچائی سے بولے تھے۔

"کیوں نہیں پتہ چاچو! اگر میں مان لوں کہ آپ کو واقعی نہیں پتہ تھا تو آپ نے بے سوچے سمجھے مستنیر کا حسب نسب جانے بغیر ہی میری شادی کر دی اور یہ بات تو ثابت کرتی ہے کہ میرا وجود بوجھ بن گیا تھا جسے آپ نے کسی کے بھی ساتھ رخصت کر دیا"۔ ماہین نے جو اتنے دن اس کے دل و دماغ میں زہر بھرا تھا آج اُسے باہر آنے کا موقع مل گیا تھا۔

"تو ہم پر کبھی بھی بھاری نہ تھی مستنیر کے ساتھ یہ سوچ کر تیری شادی کی تھی کہ کبھی تیرے ماضی کی پرچھائی......"

"کیسا ماضی چاچو! جب کڈنیپنگ میں میرا ہاتھ نہ تھا اور آپ لوگوں کو مجھ پر اعتبار تھا تو کیوں جلد بازی میں ایک

شادی شدہ عیاش جاگیردار کے سنگ مجھے......"

"عفی......!" وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے بے یقین تھی' سامنے کھڑے شخص نے آج سے پہلے کبھی اونچی آواز میں بات نہ کی تھی اور آج ہاتھ اٹھالیا تھا۔

"عفی! بکواس بند کرواپنی' بے سوچ سمجھے بے بنیاد باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں مستنیر کو اتنا تو جان گیا ہوں کہ وثوق سے کہہ سکوں کہ اس کے کردار میں کوئی عیب نہیں ہے اور جو بات میں محسوس کرسکتا ہوں تمہیں اس بات کی گواہی دینی چاہیے تھی اور تم ہو کہ اُلٹا الزام لگا رہی ہو' عفی مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے مستنیر کی بابت ایسا سوچا بھی کیسے' وہ اس شخص کا اعلیٰ کردار ہی تھا جو تمہیں صحیح سلامت ہم تک چھوڑ گیا تھا' جیسا تم نے اسے کہا وہ ویسا ہی ہوتا تو ہمیں ہماری عفیف نہ ملتی"۔ وہ کرب سے کہہ رہے تھے اور وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔

"عفی! تم نے یہ سب بکواس مستنیر کے سامنے بھی کی ہے؟" وہ کچھ دیر بعد پوچھ رہے تھے اور اس نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

"او گاڈ...... عفی! صرف اصغر شاہ کا بیٹا ہونے کی نسبت تم نے اس شخص کو اس قدر غیر معتبر کردیا"۔ وہ تفصیل جان کر بے یقین تھے۔

"چاچو! میں کیسے اپنے پیرنٹس کے قاتل کے بیٹے کو اپنا شوہر تسلیم کرکے اس کی خوشی کا سبب بن سکتی تھی"۔ وہ ابھی بھی اپنی بات پر ڈٹی تھی جبکہ اُن کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔

............☆☆☆............

"السلام علیکم خان جی!" ملکوں کی جانب سے اس کے سلام کا جواب نہ آیا تھا اور وہ پنچائیت کے سربراہ کو سلام کرتا خالی موڑھے پر بیٹھ گیا تھا' اس کی رنگت کافی پیلی ہورہی تھی' مستقل بیٹھے رہنے سے زخم ہرے ہوگئے تھے اور پورا جسم درد کررہا تھا۔

"غلطی اصغر شاہ سے ہوئی ہے' نا صرف پنچائیت کے فیصلے کو ٹھکرایا بلکہ ایک بے گناہ کو قتل بھی کیا' احسان ملک تم بیچ کی کوئی راہ نکالنے کو تیار ہو یا رواج کے مطابق......"

"خان جی! ہمیں درمیانہ راستہ نہیں نکالنا' جتنی نرمی سے پیش آنا تھا آچکے...... جوان گھبرو پتر کھویا ہے میں نے زر زن' زمین کو میں لات مارتا ہوں' میرے اندر جو آگ جل رہی ہے وہ بس خون سے ہی سرد پڑے گی' میں نے پتر کھویا ہے اور اصغر شاہ کو بھی اپنے بیٹے کی موت کا نظارہ دیکھنا ہوگا"۔ قربان ملک کا لہجہ بے لچک تھا۔

"ملک صاحب! اس پستول میں 6 گولیاں ہیں' ساری کی ساری میرے سینے میں اتار دیں"۔ مستنیر شاہ نے پینٹ کی پچھلی جیب سے پستول نکال کر قربان ملک کی جانب بڑھائی تھی جبکہ وہاں موجود ہر بندہ ساکت رہ گیا تھا۔

"لیجیے ملک صاحب! قصہ ہی ختم کردیجیے' آپ کے بیٹے کی موت کا سبب صرف میں ہوں' میں نے فیصلہ لینے کو تو درست لیا تھا مگر آپ کا بیٹا میرے فیصلے کی بھینٹ چڑھ گیا اور آپ میرے سینے کو گولیوں سے چھلنی کرکے اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ لے لیں"۔ وہ بڑے نڈر انداز میں اُن کے سامنے کھڑا تھا' قربان ملک نے اس کے ہاتھ سے پستول لے لی تھی' ٹریگر پر انگلی رکھی تھی اور اپنے سامنے کھڑے باہمت جواں مرد کو دیکھا تھا' اس کی آنکھوں میں سوائے حزن کے کچھ نہ تھا۔

"اصغر شاہ! میرے ہاتھ میں یہ موجود ریوالور تمہارے پتر کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا ہے' مگر میں اس کی جان نہیں

لوں گا کیونکہ اس کی سچائی اور ہمت نے میرے ہاتھ جکڑ لیے ہیں اور آج اگر میں نے یہ ریوالور اس پر چلایا تو شاید ایک بے گناہ کی جان لینے کا احساس مجھے تاحیات ستائے گا' جا اصغر شاہ' میں نے تیرے بیٹے کی سچائی کے عوض تجھے اپنے بیٹے کا خون معاف کیا"۔ قربان ملک نے پستول اصغر شاہ کے قدموں میں ڈال دی تھی۔

"اصغر شاہ! تجھے قسمت سے بڑی اچھی اولاد نصیب ہوئی' اس کی قدر کر' ایک دفعہ یہ خود تیری گن سے نکلی گولی کھا کر موت کو شکست دے کر آیا اور آج تیرے کیے کا بھگتان بھگتنے کو سینہ تان کر کھڑا ہو گیا جبکہ تو نے ہمیشہ پیٹھ پیچھے وار کیا لیکن یہ تیرا آخری جرم تھا جو بخشا گیا ہے"۔ قربان ملک وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے اور اُن کے پیچھے ہی باقی لوگ بھی بڑھے تھے۔

"عالم! میں بہت شرمندہ ہوں"۔

"شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے مستنیر! ہر سزا اور پچھتاوا اب بے سود ہے' ہم نے جو کھویا ہے وہ پا نہیں سکتے' خطا تو آپ کی ہے بھی نہیں اس لیے جانے دیجیے"۔ وہ اس سے ہاتھ ملاتا نکلتا چلا گیا جبکہ وہ ابھی بھی شرمندہ تھا' اس کے اندر کی اچھائی اُسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

............☆☆☆............

"عفی! تم نے کبھی عقل استعمال کرنے کی کوشش نہ کی تھی تو کم از کم اپنی اوٹ پٹانگ سوچوں کو مجھ سے تو شیئر کرتیں' تم نے اپنی بے وقوفی میں آسان زندگی کتنی کٹھن بنا دی ہے"۔ وہ تاسف سے روتی ہوئی بھتیجی کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"اب تو مجھے کم از کم سچ بتاؤ کہ تم گاؤں گئیں تو کیا حالات پیش آئے اور مستنیر اس حالت میں وہاں اب کیوں گیا ہے؟" انہوں نے بات وہیں پہنچا دی تھی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔

"چاچو! مستنیر مجھے گاؤں نہیں لے جانا چاہتے تھے' ان کے پیرنٹس نے غیر برادری کی لڑکی کو بہو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا' میں مستنیر کے فادر سے ممی پاپا کی ڈیتھ کا بدلہ لینا چاہتی تھی اس لیے جب مستنیر کے فادر نے انہیں زمین کے مسئلے کی وجہ سے گاؤں بلوایا تو میں نے دادو سے جھوٹ کہا کہ ہم گاؤں جا رہے ہیں' مستنیر تو سنتے ہی غصے میں آ گئے تھے اور انہوں نے مجھے حویلی لے جانے کے بجائے ملازمہ کے گھر چھوڑ دیا تھا مگر پھر نہ جانے کیا ہوا جو مستنیر کے کزن زبردستی مجھے حویلی لے گئے' مجھے دیکھتے ہی مستنیر کے فادر گن اٹھا لائے تھے' جان تو وہ میری لینا چاہتے تھے مگر مستنیر ڈھال بن کر میری زیست کے سامنے آ گئے اور خود موت کے منہ......" وہ لحظہ بھر کو رُکی تھی جبکہ وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"مستنیر کو خون میں ڈوبتے دیکھ کر میں تو اپنی سدھ بدھ ہی کھو بیٹھی تھی اور جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک چھوٹے سے تاریک کمرے میں قید تھی مگر کچھ ہی گھنٹوں بعد ایک عورت نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا تھا اور میں گاڑی میں آ بیٹھی تھی' میرے پوچھنے پر انہوں نے نہیں بتایا تھا کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں' کئی گھنٹے تیزی سے گاڑی چلنے کے بعد ایک ہاسپٹل کے سامنے رُکی تھی اور بعد کے حالات سے آپ واقف ہی ہیں اور رہ گئی بات مستنیر گاؤں کیوں گئے تھے تو ان کے فادر نے ساتھ کے گاؤں کے کسی لڑکے کو مار دیا جس کی وجہ سے پنچائیت بٹھائی گئی ہے جبکہ چاچو مستنیر کی اماں کسی خون بہا کی بات کرتے ہوئے مستنیر کو نہ کھونے کی بات کر رہی تھیں اور مجھے چاچو بہت ڈر لگ رہا ہے' میں مستنیر کو کھونا نہیں چاہتی"۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

"عفی! بے فکر رہو مستنیر کو کچھ نہیں ہو گا' وہ صحیح سلامت تمہیں......" فون کی بجتی ہوئی بیل نے ان کی بات مکمل

ہونے نہ دی تھی اور وہ ٹیلی فون کی جانب بڑھ گئے تھے اور فون پر بات کرنے کے بعد وہ کافی مطمئن سے لوٹے تھے۔

''عفی! اپنے سارے خدشات دور کر لو وہ معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا ہے''۔ وہ رونا بھول کر انہیں دیکھنے لگی تھی اور انہیں مسکراتے دیکھ کر ایک بار پھر رونے لگی تھی۔

''عفی! اعتبار ہر رشتے کی بنیاد ہوتا ہے' تم مجھ سے بدگمان ہوئیں' مجھے بہت تکلیف پہنچی' تمہاری بے اعتباری اور اپنے لیے بدگمانی بھری باتیں سن کر...... مگر چندا میں تم سے پھر بھی بدگمان نہیں ہوا' میری چاہت تمہارے لیے اب بھی وہی ہے کیونکہ ماں باپ اور خونی رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ہر بڑی سے بڑی خطا ان کی چھاؤں میں پنپ نہیں پاتی اور دم توڑ دیتی ہے مگر کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک بار دراڑ آ جائے تو اُن کی خوبصورتی و مضبوطی پہلی سی نہیں رہتی اور ایسا ہی نازک کانچ سا رشتہ میاں بیوی کا بھی ہوتا ہے' تم اب تک مستنیر کے ساتھ بہت غلط طریقے سے پیش آ چکی ہو اور چندا تمہارے اور مستنیر کے رشتے کی دراڑ اس قدر وسیع ہو جائے کہ اس کا خاتمہ ممکن نہ ہو سکے اس سے پہلے ہی اپنی ہر چھوٹی بڑی خطا کا مستنیر سے اعتراف کر لو وہ تمہارا شوہر ہے اس پر یقین کرنا تمہارے رشتے کی پہلی ضرورت ہے کیونکہ جہاں اعتبار و یقین نہ ہو اور فضول سی ضد اور اَنا ہاتھ باندھے کھڑی ہو وہ رشتے زیادہ دن پنپ نہیں پاتے اور خطا تمہاری ہے اس لیے معافی بھی تمہیں ہی مانگنی چاہیے اور یہ بھول جاؤ کہ ان کے پیرنٹس کون ہیں' یاد رکھنا ہے تو صرف اتنا کہ اس شخص نے اس وقت تمہارا ہاتھ تھاما جب تمہیں سہارے کی ضرورت تھی اور تمہاری ہر زیادتی کو خاموشی سے برداشت کیا صرف تمہاری عزت اور وقار کی خاطر ورنہ وہ تمہیں دوسرے ہی دن اس گھر کی دہلیز پر بھی چھوڑ کر جا سکتا تھا' جو ہو گیا اسے بھول جاؤ اور نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرو''۔ انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''لیکن چاچو! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے''۔

''وہ معاف کر دیتا ہے تو اس کی بلند نظری ہو گی اور نہیں کرتا تب تمہیں اس کے ساتھ جڑے رہ کر اپنے عمل سے اس کے دل کو جیتنے کی کوشش کرنا ہو گی''۔ وہ بہت پیار سے اس کے آنسو صاف کر رہے تھے اور وہ ان کے سینے سے لگی بلکنے لگی تھی۔

''مجھے پہلے تو آپ معاف کر دیں' میں نے آپ کے بارے میں کتنا غلط سوچا' آپ کو ہرٹ کیا''۔ وہ اُن سے نگاہ نہیں ملا پا رہی تھی۔

''تم نے پہلے جو ہرٹ کرنا تھا وہ تو کر چکیں مگر اب تمہارے یہ آنسو...... یہ مجھے ہرٹ کر رہے ہیں''۔ انہوں نے خفگی دکھائی تھی اور وہ آنسو صاف کرنے لگی تھی۔

''ویٹس لائک آ گڈ گرل! اب جا کر فریش ہو' میں دیکھتا ہوں یہ مقیتہ اور اماں جان ابھی تک ڈاکٹر کے ہاں سے کیوں نہیں آئیں''۔ مقیتہ منتھلی چیک اپ کے لیے گئی تھی۔

''لو شیطان کا نام لیا شیطان حاضر''۔ وہ مقیتہ کو اندر آتے دیکھ کر بولے تھے۔

''چاچو! آپ نے شیطان آگے والی محترمہ کو کہا ہے یا پیچھے والی کو؟'' وہ شرارت سے بولی تھی۔

''اپنے سامنے والی کو''۔ وہ بھی شرارت سے بولے تھے اور ان دونوں نے ہی ساتھ قہقہہ لگایا تھا جبکہ وہ ساس بہو حیرانگی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

"بانو! بات کیا ہے تم اتنا رو کیوں رہی ہو؟" وہ ابھی گاڑی سے اترا ہی تھا کہ بانو اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"چھوٹے سائیں! میں اور میرا بیٹا تو بے قصور تھے میں نے تو صرف آپ کی مدد کرنا چاہی تھی مگر بڑے سائیں نے مجھے اتنی بڑی سزا دی مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا سائیں میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو میں تو جیتے جی مر جاؤں گی"۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

"بانو! میں تم سے شرمندہ ہوں میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف اٹھانا پڑی مگر میں اس کا تھوڑی ہی دیر میں ازالہ کر دوں گا"۔ وہ کہتے ہوئے اندر بڑھا تھا۔

"بابا سائیں! بے گناہوں کو سزا دینے سے آپ کو کیا حاصل ہوتا ہے بانو نے کوئی نمک حرامی نہیں کی"۔

"اچھا اچھا ہر وقت وعظ دینے مت بیٹھ جایا کرو حویلی کی پچھلی طرف قید ہے تمہاری لاڈلی بانو کا بچہ جا کر اسے رہائی دے دو"۔ وہ تن فن کرتے وہاں سے نکل گئے تھے اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی اُن کی ضد اور اکڑ میں ذرہ بھر فرق نہ آیا تھا۔

"تم کون ہو اور اس حویلی کے اس طرف کیا کر رہی ہو؟" مستنیر شاہ کو بے ڈول اور خرانٹ شکل والی اس ادھیڑ عمر عورت کو دیکھ کر تشویش ہوئی تھی۔

"چھوٹے سائیں! یہ شبانہ ہے اور اسے یہاں بڑے سائیں....." اس کے ساتھ آیا ملازم بتا رہا تھا جبھی کسی کی

چیخوں کی آواز اسے متوجہ کر گئی تھی اور وہ اس شبانہ نامی عورت کے روکنے کے باوجود اس کمرے میں چلا آیا تھا۔

''یہ کون ہے اور اسے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے؟''

''تو جا سائیں یہاں سے' تیرا کوئی لینا دینا نہیں' اسے وڈے سائیں نے یہاں قید کیا ہے''۔ وہ اکھڑ لہجے میں بولی تھی اور وہ اس دبلی پتلی مرجھائے ہوئے چہرے اور وحشت زدہ آنکھوں والی عورت پر ایک نگاہ ڈالتا ذہن میں بہت سے سوالات اور بانو کے 8 سالہ بیٹے کو لیے وہاں سے نکل آیا تھا' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس کے بارے میں کس سے پوچھے' یہی سب سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

..........☆☆☆..........

''بھرجائی! تو مستنیر پتر سے بات کیوں نہیں کرتی' میں اپنی دھی کو ایسے کب تک بٹھا کر رکھوں گی؟'' شہباز شاہ کی فکر میں ڈوبی آواز سکینہ شاہ کو پریشان کر گئی تھی۔

''بھرجائی! اسی وقت جا کر عظمیٰ دھی کو لے آ' آج تیری دھی کی رخصتی ہے''۔ اصغر شاہ نے آ کر گویا دھماکا کیا تھا۔

''السلام علیکم بھائی جی! یہ آپ کیا.....'' انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔

''سوال نہیں جو کہا ہے صرف وہ کرو''۔ ان کے لہجے کی مخصوص سختی عود کر آئی تھی اور شہباز شاہ فوراً عظمیٰ کے روم کی طرف چلی گئی تھیں۔

''سائیں! اتنا بڑا فیصلہ ایک دم سے' ابھی مستنیر پتر سے تو پوچھو''۔

''وہ میرا نہیں میں اس کا باپ ہوں' بہت ڈھیل دے دی اسے' نکاح کو 2 سال ہونے کو ہیں اور تمہارے پتر کو رخصتی کا خیال ہی نہیں''۔

''سائیں! کیسی باتیں کرتے ہیں' وہ ابھی بیمار ہے اور میں ایک دفعہ اس سے بات تو کرلوں''۔

''ہم اسے مزید من مانیوں کی اجازت نہ دیں گے' شہر میں شادی رچالی پھر ہمارے انکار کے باوجود اسے یہاں لے آیا' پرکھوں کی زمین اٹھا کے ملکوں کے حوالے کردی' اب ہمیں اسے لگام دینا ہوگی''۔

''سائیں! میرے پتر نے کچھ غلط نہیں کیا' اسلام مرد کو چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور میرا پتر وہ آپ کی گولی کا نشانہ بنا' خاندان کی عزت برقرار ہے تو صرف اسی کے دم سے''۔

''ملکانی! زیادہ باتیں نہ بنا اور بہت کرلیں تو نے اپنے پتر سے باتیں اور حمایتیں' اب جا کر عظمیٰ کو اس کے کمرے میں چھوڑ آ اور یاد رکھنا اس نے اسے اس کا حق نہ دیا تو یہ اس کے حق میں اچھا ثابت نہ ہوگا''۔ وہ دھم دھم کرتے وہاں سے چلے گئے تھے' ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو دوسروں کی خوبیوں کو بھی خامیاں اور اپنی خامیوں کو خوبیوں کے ترازو میں تولا کرتے تھے' سکینہ شاہ جانتی تھیں وہ فیصلہ کر چکے اور اب کچھ نہیں ہو سکتا جبکہ اگر وہ مستنیر سے بات کرتیں تو نہ جانے اس کا کیا ری ایکشن ہوتا' وہ رخصتی کے نام سے بھی اتنا ہی بدکتا تھا جتنا کہ عظمیٰ سے شادی سے..... وہ آر یا پار کا سوچتیں حیران پریشان سادہ کپڑوں میں ملبوس عظمیٰ کا ہاتھ تھامے مستنیر کے روم کی جانب بڑھی تھیں۔

''بڑی اماں! کہاں لے جا رہی ہیں' وہ مجھے بالکل پسند نہیں کرتے' مجھے میرے کمرے میں جانے دیجیے''۔ وہ جو اب تک بڑے سکون سے تھی اس افتاد پر اس کی جان پر بن آئی تھی مگر وہ اس کی سنے بغیر اور کوئی جواب دیے بنا دروازے پر دستک دے رہی تھیں' اجازت ملنے پر دروازہ دھکیل کر اس کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوگئیں تھیں جبکہ مستنیر کبھی اماں کو تو کبھی اُن کے ساتھ روتی ہوئی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''پتر! تو نے جتنا ٹال مٹول سے کام لینا تھا بس لے چکا' یہ رہی تیری دوہٹی' اب سنبھال اسے' آج سے یہ

یہیں تیرے کمرے میں رہے گی"۔ اس نے حیرانگی سے ماں کو دیکھا تھا اور نفنفر زمین پر نظریں گاڑے گھبرائی ہوئی عظمیٰ پر ٹھہر گئی تھی۔

"اماں سائیں......"

"دیکھو پتر! میں ہر ایک کو صفائی دے دے کر تنگ آ چکی اور آج عظمیٰ کو تیرے کمرے میں بھیجنے کا فیصلہ تیرے بابا سائیں کا ہے"۔ وہ بیٹے کو کچھ بھی بولنے کا موقع دیئے بغیر خود ہی بولے جا رہی تھیں انہیں ڈر تھا کہ اسے موقع ملا تو وہ کہیں عظمیٰ کو کمرے سے ہی نہ نکال دے۔

"پتر! تجھ پر بھروسہ کر کے اسے یہاں چھوڑ کر جا رہی ہوں اس کے ساتھ تو نے اچھا سلوک نہ کیا تو ماں کے بھروسے کو توڑے گا بلکہ بے گناہ کو سزا وار ٹھہرانے کا خطا کار بھی ہوگا اس لیے جو ہوا بھول جا یہ تیری بیوی ہے جسے تو نے پیار اور عزت دونوں چیزیں دینی ہیں"۔ انہوں نے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا اور ہاتھ میں سے دو جڑاؤ کنگن اتار کر عظمیٰ کے ہاتھ میں ڈالے تھے اور اس کا ہاتھ متنیر کے ہاتھ میں دیتیں باہر نکل گئی تھیں عظمیٰ فوراً ہاتھ چھڑاتی ... کہ لیکن تم...

"رک جایئے"۔ اس کے قدم تھم گئے تھے۔

☆☆☆

"چاچی! میرے پاس بہت کپڑے ہیں کوئی بھی پہن لوں گی"۔ کل واصف اور واثقہ کی مایوں اور مہندی کا فنکشن تھا مقیتہ کے بھائی اور بہن کی شادی تھی اس لیے اس کا میکے آنا جانا لگا ہی رہتا تھا وہ دو دن کی گئی آج صبح ہی آئی تھی اور اب پوری تیاری کے ساتھ جا رہی تھی کیونکہ ولیمہ کے بعد لوٹنے کا خیال تھا۔

"یار! پھر بھی پتہ تو چلے کون سے کپڑے پہنو گی"۔ وہ بضد تھی جاننے کے لیے۔

"چاچی! میرے پاس ڈارک بلو کلر کا سوٹ ہے جو میں گھر سے آتے ہوئے اتفاقاً لے آئی تھی وہی پہننے کا ارادہ ہے"۔ وہ اس کی تسلی کے لیے بولی تھی ورنہ اس کا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اسے رہ رہ کر متنیر پر غصہ آ رہا تھا جسے گاؤں گئے چھ دن ہو گئے تھے ایک دفعہ بھی اس نے اسے کال نہ کی تھی جبکہ وہ اس کے لیے کتنا پریشان تھی خود سے فون کرنے کی اس میں ہمت ہی نہ تھی اس لیے چھ دنوں سے بس جل کڑھ رہی تھی۔

"نیر بھائی یاد آ رہے ہیں"۔ وہ اس کی اداس صورت دیکھ کر بولی تھی اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"ارے چندا! اس میں اتنا رونے والی کیا بات ہے وہ جس حالت میں گئے ہیں ایک طرح سے تمہاری پریشانی بھی صحیح ہے مگر پریشان ہونے سے بہتر ہے کہ فون کر لو"۔ وہ بہت پیار سے بولی تھی اور وہ پھیکی سی ہنسی ہنستی جھوٹ بولنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"چاچی! فون پر تو میری صبح ہی بات ہوئی ہے وہ چار دن میں آنے کا کہہ رہے تھے"۔ وہ بدقت تمام مسکرائی تھی۔

"چالاک لڑکی چپکے چپکے اپنے مجازی خدا سے بات بھی کر لی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی"۔ مقیتہ نے شرارت سے اس کے بازو میں چٹکی کاٹی تھی جبکہ وہ مسکرا بھی نہیں سکی تھی کچھ ہی دیر میں واصف مقیتہ کو لینے آ گیا تھا اسے بھی ان لوگوں کے ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر وہ کل آنے کا کہہ کر ٹال گئی تھی اس کی آنکھوں میں شدت سے کسی کا انتظار بسا تھا اس کی تو راتوں کی نیندیں تک اڑ گئی تھیں جب سونے کے لیے لیٹی متنیر شاہ کا خوبصورت ہینڈسم سراپا آنکھوں میں آن سماتا متنیر شاہ کی بابت سوچتی آنکھوں میں رات کاٹ دیتی۔

☆☆☆

"پلیز... رک جایئے آپ کا اس طرح جانا سب کو باتیں بنانے کا موقع دے گا"۔ وہ پلٹی تھی مگر نگاہ نہ اٹھائی

"آئی ایم سوری، وہ میں تو عاتکہ......" اس نے ہاتھ نشان صاف کرنے کو بڑھایا تھا مگر وہ اس کا ہاتھ فوراً سے بیشتر تھام گیا تھا۔

"رہنے دیں بہت اچھا......" وہ کچھ کہتا جبھی واصف کی نگاہ اس پر پڑی تھی اور وہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"صرف تیری مہندی اٹینڈ کرنے کے لیے گاؤں سے آیا ہوں اور فی الحال تیرے شکریے کی نہیں مجھے کپڑوں کی ضرورت ہے"۔ وہ اسے منہ کھولتے دیکھ کر بولا تھا اور واصف اسے شرارت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

"اوہ...... کس کے پیار کا اتنا خوبصورت انداز ہے"۔

"ہر وقت بکواس نہ کیا کر"۔ مستنیر شاہ نے عفیف کے سرخ پڑتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اسے ٹوکا تھا اور واصف ہنستا ہوا اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ عفیف، عاتکہ کے ساتھ پنڈال کی جانب بڑھ گئی تھی جہاں اب انتاکشری کھیلے جانے کی تیاری عروج پر تھی، دو ٹیمیں بن گئیں تھیں، ایک طرف لڑکیاں اور دوسری پارٹی میں لڑکے شامل تھے۔

"عفی! گ سے تم ہی کوئی گانا گا لو ورنہ ہم تو ہار جائیں گے"۔

"گھر آیا میرا پردیسی، پیاس بجھی میری اکھین کی"۔ مقیتہ کے کہنے پر وہ سوچ کر گانے لگی تھی اور جیسے ہی نگاہ سامنے سے آتے مستنیر شاہ پر پڑی تھی وہ جھینپ کر چپ کر گئی تھی، مقیتہ نے اسے ٹہوکا دیا تھا اور اٹھ کر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"میں مل چکی ہوں"۔ اس کے بار بار کہنے پر وہ بولی تھی۔

"بہت چالاک ہوتی جا رہی ہو"۔ مقیتہ نے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی تھی اور وہ "سی" کر کے رہ گئی تھی، پہلے تو وہ سب کا ساتھ دے رہی تھی ساتھ ساتھ گا رہی تھی مگر واصف کے ساتھ آ کر بیٹھنے والے مستنیر شاہ کو دیکھ کر وہ سر جھکائے بس تالیاں ہی بجا رہی تھی۔

"ایک پتھر پہ بنا لی گئی صورت میری
اس سے بڑھ کر نہ گئی شہر میں قیمت میری"

لڑکے الف سے بہت گانے گا چکے تھے اس لیے بالآخر الف پر پھنسے تھے مگر مستنیر شاہ کی دلکش آواز انہیں جیت کے قریب کر گئی تھی، مگر سب ہی لوگ بضد ہو گئے تھے کہ وہ اس غزل کو کمپلیٹ گائے اور وہ مجبوراً شروع ہو گیا تھا۔

"آج گھبرا کے میں پھر گھر سے نکل آیا ہوں
آج پھر راس نہ آئی مجھے قربت میری"

عفیف کی آنکھیں اپنے رویے کا سوچ کر بھیگنے لگی تھیں اور وہ اس کی آنکھوں کے فرش پر نمودار ہوتی گیلاہٹ کو دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا اور وہاں رکا بھی نہیں تھا، واصف اور واثقہ کی ساتھ ہی مہندی تھی، واصف کی ہونے والی دلہن اس کے پہلو میں جبکہ واثقہ اپنے ہونے والے شوہر کے پہلو میں بٹھا دی گئی تھی، رسم کا باقاعدہ آغاز ہوا تھا جس میں عفیف پیش پیش تھی کیونکہ واثقہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی، مستنیر شاہ بہت دن بعد اسے اپنے پرانے والے ہنستے مسکراتے روپ میں دیکھ رہا تھا۔

"یعنی کہ یہ طے ہوا کہ عفیف کو میرے ساتھ نہیں رہنا، مجھ سے دوری اس کے چہرے پہ گلاب کھلا دیتی ہے"۔ زوہیب یزدانی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور وہ عفیف کے چہرے سے نگاہ ہٹاتا سوچوں کے درمیان سے نکل آیا تھا۔

''اور سناؤ بھئی کیا حال چال ہیں؟'' ان کا انداز دوستانہ تھا۔
''پہلے سے بہتر ہوں مگر آج کے سفر نے تھکا دیا ہے' زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوسکا صرف اس لیے...... مگر آج آنا بھی ضروری تھا''۔ وہ مسکراتے ہوئے واصف کو دیکھنے لگا تھا۔
''نہ آتے' میں نے کون سا بلایا تھا''۔ اس نے خفگی دکھائی تھی۔
''دیکھو او مجھے تمہارا کتنا خیال تھا جبھی بغیر انوی ٹیشن کے چلا آیا''۔ مستنیر شاہ نے اس کے ایک مکا جڑا تھا۔
''یہاں جتنے بھی لوگ موجود ہیں ایک تجھے ہی کارڈ نہیں دیا تھا اور سب سے زیادہ تیرے ہی آنے کی امید تھی''۔ اس کے لہجے میں دوستی کا فخر سا تھا جبکہ اس کے ساتھ زوہیب یزدانی بھی مسکرا دیے تھے' باتوں کے دوران ہی ان لوگوں نے کھانا کھالیا تھا اور مستنیر شاہ نے اجازت طلب کی تھی' زوہیب یزدانی نے عفیف کو ساتھ جانے کا اشارہ کیا تھا مگر اس نے شائستگی سے عفیف کو ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔
''عفیف! آپ یزدانی ولا چلی جائیے' کل مجھے ایک دو کام نمٹانے ہیں' شام میں یا پرسوں صبح آپ کو پک کرلوں گا''۔ عفیف بے چاری کیا کہتی محض سر ہلا کر رہ گئی تھی جبکہ اس کا گھر جانے کا کتنا دل تھا' وہ مستنیر سے جانے کیا کچھ کہنے کا سوچتی رہی تھی مگر اس کی سوچوں پر فی الحال پانی پھر گیا تھا اور مستنیر شاہ اُن سب سے اجازت لے کر جا چکا تھا' اس نے عفیف کو لانے سے اس لیے منع کیا تھا کہ وہ گاؤں سے عظمیٰ کو بھی ساتھ لایا تھا اور عام سے الگ ہی بات ہوگئی تھی' وہ عظمیٰ سے نکاح کرنے کو تیار تھا' مستنیر کو نکاح کے انتظامات کرنے تھے' عفیف کو ساتھ لاتا تو وہ عظمیٰ کو دیکھ کر جانے کیا ری ایکشن دیتی جبکہ وہ اس قصہ کو ہی ختم کر رہا تھا اس لیے عفیف کو نہ لانا ہی مناسب لگا تھا۔

☆☆☆

''چھوٹے سائیں! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہیں''۔ فخر دین کی آواز پر وہ خیال سے چونک اٹھا تھا۔
''یار! کوئی پریشانی نہیں ہے' آج کسی کو آنا تھا مگر اسے ضروری کام پڑ گیا اس لیے اب وہ کچھ دن بعد آئے گا بس اسی لیے تھوڑا پریشان ہوگیا تھا کہ اب تیاریاں نئے سرے سے کرنا پڑیں گی''۔ احسان ملک کچھ پرابلمز کی وجہ سے نہیں آسکے تھے اس لیے عالم نے اسے کچھ دن ٹالنے کی بات کی تھی اور وہ راضی ہوگیا تھا کیونکہ وہ اس کام میں اپنے نہیں تو کم از کم عالم کے بڑوں کی شمولیت کو بے حد ضروری سمجھتا تھا۔
''فخر دین! تمہاری عمر تو کافی ہوگئی ہے تم شادی کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے' اکیلے زندگی کب تک گزارو گے''۔ مستنیر شاہ نے تقریباً 46-45 سال کے فخر دین کو بغور دیکھ کر اچانک ہی سوال کیا تھا مگر ایک سایہ سا اس کے چہرے پر لہرا گیا تھا۔
''کیا ہوا بھئی' اچھے خاصے خوش شکل اور کماؤ پوت بھی ہو' تمہیں تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل سکتی ہے جبکہ آج کل تو نکھٹوؤں کی بھی شادیاں ہو جاتی ہیں اور گاؤں میں تو بالکل بھی مشکل نہیں ہے''۔ مستنیر شاہ کو اس کی خاموشی کچھ عجیب لگی تھی۔
''سائیں! انسان کے ظاہر سے کیا ہوتا ہے' باہر سے خوبصورت نظر آنے والا گھر اندر سے بعض اوقات خالی مکان بھی نکل آتا ہے اور میں تو ویسے بھی کسی کی بددعاؤں کے حصار میں ہوں''۔ وہ دلگرفتگی سے بولا تھا۔
''تم کیسی باتیں کررہے ہو اور تم کس کی بددعا کے حصار میں ہو؟''
''جانے دیجیے سائیں!'' فخر دین کو اپنی جذباتیت پر افسوس ہوا تھا۔

''فخر دین! جب تم جانتے ہو کہ تمہیں کسی کی بد دعا نے گھیرا ہوا ہے تو تم اس سے باہر آنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟'' وہ بولا تھا اور وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا تھا۔

''سائیں! یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے آپ ہی سے بیگانہ ہے تو مجھے اپنی دعا اور بد دعا سے کیسے آزاد کرے گی''۔ وہ بے بسی سے کہتا مستنیر شاہ کو چونکا گیا تھا اور اس کا دھیان فوراً ہی اس عورت کی جانب چلا گیا تھا جسے دو دن پہلے اس نے حویلی کی پچھلی کی طرف دیکھا تھا۔

''تم کس کی بات کر رہے ہو فخر دین! کون اپنے آپ سے بیگانہ ہے؟''

''کوئی نہیں، کوئی بھی تو نہیں سائیں!'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''کوئی نہ کوئی تو ہے فخر دین اور تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو''۔ وہ اس کے گھبرائے ہوئے انداز پر کہنے لگا تھا۔

''فخر دین! تم نہیں بتانا چاہتے تو تمہاری مرضی' مگر میں تم سے حویلی کی پچھلی سائیڈ پر قید عورت کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں''۔

''سائیں! آپ کو کیسے معلوم کہ وہاں کوئی عورت قید ہے؟ اس کے بارے میں تو بڑے سائیں اور نگرانی کرنے والی عورت کے علاوہ صرف مجھے.....'' وہ کہتے کہتے چپ کر گیا تھا مگر اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

''میں اس عورت کے بارے میں نہیں جانتا لیکن اب جان جاؤں گا کیونکہ تم مجھے بتاؤ گے''۔ وہ آرام سے کہتا اسے مشکل میں ڈال گیا تھا۔

''سائیں! میں کچھ نہیں.....''

''تم نے ابھی خود کہا کہ تم جانتے ہو اس لیے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور تم مجھے جانتے ہو فخر دین! جس بات کو میں جاننا چاہوں اسے پھر جان کر ہی رہتا ہوں اس لیے مجھے تم بتاؤ کہ وہ عورت کون ہے؟ اور اسے بابا سائیں نے کیوں قید کیا ہے؟''

''میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا' بڑے سائیں کو پتہ چل گیا تو وہ میری جان لے لیں گے''۔

''تم مجھے بغیر ڈرے حقیقت بتاؤ' تمہاری جان کی حفاظت میرے ذمے ہے''۔ مستنیر شاہ کو چند لمحے دیکھنے کے بعد وہ اسے بتانے کا ارادہ کر بیٹھا تھا کیونکہ وہ کتنے برسوں سے اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا اور وہ کسی سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لینا چاہتا تھا۔

''او گاڈ! بابا سائیں اس حد تک گر سکتے ہیں اور تم فخر دین' تم اتنا کیسے گر سکتے ہو؟'' وہ حقیقت سن کر لمحہ بھر کو ساکت و بے یقین ہو کر رہ گیا تھا۔

''سائیں! میں مجبور تھا' بڑے سائیں کا ساتھ نہ دیتا تو وہ میری جان تو لیتے لیکن وہ میری بلقیس کے ساتھ وہی کرتے جو انہوں نے ..... بلقیس میری منگ اور میری بچپن کی محبت تھی' میں اسے کھونے سے ڈرتا تھا مگر اسے پا نہیں سکا' اس واقعے کے بعد میرے دن رات عذاب میں گزرتے' مجھے خود سے نفرت محسوس ہوتی اور ایک دن میں نے بلقیس کو بتا دیا' اس کی آنکھوں میں حیرانگی اور پھر اس کی آنکھوں میں میرے لیے اتر آنے والی حقارت و نفرت میں آج تک نہیں بھلا سکا' وہ پہلے بلا جھجک میرے برابر بیٹھ جاتی' مجھ سے گھنٹوں باتیں کرتی تھیں پھر میرے سائے سے بھی ڈرنے لگی' مجھے اس کا خوف بُری طرح توڑ رہا تھا' میں اس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر وہ مجھے دیکھتے ہی جا چھپتی' ایک دن میں چاچا کے گھر گیا' چاچی گھر پر نہیں تھی اور میں نے سوچا تھا اس سے بات کر لوں گا مگر کاش میں اس دن چاچا کے گھر نہ جاتا''۔ فخر دین کے لہجے میں حسرت در آئی تھی۔

''مجھے دیکھتے ہی بلقیس نے دروازہ بند کرنا چاہا تھا مگر میں دروازہ دھکیل کر اندر چلا گیا' میں صرف بات کرنا چاہتا تھا مگر وہ کچھ اور ہی سمجھی تھی اور اس نے جس چھری سے سبزی بنا رہی تھی اپنے پیٹ میں گھونپ لی تھی اور میں اسے خون میں ڈوبتے دیکھ رہا تھا اور اس نے لمحوں میں میری باہنوں میں دم توڑ دیا تھا' جس کی محبت اور عزت کی بقاء کی خاطر میں پاتال میں جا گرا تھا میری وہی محبت بے اعتباری کی چادر اوڑھے منوں مٹی تلے جا سوئی اور میں آج تک اپنے انجام پر رو رہا ہوں مگر سائیں بس افسوس تو یہ ہے کہ بلقیس نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی' مگر وہ میری ایک خطا جسے انجام دینے میں میری بے بسی کا ہاتھ تھا اسے بنیاد بنا کر مجھے بے اعتبار کر گئی'' ۔ فخر دین اب رو رہا تھا۔

''تم میرا ساتھ دو فخر دین! تو میں اس عورت کو زندگی کی طرف لا سکتا ہوں' جو تم نے کھویا ہے وہ تو پا نہیں سکتے شاید اس عورت کے زندگی کی طرف لوٹ جانے پر تمہارے پچھتاوے کی آگ سرد پڑ جائے'' ۔ مستنیر شاہ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''سائیں! مجھے اعتراض نہیں ہے' میرے پاس تو اب کچھ کھونے کو بھی نہیں ہے جو میرے قدموں میں زنجیر ڈالے اور شاید اس طرح میری بلقیس کی روح بھی کچھ سکون پالے'' ۔ فخر دین کو وہ جاتا دیکھ رہا تھا اور وہ اس عورت کو شہر لانے کی پلاننگ کرنے لگا تھا' اس عورت کی ہوش مندی و صحت یابی اس کے لیے بہت معنی رکھتی تھی۔

............☆☆☆............

''آہم......'' کسی کے متوجہ کرنے پر وہ پلٹی تھی اور کڈنیپر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف در آیا تھا۔

''میں اس دن پلاننگ ہی کرتا رہ گیا اور تم وہاں سے بھاگ نکلیں'' ۔ اس نے آگے بڑھ کر عفیف کی کلائی تھامی تھی اور خوف سے اس کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی اور وہ چیخ بھی نہ سکی تھی۔

''چھو' چھوڑیں میرا ہاتھ......'' اِدھر اُدھر نگاہ گھمائی وہ کپکپاتے لہجے میں بمشکل اتنا ہی بول سکی تھی۔

''تمہارا سادہ روپ جتنا دلکش تھا آج یہ حسین سجا سنورا روپ تو اس سے بھی زیادہ دلکش ہے'' ۔ اس نے اس کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیتے ہوئے رخسار پر انگلی پھیری تھی۔

''ہے یو باسٹرڈ!'' کسی کی دھاڑ پر وہ پلٹا تھا' مستنیر شاہ کو دیکھ کر عفیف کی جان میں جان آ گئی تھی' مستنیر نے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے تھام کر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی تھی۔

''تیری ہمت بھی کیسے ہوئی میری بیوی کو چھونے کی؟'' وہ اسے جنونی انداز میں پیٹ رہا تھا' ایک لمحے کو اس کی گرفت کمزور ہوئی تھی اور اس نے دوڑ لگا دی تھی اور اس کے پیچھے لپکنے کی بجائے مستنیر شاہ نے ڈیش بورڈ سے ریوالور اٹھایا تھا اور گاڑی میں بیٹھتے شخص کا نشانہ بنایا ہی تھا کہ عفیف سامنے آ گئی تھی۔

''پلیز مستنیر!'' وہ کافی خوفزدہ تھی' مستنیر شاہ نے اشتعال کے سبب ٹائر کا نشانہ لیا تھا اور وہ گولی کی آواز پر لہرا کر نیچے آ رہی تھی۔ واصف کا آج ریسیپشن تھا اور اسی سے وہ واپس گھر جا رہے تھے کہ راستے میں گاڑی خراب ہو گئی' اس نے عفیف کو گاڑی میں بیٹھے رہنے کو کہا تھا اور خود ٹیکسی لینے چلا گیا تھا' اسے کچھ دیر ہوئی تو عفیف گاڑی سے باہر آ گئی اور یہی اس کی غلطی تھی۔

''آپ کو رونے کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے' اس منحوس شخص نے آپ کو چھونے کی کوشش کی اور آپ بجائے ایک ہاتھ گھما کر مارنے کے کھڑی آنسو بہا رہی تھیں'' ۔ وہ اس پر بری طرح گرج رہا تھا۔

''اس سب میں میرا کیا قصور'' ۔

''کیوں نہیں ہے قصور؟ سارا قصور ہی آپ کا ہے' لڑکیوں کو اس قدر کمزور نہیں ہونا چاہیے' آپ اسے جھانپڑ لگا سکتی

تمیں' کسی کو مدد کے لیے بلا سکتی تھیں مگر نہیں' محترمہ کو تو سو سو بہانے سے فرصت ہی نہیں ملتی اور جب میں نے آپ کو گاڑی میں بیٹھے رہنے کو کہا تھا تو آپ باہر کیوں آ گئی تھیں"۔ وہ اس کے مسلسل ڈانٹنے پر مزید خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"آئی ایم سوری"۔ وہ بھیگے اور کانپتے لہجے میں بمشکل بولی تھی اور اس کا سارا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھتا چلا گیا تھا اور اس کے مسلسل رونے پر اسے اپنی غلطی کا بھی احساس ہوا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی اس پر برس گیا تھا۔

"پلیز جا کر چینج کر لیں"۔ وہ بولا تھا اور اسے دیکھنے لگا تھا' سی گرین کامدانی سوٹ میں آج وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی' اور اب رو رو کر کاجل پھیل گیا تھا اور میک اپ بھی آنسوؤں کی نذر ہو کر اس کے چہرے کو کچھ عجیب و غریب بنا رہا تھا مگر اب بھی قابل دید اس کی سرخ ناک اور سرخ چہرہ تھا اور آنکھیں' تو ایسا لگتا تھا کہ وہ ان خوبصورت جھیلوں میں ڈوب ہی جائے گا' فوراً اس نے نگاہ ہٹائی تھی اور وہ واش روم میں چلی گئی تھی' جبکہ وہ روم سے باہر آ گیا تھا جہاں بانو نے اسے عظمیٰ کے بخار کا بتایا تھا اور وہ کچھ دیر بعد عظمیٰ کے روم کا ڈور ناک کر رہا تھا' عفیف نے کمرے میں نگاہ دوڑائی تھی مگر مستنیر شاہ موجود نہیں تھا' وہ کافی بنانے کا سوچتی باہر آ گئی تھی۔

"بانو! گیسٹ روم میں کوئی رکا ہوا ہے؟" اس نے وہاں کی لائٹ جلتے دیکھ کر پوچھا تھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"تم میرے لیے زبردست سی کافی بناؤ"۔ وہ کہتے ہوئے گیسٹ روم کی جانب بڑھی تھی' اسے پہلا خیال سکینہ شاہ کا آیا تھا۔

☆☆☆

"عظمیٰ! یہ آپ ٹیبلٹ لے لیں' بخار اتر......" دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے سر گھما کر دیکھا تھا' دروازے میں بے یقینی سے دیکھتی عفیف کھڑی تھی۔

"یہ تھی وہ وجہ جو آپ مجھے گھر نہیں لانا چاہتے تھے"۔ وہ بری طرح سے عظمیٰ کو گھورتی مستنیر سے بولی تھی اور وہ اس کے لہجے میں موجود شک کو محسوس کرتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"عفیف! آپ اپنے کمرے میں جائیے میں وہیں آ کر آپ سے بات کرتا ہوں"۔

"میں کیوں یہاں سے جاؤں؟ اس گھر کے ہر ایک کونے پر صرف میرا حق ہے اور آپ اسے یہاں کیوں لائے ہیں"۔ مستنیر شاہ اس وقت محسوس نہیں کر پایا تھا کہ وہ جس گھر میں رہنا ہی نہیں چاہتی تھی آج اسی گھر پر اپنا حق جتا رہی تھی' وہ تو اس کے تیز لہجے پر ہی غصے میں آ گیا تھا۔

"عفیف! آواز نیچی کر کے بات کریں"۔ اس نے درشتگی سے عفیف کی بات کاٹی تھی۔

"شاہ جی پلیز!"

"تم چپ رہو' ہم میاں بیوی کے معاملے میں مداخلت کرنے والی آخر تم ہوتی کون ہو؟ اور یاد رکھو مستنیر صرف میرے ہیں' تم یہاں سے چلی جاؤ"۔ اس نے غصے سے عظمیٰ کو باہر کی جانب دھکیلا تھا اور مستنیر شاہ جو میاں بیوی پر اٹک گیا تھا حیرانگی سے نکلتا اشتعال کی زد میں آ گیا تھا اور اسے گرنے سے بچا کر عفیف کو گھورنے لگا تھا۔

"عفیف! بی ہیو یور سیلف...... عظمیٰ کی انسلٹ کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے' آپ میری بیوی ہیں تو عظمیٰ کے نام کے ساتھ بھی میرا نام جڑا ہے"۔

"کیوں جڑا ہے مستنیر! آپ کو میں کسی کے ساتھ بھی شیئر نہیں کر سکتی' آپ اس کو فوراً طلاق دے دیں"۔

"عفیف!" اس کے دھاڑنے پر وہ سہم سی گئی تھی' مستنیر نے اس کا بازو تھاما تھا اور روم سے نکلنے لگا تھا۔

"شاہ جی!" اس نے عظمیٰ کو ہاتھ کے اشارے سے روکا تھا اور اپنے کمرے میں ہی آ کر رُکا تھا۔

"جان سکتا ہوں اس سب بکواس کا مطلب؟ کل تک آپ کو میری شکل تک سے نفرت تھی اور آج آپ مجھ پر حق جتانے لگیں، میں آپ کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں عفیف، جب آپ اپنے رویوں اور حرکتوں کے باوجود مجھے میرا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہ کر سکیں تو اب عظمیٰ کو ڈھال بنانا چاہتی ہیں۔" مستنیر شاہ نے لا کر اسے بیڈ پر پٹخ دیا تھا اور اس پر بُری طرح برس رہا تھا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں مستنیر! میں واقعی کسی کا بھی وجود برداشت نہیں کر سکتی، آپ اسے میری خاطر چھوڑ دیں کیونکہ میں آپ سے......"

"میں آپ کی خاطر کیوں عظمیٰ کو چھوڑ دوں؟ آپ نے کون سی مجھ سے وفائیں نبھائی ہیں جن کا میں خیال رکھوں"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر پوچھ رہا تھا اور اس کا سرد برفیلا انداز اس کی ہمت توڑ رہا تھا اور وہ جو اظہار کی سمت قدم رکھ گئی تھی اس کے اشتعال کے سبب خوف کی لپیٹ میں آتی ایک قدم جو آگے کی جانب بڑھایا تھا وہ کھینچ گئی تھی۔

"عفیف! آپ کو لگتا ہے کہ میں عظمیٰ کی وجہ سے آپ کو گھر نہیں لانا چاہتا تھا تو آپ کا خیال بالکل درست ہے مگر آپ کی سوچ ٹھیک نہیں ہے اور جیسا تعلق آپ میرے اور عظمیٰ کے درمیان سوچتی ہیں مجھے عظمیٰ کو چھوڑنے کو کہہ رہی ہیں ویسا ہمارے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے"۔ اس نے عفیف کی آنکھوں میں واضح تحیر اترتے دیکھا تھا اور جس کی پروا نہ کرتے ہوئے باقی تفصیل بتائی تھی اور روم سے ہی نہیں گھر سے نکل گیا تھا، آج اسے عفیف کی آنکھیں الگ داستان سناتی محسوس ہوئی تھیں۔

"مستنیر سے عظمیٰ نے کہا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے تو مستنیر اسے چھوڑنے کو راضی ہو گئے، یہ مستنیر کی کیسی خوبی ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کو اس کی محبت کے قریب لے جاتے ہوئے کسی قسم کی پریشانی یا غیرت ان کے قدم نہیں روک رہی بلکہ مرد تو ایسے معاملات میں جان دینے لینے سے بھی گریز نہیں کرتے اور میں، میں نے مستنیر کے ساتھ کتنا غلط رویہ اور انداز روا رکھے مگر انہوں نے مجھے چھوڑنے کی بات نہ کی لیکن کیوں...... عظمیٰ کوئی بدصورت نہیں ہے کافی خوبصورت اور حسین و دلکش سراپے کی مالک ہے مگر وہ کسی بھی وجہ سے ہی سہی اسے چھوڑ رہے ہیں اگر وہ مستنیر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو میں بھی تو ان کے ساتھ سے گریزاں تھی اور جب وہ اسے چھوڑ سکتے ہیں تو مجھے کیوں نہیں؟" وہ خود سے مسلسل الجھ رہی تھی مگر یہ راز نہیں پا سکتی تھی کہ عظمیٰ صرف اس کی منکوحہ اور وہ اس کی محبت تھی مستنیر شاہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ عظمیٰ کی عالم سے شادی کروانے کا سوچتا بھی نہیں مگر مستنیر رشتوں کو تقدس کی بنیاد پر جوڑے رکھنے کا قائل تھا اس لیے عظمیٰ کو زبردستی اپنے ساتھ جوڑے رکھنا اسے درست نہیں لگا تھا جبکہ عفیف کئی بار اس سے طلاق کا مطالبہ کر چکی تھی مگر اس کا دل اس پر راضی نہیں ہوتا تھا اور اس کا لاشعور کہتا تھا کہ عفیف بھی اسے ناپسند نہیں کرتی اور وہ صرف غصے اور کسی کے بہکاوے میں آ کر ایسا چاہتی ہے، وہ اگر عفیف کی گفتگو جو وہ فون پر کسی سے کیا کرتی تھی سن لیتا تو شاید وہ دل کے خلاف فیصلہ لے لیتا لیکن وہ اپنے دل کے ہاتھوں بہت مجبور تھا تبھی عفیف کی بدتمیزیاں برداشت کر لیتا اور اسے اپنی زندگی سے نکالنے کا تصور ہی اسے ہراساں کر دیتا تھا اور وہ اپنی چاہت میں سرخرو ہونے کی دعا کیا کرتا تھا کیونکہ عفیف بعض دفعہ وہ کہہ جاتی تھی کہ کوئی اور کہتا تو وہ اس کی جان لے لیتا۔

............☆☆☆............

''چھوٹے سائیں! یہ لفافہ تو بہت دن پہلے ڈاکیا دے گیا تھا''۔ اسٹڈی میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے اس کی نگاہ ٹیبل کی دراز میں پڑے خاکی لفافے پر پڑی تھی اور چائے لے کر آتی صفورہ سے اس نے پوچھا تھا اور لفافے کو

الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا تھا جس پر ''صرف مستنیر شاہ'' اور اس کے گھر کا ایڈریس لکھا تھا' مستنیر نے لفافہ چاک کیا تھا اور ہاتھ ڈال کر اس میں موجود تصویریں نکالی تھیں' پہلی ہی تصویر اسے ساکت کر گئی تھی' آنکھوں میں واضح حیرانگی تیرنے لگی تھی' ایک کے بعد ایک تصویر دیکھتا وہ پوری گیارہ تصویریں دیکھ گیا تھا اور حیرانگی کی جگہ قہر و غضب اس کی آنکھوں میں در آیا تھا اور وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا پھر یکدم رُک کر تصاویر دوبارہ دیکھی تھیں مگر اس کا دل آنکھوں دیکھی پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

''یہ تصویریں جھوٹی ہیں''۔ اس خیال کے آتے ہی وہ باہر کی جانب بڑھا تھا مگر پھر رُک گیا تھا۔

''ان تصاویر کی جانچ پڑتال کرنے کا مقصد ہوگا کہ مجھے عفیف پر یقین نہیں ہے لیکن میں نہ عفیف سے پوچھوں گا نہ ان تصاویر کی اور اصلیت چیک کروں گا' تو مجھے سچ جھوٹ کا کیسے پتہ چلے گا؟ میں ان تصاویر کو صرف اس لیے چیک کرواؤں گا تا کہ میں پھر اس گھٹیا انسان کو اُس کی گھٹیا حرکت کی سزا دے سکوں لیکن یہ تصویریں سچ بھی تو ہو سکتی ہیں' یہ ساڑھی' یہ میک اپ عفیف نے اس دن پارٹی......'' اس کا دل عفیف کو ایک اجنبی کے بہت نزدیک دیکھ کر بھی اس پر شک کرنے کو تیار نہ تھا' مگر اس نے عفیف کو اس شخص کے ساتھ کافی شاپ میں دیکھا تھا

اور یہ تصویریں کسی مہارت کا شاخسانہ بھی نہ لگ رہی تھیں' وہ عفیف سے بہت محبت کرتا تھا اور اس پر ایک ٹرسٹ کر رہا تھا مگر اس کا دماغ بہت زیادہ الجھ گیا تھا' اس کے اندر کی محبت بے یقین ہو کر بھی اعتبار کرنے کو تیار تھی' وہ خود سے اور اپنی محبت سے لڑ رہا تھا اور اس بار بھی اس کی محبت جیت گئی تھی اور اس نے وہ تصویریں پھاڑ دی تھیں۔

''عفیف! ایسا کر ہی نہیں سکتی''۔ اس نے خود سے کہا تھا' اس کے اندر کوئی بہت زور سے ہنسا تھا مگر اس نے پرواہ نہیں کی تھی اور جس کام سے اسٹڈی میں آیا تھا وہ کرتا گاؤں کے لیے نکل گیا تھا۔

..........☆☆☆..........

''بابا سائیں! ایک عورت کو مجبور کر کے اس کے ساتھ جانوروں سا سلوک کرنا مردانگی اور غیرت کے زمرے میں آتا ہے تو مجھے اس نام نہاد مردانگی اور غیرت سے خالی ہی سمجھیں' عظمٰی کی مجھ سے شادی کرنے سے قبل ایک دفعہ بھی اس کی رائے لینا ضروری نہیں سمجھا تھا جبکہ وہ مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی''۔

''مستنیر! تجھے یہ سن کر اس کا گلا گھونٹ دینا چاہیئے تھا اور تو نے کہاں اس کا نکاح پڑھوا دیا''۔

''بابا سائیں! ایک مرد عورت کو اس کی کم صورتی' کم سیرتی اور کم علمی کسی ایک بات کو بھی بنیاد بنا کر ٹھکرا سکتا ہے مگر عورت ایک جاہل' بڑی عمر کے بدصورت و بدسیرت مرد کو بھی ٹھکرانے کا حق نہیں رکھتی اور آپ لوگ مجھے کم ہمت' بزدل چاہیں کچھ بھی کہیں مگر مجھے جو ٹھیک لگا وہ میں نے کیا' کیونکہ جب میں بحیثیت مرد اپنی من چاہی زندگی گزار سکتا ہوں تو عظمٰی اور اس جیسی تمام عورتوں کو بھی اپنی پسندیدہ زندگی گزارنے کا حق ہے اور آپ لوگ مرد کی چار شادیوں کی تو بات کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ وہی دین محمدی لڑکی کی مرضی پوچھنے کا بھی کہتا ہے' ایک عورت کو اپنا جیون ساتھی چننے کا حق شریعت نے دیا ہے مگر آپ لوگ تو اس کے اقرار اور انکار کی بابت پوچھتے ہی نہیں' سارے فیصلے خود ہی کر لیتے ہیں''۔ مستنیر شاہ کچھ غصے اور کچھ افسوس سے کہہ رہا تھا اور وہ ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے تھے' اس بار اصغر شاہ جوابی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے' احسان ملک کے خاندان سے اُن کی دشمنی مہنگی پڑ سکتی تھی مگر وہ اس کا بدلہ بعد میں لینے کا تہیہ کر چکے تھے۔

''اماں سائیں! آپ کو بھی لگتا ہے کہ میں نے غلط کیا''۔

''نہیں پتر! تو نے جو کیا وہ کوئی نہیں کر سکتا اور تیرے اس اقدام سے میں بہت خوش ہوں' مجھے خود پر فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تیرے جیسے (نیک اور اچھی سوچ رکھنے والے) بیٹے کو جنم دیا ہے' پتر تو میری کسی نیکی کا صلہ ہے''۔ سکینہ شاہ نے بیٹے کی پیشانی چوم لی تھی اور وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

..........☆☆☆..........

''بڑی بے وفا ہے عفی! میں فون نہ کروں تو تجھے توفیق ہی نہیں ہوتی''۔ ماہین رات ہی آسٹریلیا سے آئی تھی اور صبح ہی اسے ملنے آ گئی۔

''تم سناؤ' اچانک کہاں چلی گئی تھیں؟'' ماہین کو اس کا لہجہ بدلا ہوا لگا تھا۔

''یار! ڈیڈ آسٹریلیا جا رہے تھے میرا بھی ارادہ بن گیا' تم سناؤ تم خیریت سے ہو''۔ وہ جان لینا چاہتی تھی کہ جاتے جاتے جو کارنامہ انجام دے گئی تھی اس کا نتیجہ کیا نکلا۔

''ماہی! تمہاری ہر بات جھوٹ ثابت ہو گئی ہے' تم نے کیوں غلط بیانی سے کام لیا؟'' وہ چونک اٹھی تھی۔

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ماہی! چاچو تو نہیں جانتے تھے کہ مستنیر شاہ' اصغر شاہ کے بیٹے ہیں اور نہ ہی انہوں

نے مستنیر کو شادی کے لیے مجبور کیا جیسا تم کہتی آئی ہو' ماہی تم نے کیوں میری راہیں کھوٹی کیں' مجھے میرے گھر والوں کے خلاف اُکسایا' تم نے کیوں کیا وہ سب؟''

''اس لیے کہ میں تمہاری خوشیاں چھین لینا چاہتی تھی''۔ ماہین کی بات پر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔

''صرف ایک جملے پر تمہاری آنکھیں پھٹ گئیں جبکہ تمہارے ساتھ اب تک جتنا بھی بُرا ہوا صرف میرا ہاتھ تھا''۔ عفیف نے منہ کھولنا چاہا تھا مگر وہ اشارے سے اسے روک گئی تھی۔

''میں ماہین وقار خان جس پر ہزاروں لڑکے مرتے ہیں اور میرا دل جس پر آیا وہ زوہیب یزدانی تھا' زوہیب کا میرے ساتھ بی ہیویئر سیم تمہارے جیسا تھا' وہ مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہے تھے اور یہ مجھے اچھا نہیں لگا تھا' وہ تمہارے چاچو تھے اور مجھے ان کا خود کو تمہارے جیسا ٹریٹ کیے جانا غصہ دلا گیا تھا کیونکہ میں ان کے لبوں سے پیار کے گیت سننا چاہتی تھی اور جب ان کی اچانک شادی کی بات چلی تو میں نے اُن سے اظہار محبت کر دیا اور وہ مجھے بُری طرح ڈانٹنے لگے اور میری ایک ہی بات کی تکرار پر انہوں نے مجھے تھپڑ مارا اور میری بہت انسلٹ کی' میں نے اُسی دن سوچ لیا تھا کہ میں ان سے ساری خوشیاں چھین لوں گی اور اُن کی سب سے بڑی خوشی تم سے جڑی تھی اس لیے میں نے زوہیب کی شادی ہو جانے دی' میں ڈھیرے ڈھیرے تمہیں تمہارے چاچو سے بدظن کر رہی تھی مگر جب تم میری برتھ ڈے پارٹی میں ساڑھی پہن کر آئی تھیں تو میں نے اسی وقت ایک پلان ترتیب دیا اور میں نے تمہیں کڈنیپ کروالیا''۔

''واٹ' وہ تم تھیں؟''

''ہاں' میں نے اپنے فرینڈز کے ذریعے تمہیں کڈنیپ کروایا مگر میری دشمنی تم سے نہیں تھی اور میں صرف زوہیب کو دکھی دیکھنا چاہتی تھی اس لیے کچھ دیر بعد ہی انہوں نے تمہیں بھاگ جانے کا موقع فراہم کر دیا تھا' میں نے سوچا تھا تمہاری بدنامی پر زوہیب جیتے جی مر جائیں گے مگر ہوا میری سوچ کے برعکس' جانے کہاں سے تمہارا سچا عاشق نکل آیا اور تمہاری شادی ہو گئی' مجھے میرا سارا کھیل بگڑتا ہوا محسوس ہوا اس لیے میں نے وہ تمہیں بتایا جو تمہارے چاچو نے کبھی تمہیں نہ بتایا تھا' مستنیر شاہ کے بارے میں زوہیب کو علم نہ تھا کہ وہ اصغر شاہ کا بیٹا ہے مگر میں نے جھوٹ کو اتنے دلکش الفاظ میں پیش کیا کہ تم جیسی معصوم لڑکی میری باتوں پر ایمان لے آئی' تمہیں اس قدر صدمہ ہوا کہ تم ہاسپٹل پہنچ گئیں اور میں نے زوہیب کے چہرے پر وہ درد محسوس کیا (تمہاری کڈنیپنگ سے موت کے درمیان لٹکنے کے عرصے میں) جس سے میں گزر چکی تھی اور میں نے خود کو زوہیب کے ٹھکرانے پر درد کے پاتال میں اترتے دیکھا تھا مگر تم میری سوچوں سے بڑھ کر بھی معصوم تھیں' ایک طرف میری باتوں پر یقین کر رہی تھیں اور دوسری طرف زوہیب کے متعلق ویسا سوچ بھی نہیں پا رہی تھیں اور پھر تمہیں مستنیر شاہ سے خوف آ رہا تھا اور تم اپنے ڈر کی وجہ سے اسے قبول کرنا چاہ رہی تھیں' میں جو چاہتی تھی تم وہ نہیں کر رہی تھیں' میں چاہتی تھی کہ تم زوہیب سے جا کر جواب طلبی کرو اور مستنیر شاہ کا گھر چھوڑ دو' جب تم نے یہ نہیں کیا تو میں نے تمہیں اپنے ہاں پارٹی میں بلایا' کولڈ ڈرنک میں بے ہوشی کی دوا ملا دی اور اپنے کزن نعیم کے ساتھ تمہاری نازیبا تصاویر کھینچیں''۔

''ماہی! تم کن تصویروں کی بات کر رہی ہو؟''

''تم بے ہوش تھیں اس لیے لاعلم ہو' وہ تصویریں میں نے آسٹریلیا جانے سے پہلے مستنیر شاہ کو بھیج دی تھیں' میں نے تو سوچا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو کسی کے بے حد قریب دیکھ کر اپنی تمام مصلحتیں اور اچھائیاں بھول جائے گا اور تمہیں طلاق دے دے گا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا' یا تو اس نے تصویریں نہیں دیکھیں یا وہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کا زبردست حوصلہ رکھتا ہے''۔ وہ آخر میں طنزیہ بولی تھی۔

جاری ہے

سعدیہ عابد

آخری قسط

سلسلے وار ناول

پلکوں پہ جھلکے آنسو

''ہیل......لو......ووو......'' مستقل بجتی ہوئی گھنٹی کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی اور اس نے نمبر دیکھے بناء کان سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے مائی پریٹی گرل!'' زوہیب یزدانی کی آواز اُسے مکمل بیدار کر گئی تھی۔
''تھینکس چاچو! مجھے تو یاد ہی نہیں تھا''۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی' زوہیب یزدانی کے بعد مقیتہ اور پھر زرینہ یزدانی نے اُسے وِش کیا تھا۔
''جی نہیں میں نہیں آؤں گی' آپ سب میرے گھر آئیں گے''۔ زوہیب یزدانی نے اُسے ''یزدانی ولا'' آنے کا کہا وہ تب بولی تھی اور اُسی پل مستنیر شاہ اندر آیا تھا۔
''چاچو! میں نے کہہ دیا آپ سب آ رہے ہیں تو بس آ رہے ہیں' میں ویٹ کروں گی اور یہ لیجیے مستنیر سے بات کرلیں''۔ اس نے ریسیور مستنیر شاہ کو دے دیا تھا۔
''جی ہم لوگ آ جائیں گے''۔ واش روم میں جاتی وہ پلٹی تھی۔
''پلیز......اُنہیں آنے کو کہیں''۔ وہ دھیرے سے بولی تھی مگر اس نے آنے کی حامی بھر کر دو چار باتیں کر کے فون رکھ دیا تھا۔

''آپ ناراض تو مجھ سے ہیں' میرے گھر والوں نے تو آپ کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کیا تو پھر آپ کیوں نہیں چاہتے کہ چاچو یہاں آئیں جبکہ میں چاہتی تھی کہ وہ یہاں میری برتھ ڈے سیلیبریٹ کریں''۔

''بدگمانی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے عفیف!'' اس نے بات کاٹی تھی۔

''میں کیوں آپ کے گھر والوں کا آنا پسند نہیں کروں گا؟ عقل سے کام لیں تو کچھ اندازہ ہو' مجھے کسی سے بھی ناراضی کا اظہار کرنا ہوتا تو خود ''یزدانی ولا'' جانے کی بات نہ کرتا''۔ وہ کچھ خفیف سی ہوگئی تھی۔

''اس وقت میں ہاسپٹل جارہا ہوں آپ کو یزدانی ولا چھوڑ دوں گا''۔

''ناراضی کا اظہار اور پھر کیسے ہوتا ہے؟ آپ خفا نہیں ہیں تو میرے ساتھ اجنبیوں جیسا سلوک کیوں کرتے ہیں جبکہ میں اپنے بُرے رویوں پر شرمندہ ہوں''۔

''میں گاڑی میں آپ کا ویٹ کررہا ہوں' مجھے ہاسپٹل کے لیے لیٹ ہورہا ہے''۔ وہ باہر کی جانب بڑھا تھا۔

''جب آپ ہاسپٹل جارہے ہیں تو میں اکیلے گھر جاکر کیا کروں گی؟ مجھے دادو کے سوالات سے الجھن ہوتی ہے''۔

''اس وقت میرا جانا ضروری ہے اور میں شام تک یزدانی ولا آجاؤں گا''۔ وہ پلٹے بناء کہہ رہا تھا۔

''آج میرا برتھ ڈے ہے' میں اتنی بُری ہوں کہ آپ مجھے وِش نہیں کریں گے''۔ آگے وہ بول نہیں سکی تھی' حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا تھا۔

''عفیف! آج میں نے آپ کو ایسا گفٹ دینے کا سوچا ہے کہ آپ کا سارا ملال جاتا رہے گا اور آپ میرے دیئے گفٹ اور زبردست سرپرائز کو زندگی بھر نہ بھلا سکیں گی''۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا تھا' اس کی آنکھوں میں یکدم خوف کی پرچھائی لہرائی تھی اور وہ جسے نظر انداز کرتا باہر نکل گیا تھا۔ عفیف کے دل کی حالت عجیب سی تھی' اسے لگ رہا تھا کہ وہ آج اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا' وہ بمشکل تیار ہوتی نم پلکوں سے نیچے آئی تھی' حسرت بھری نگاہ درودیوار پر ڈالتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی' وہ اسے روکنا چاہتی تھی مگر اس کے تنے چہرے کو دیکھ کر اس کی کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں پڑرہی تھی۔

''آنسو پونچھ کر اندر جائیے گا' کیوں میرے اچھے امیج کو خراب کرنے پر تلی ہیں یہ اور بات ہے کہ آج فیصلہ ہو ہی جائے گا''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا' وہ تڑپ کر اسے دیکھنے لگی تھی اور اس کا دل ڈگمگا سا گیا تھا' خیال آیا تھا کہ اسے ستانے کا ارادہ ترک کردے مگر وہ جو خوشی آج اسے دینے والا تھا اس کا خیال کرکے مطمئن سا گاڑی بڑھا لے گیا تھا۔

............☆☆☆............

''آپ کی کیسی طبیعت ہے؟'' وہ نرمی و شائستگی سے دریافت کررہا تھا۔

''میرے نزدیک سانسیں چلنے کا نام زندگی ہے ورنہ طبیعت کی بحالی یا کسی خوشی سے مجھے کوئی لینا دینا نہیں ہے' جس انسان کی خاطر کبھی اس دل میں جینے کی خواہش انگڑائی لیا کرتی تھی جب اسے کھودیا تو زندگی کا جواز باقی نہیں رہا' فخر سے اٹھا سر جھک گیا' محبت راہ میں کھوگئی' ماں بھائی باپ بچھڑ گئے' بہن نہ رہی' صدف ہمدانی مر گئی ڈاکٹر' جینے کا جواز کہاں سے لاؤں......؟'' سبز آنکھیں کسی بھی احساس سے عاری تھیں۔

''جینے کا جواز تو اب بھی موجود ہے''۔ وہ دھیرے سے بولا تھا۔

''بہت کچھ وقت کی دھول میں آپ سے بچھڑ گیا' آپ کے خالو جان نہ رہے مگر خالہ امی آج بھی آپ کو یاد کرکے روتی ہیں''۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ بولے جارہا تھا۔

''بہن منوں مٹی تلے جا سوئی مگر بھائی آج بھی آپ کو یادوں میں زندہ رکھے ہوئے ہے (اس کا اشارہ زوہیب یزدانی کی جانب تھا کیونکہ اس کے سگے والدین تو تھے نہیں جو کچھ رشتے تھے وہ سب کے سب شعیب یزدانی یعنی اس کی خالہ کی فیملی سے تھے) آپ کی محبت جب آپ کو چاہ کر بھی محفوظ نہیں کر پائی تھی تو اُسی پل صدمے سے شعیب یزدانی کی دماغ کی نسیں پھٹ گئی تھیں اور جس دل کو قرار آپ سے تھا اس قلب کی حرکت ساکن ہوگئی تھی' آپ کی محبت وہ شخص مرگیا لیکن اس کی اور آپ کی بہن کی پرچھائی عفیف وہ آج بھی آپ کی کہیں نہ کہیں منتظر ہے' آپ نے بہت کچھ کھودیا لیکن پھر بھی بہت کچھ آپ کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اصغر شاہ آپ کی تمام تر بربادیوں کے باوجود آج خوش و خرم زندگی بسر کررہا ہے اور آپ' جینے کا جواز چاہتی ہیں تو اصغر شاہ کی بربادی آپ کا نصب العین ہے' آپ کو اپنے پیاروں میں لوٹنا چاہیے' ایک نئے حوصلے کے ساتھ' صدف ہمدانی مرگئی تو کیا ہوا' موت تو سب کو آنی ہے' اب آپ کو صرف ایک ''عورت'' بن کر میدان میں اترنا ہے کیونکہ جو آپ نے کھویا وہ نہیں پاسکتیں تو وہ شخص کیوں زندگی سے خوشیاں کشید کرتا رہے؟ آپ نے اپنی بہن اپنی محبت اور صدف ہمدانی کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے کیونکہ موت برحق ہے لیکن...... ایسی موت جو ذلت کا باعث ہو جبکہ مرنے والا ایسی موت کا حقدار نہ ہو تو' اس ذلت کا بدلہ لینا ضروری ہوتا ہے اور آپ' وہ آخری کلی نہیں جسے اصغر شاہ نے مسلا تھا' اصغر شاہ تو اپنا گھناؤنا کھیل اب بھی جاری رکھے ہوئے ہے اور آپ صرف آپ وہ ہیں جو خود اپنے اور ہزاروں معصوم لڑکیوں کی عصمتوں کی پامالی کرنے والے درندے کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتی ہیں' بس ایک عزم اور حوصلہ کریں' کالا کوٹ باہیں پھیلائے آپ کا منتظر ہے''۔ وہ یہ سب کہتے ہوئے یہ فراموش کرگیا تھا کہ وہ جس کی بات کررہا ہے وہ اس کا باپ ہے' اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ شخص کتنی ہی معصوم کلیوں کو روند چکا ہے اور اب سزا اس کی منتظر ہے۔

''ایک عورت کے لیے اَنا' ضد' خواہش' احترام کی چاہ' پندار کی حفاظت سب معنی رکھتے ہوئے بھی معنی نہیں رکھتیں کیونکہ عورت خواہش کے بدلے جی سکتی ہے محبت کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے لیکن عورت کی عصمت کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا' ماضی میں' میں نے جو کھویا اور جس کی خاطر میری بہن جان سے گزر گئی میں وہی کھیل اپنی بھانجی......''

''آپ کو عفیف کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے' وہ مضبوط پناہوں میں ہے' بس ایک فیصلہ آپ نے کرنا ہے''۔

''محفوظ پناہ...... ڈاکٹر میں تنہا نہیں تھی' میری محبت میرے سامنے بندھی خدا کو پکار رہی تھی' پتہ ہے ڈاکٹر میں سوچتی تھی کہ صرف عورت مجبور ہوتی ہے لیکن میں غلط تھی کیونکہ مجبوری کا لفظ کسی ''جنس'' سے منسوب نہیں ہے یہ تو وقت کی ایک چال ہے جس کے سامنے مرد و زن' امیر و غریب' شاہ و گدا سب بے بس ہوجاتے ہیں' بااختیار لوگ بھی وقت کی دھوپ میں جل جاتے ہیں' اُن کی حیثیت بھی مٹی' کنکر سے بڑھ کر نہیں ہوتی''۔ اس نے تلخی سے مستنیر شاہ کی بات کاٹی تھی' کمرے میں کچھ دیر خاموشی چھا گئی تھی اور اسی خاموشی میں صدف کا مضبوط لب و لہجہ گونجا تھا۔

''ڈاکٹر! جو میں نے کھونا تھا وہ میں کھوچکی لیکن اب اصغر شاہ کی باری ہے' میں اس کو کیفر کردار تک پہنچا کر اپنا بدلہ نہیں لوں گی''۔ صدف نے عزم سے کہتے ہوئے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

''آپ نے زندگی گزارنے کے لیے جس سمت کا تعین کیا ہے اس راہ میں مجھے اپنا ہمقدم پائیں گی''۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا جس پر اس نے بھیگی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ قدرے مطمئن ہوگیا تھا۔

''میں آپ کو کہیں لے جانا چاہتا ہوں''۔

''کہیں کیوں بولتے ہو ڈاکٹر؟ یہ کیوں نہیں بولتے کہ مجھے خالہ امی سے ملوانے لے جارہے ہو لیکن پہلے یہ تو

بتاؤ کہ تم نہ صرف اصغر شاہ کے بارے میں بلکہ میری پوری فیملی کی بابت بھی کیسے جانتے ہو؟'' وہ بہت دن سے ذہن میں کلبلاتے سوال کو بالآخر کر بیٹھی تھی۔

''آپ کی جرح کا انداز ہی بتا دیتا ہے کہ آپ وکیل ہیں مگر میں فی الحال کچھ نہیں بتاؤں گا' یزدانی ولا جا کر آپ کو سب کچھ پتہ چل جائے گا اس لیے اب ہمیں چلنا چاہیے''۔ وہ خوشدلی سے کہتا کھڑا ہو گیا تھا۔

''ڈاکٹر! میری فیملی کو میرے بارے میں......''

''ابھی کچھ نہیں بتایا' سرپرائز دینے کا ارادہ تھا''۔ وہ ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اور موبائل اٹھاتا ہوا بولا تھا۔

''آپ کے گھر والوں کو آپ کی لاش نہیں ملی تھی' شعیب یزدانی کی لاش سمندر کنارے سے ملی تھی کیونکہ اصغر شاہ نے کڈنیپنگ کو ایکسیڈنٹ کا روپ دے دیا تھا' آپ کے گھر والوں اور پریس نے یہی سمجھا کہ آپ سمندر میں ڈوب گئیں' آپ چاہیں تو ماضی کی دردناک تصویروں پر گرد پڑے رہنے دیتے ہوئے صرف اتنا ظاہر کر دیں کہ اصغر شاہ نے شعیب یزدانی کا مرڈر کر کے آپ کو حویلی میں قید کر دیا تھا' اور آپ رہائی اب ہی کیوں ممکن ہوئی...... یہ سوال آپ سے کوئی نہیں کرے گا' آپ کے ذہن میں یقیناً کئی کوئسچن مارک ابھر آئے ہوں گے لیکن اس کا جواب آپ کو یزدانی ولا جا کر مل جائے گا''۔ وہ اس کے کہنے پر سوال کرنے کا ارادہ ترک کرتی اس کے پیچھے ہی اس روم سے نکل آئی تھی' گاڑی جانے پہچانے راستوں پر گامزن تھی اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں' کچھ دکھ اور کچھ خوشی کے احساس سے......

............☆☆☆............

''عفی جانو! اتنی ٹینس کیوں ہو؟ سب خیریت تو ہے؟'' وہ اس کی غائب دماغی محسوس کر رہے تھے' کھانا بھی برائے نام کھایا تھا اور کافی رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی تھی مگر اسے کچھ خبر ہی نہ تھی۔

''چاچو! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' مستنیر میری کوئی بات سنتے ہی نہیں ہیں' وہ مجھ سے ناراض ہیں' انہوں نے وہ تصویریں بھی دیکھ لیں' وہ آج مجھے کوئی سرپرائز دینے کی بات کر رہے تھے' چاچو میں نے جو کچھ کیا وہ ماہین کے بہکاوے میں آ کر کیا اور تصویروں کی بابت تو میں کچھ جانتی ہی نہیں ہوں مگر وہ انہی تصویروں کو بنیاد بنا کر مجھے چھوڑ دیں گے' اور میں اُن سے الگ ہو کر مر جاؤں گی' بہت چاہنے لگی ہوں' ان کی سرد مہری مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تو اُن کی جدائی کیسے سہہ پاؤں گی''۔ وہ ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر بلکنے لگی تھی' انہوں نے کچھ کہنے کو لب وا کیے تھے کہ سامنے کھڑے مستنیر شاہ کو دیکھ کر چپ کر گئے تھے۔

''السلام علیکم......!'' آواز پر اس نے سر اٹھایا تھا اور گھوم کر دیکھنے پر جو چہرہ نظر آیا تھا وہ اس کے خوف کو مزید بڑھا گیا تھا' وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر زوہیب یزدانی نے اس کا ہاتھ تھام کر اشارے سے منع کر دیا تھا اور لاؤنج میں داخل ہوتی دادی کو دیکھ کر وہ آنسو پونچھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''بیٹا! تمہاری کیسی طبیعت ہے؟ اور گھر میں سب خیریت ہے؟'' مستنیر شاہ سے انہوں نے پوچھا تھا۔

''جی اللہ کا شکر سب خیریت سے ہیں''۔ وہ مسکرا کر بولا تھا۔

''عفی! جا کر دیکھو ہاجرہ نے چائے بنا لی ہے تو لے آؤ' ساتھ ہی کیک بھی لے آنا''۔ زوہیب یزدانی نے اسے وہاں سے ہٹانا چاہا تھا کیونکہ وہ محسوس کر سکتے تھے کہ وہ ضبط کیے ہوئے بیٹھی ہے۔

''کیک بھی کھاؤں گا اور چائے پینے سے تو میں انکار کرتا ہی نہیں ہوں لیکن ابھی نہیں' ابھی ایک سرپرائز میں آپ سب کو دینا چاہتا ہوں' جایئے عفیف! ڈور کھولیے''۔ وہ زوہیب یزدانی سے کہتا آخر میں عفیف کو دیکھ

کر بولا تھا جبکہ اس کے چہرے پر خوف کا جال سا بچھ گیا تھا' زوہیب یزدانی نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر اسے اٹھ کر جانے کو کہا تھا مگر وہ انکاری تھی۔

''عفیف! سوچ کیا رہی ہیں' جلدی جایئے کوئی آپ کا منتظر ہے''۔ مستنیر شاہ نے کہا تھا اور وہ چاچو کے اشارے پر کانپتے دل کے ساتھ اٹھ گئی تھی جبکہ اس کا دل عفیف کی نم پلکوں میں اٹک اٹک گیا تھا۔

''آ آ...... آن...... آن...... آنی......'' دروازے میں کھڑی عورت کو چند لمحے تکنے کے بعد وہ بے یقینی سے ہکلائی تھی اور اس عورت کا سرا ثبات میں ہل گیا تھا۔

''دادو...... چاچو سب جلدی آئیں''۔ وہ جوش سے چلائی تھی' زوہیب یزدانی فوراً لپکے تھے اور انہی کے پیچھے زرینہ یزدانی بھی بڑھی تھیں' کچھ دیر بے یقینی و تحیر سے دیکھتی وہ ''صدف'' کہتیں اسے گلے لگا گئی تھیں' صدف اتنے برس بعد ماں جیسی خالہ کو دیکھ کر ضبط کھو بیٹھی تھی' مقیتہ نے ہی آگے بڑھ کر ان دونوں کو الگ کیا تھا اور وہ آگے پیچھے چلتے لاؤنج میں آ گئے تھے۔

''صدف بیٹی! اتنے برس بعد تمہیں زندہ دیکھ کر کس قدر خوشی ہوئی ہے ہم لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے' تم کہاں چلی گئی تھیں؟'' وہ عفیف کو خود سے الگ کرتی خالہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''خالہ امی! میری زندگی تو تھی مگر اپنوں سے بچھڑ کر' ایک قیدی کی سی زندگی جس میں نہ موت آتی تھی اور نہ ہی زندگی کی رمق محسوس ہوتی تھی''۔ زرینہ یزدانی کے ہاتھ تھامے وہ دلگرفتگی سے کہہ رہی تھیں اور پھر انہوں نے دھیرے دھیرے انہیں سچائی بتا دی تھی مگر وہ سچائی جو اسے مستنیر شاہ نے بتانے کو کہا تھا جس میں جھوٹ کی آمیزش تھی' اس کے چپ ہوتے ہی سب کی نگاہیں مستنیر شاہ پر جم گئی تھیں۔

''بیٹا! تمہارے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ جن کا قرض چکانا بھی چاہیں تو نہیں چکا سکتے اور آج تم نے جو کیا ہے وہ ہم تازندگی یاد رکھیں گے' تم نے ہمیں ہماری بیٹی لوٹا دی ہے اور ہم مزید تمہارے قرض دار......''

''پلیز آنٹی! کیوں شرمندہ کرتی ہیں اور میں کون سا غیر ہوں' میں نے جو کیا وہ اپنے ہی گھر والوں کے لیے کیا''۔ اب چونکنے کی باری صدف ہمدانی کی تھی۔

''آنٹی! کہیں نہ کہیں میں آپ سب کا گناہگار ہوں مگر خدا گواہ ہے بابا سائیں کے کسی جرم کا میں شریک کار نہیں ہوں اور نہ میں ان کے ماضی کے جرائم سے ہی واقف تھا مگر جب عفیف کے ذریعے مجھے پتہ چلا کہ ان کے پیرنٹس کی ڈیتھ کیسے ہوئی تو مجھ سے رہا نہیں گیا' میں حقیقت کا سراغ لگا رہا تھا مگر حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد بابا سائیں سے سوال و جواب نہیں کر سکا' مگر اب میں اپنے بابا سائیں کے خلاف جانے کو تیار ہوں' اس لیے کہ حقیقت مجھ سے چھپی نہیں ہے اور گناہگار کو اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے''۔ وہ کافی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور وہ یہاں بھی عفیف کو صاف بچا گیا تھا۔

''میں آپ سب سے شرمندہ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اب آپ کو مجھ سے تعلق جوڑے رکھنا ممکن نہ ہو''۔

''نہیں مستنیر! تم سے تعلق جوڑنے کا سبب صرف تمہاری ذات تھی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اب تم سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیں گے' تم کل بھی ہمارے لیے قابل احترام تھے آج بھی ہو اور آئندہ بھی رہو گے' ہم کبھی بھی نہیں چاہیں گے کہ تم سے تعلق کی ڈور ٹوٹے اور عفیف تمہاری بیوی ہے اور یہ رشتہ اتنا کمزور نہیں ہوتا کہ کسی کی غلطی کے سبب لمحے میں توڑ دیا جائے' ہماری عفیف سے اگر کوئی غلطی ہوئی ہے اس بات کو بنیاد بنا کر اس نے آپ سے مس بی ہیو کیا ہے تو ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں''۔ زرینہ یزدانی نے جذباتی ہو کر اس کے سامنے

ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور وہ لمحہ ضائع کیے بناء اپنی جگہ سے اٹھ کر اُن تک آیا تھا۔

''آنٹی! بڑے بچوں سے معافی طلب نہیں کرتے''۔ وہ اُن کے ہاتھ تھام گیا تھا۔

''مجھے آپ لوگوں سے یا عفیف سے کوئی شکایت نہیں ہے' عفیف نے مجھ سے کبھی مس بی ہیو نہیں کیا' مجھے عفیف سے کسی قسم کی شکایت نہیں ہے''۔ وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا اور وہ اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی' اس نے تو ایک دفعہ بھی اس سے سیدھے منہ بات نہ کی تھی اور وہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔

''اور میں کوشش کرتا ہوں کہ مجھ سے بھی عفیف کو شکایت نہ ہو' میں نے تعلق توڑنے کی غرض سے بات نہ کی تھی' میرا خیال تھا کہ شاید آپ کو میرے حوالے پر اعتراض ہو مگر آپ نے میرے اس خیال کو مسترد کر دیا''۔ وہ ہلکے سے مسکرایا تھا اور زرینہ یزدانی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور اشارے سے عفیف کو اپنے پاس بلایا تھا۔

''ہم نے اپنی جان سے پیاری پوتی تمہارے خلوص اور محبت کو دیکھتے ہوئے تمہیں سونپی تھی' لمحہ بھر کو ہمیں یہ احساس نہیں ہوا کہ ہمارا فیصلہ غلط ہے' جانتے ہیں ہم اس میں ابھی بھی بچپنا ہے' اکثر الٹی سیدھی حرکتیں کرتی رہتی ہے اور تم اچھے خاوندوں کی طرح اس کی ہر غلطی پر پردہ ڈالتے رہتے ہو''۔ زرینہ یزدانی نے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا ایک جہاں شرمندہ ہوئی تھی دوسرا جھینپ کر دھیرے سے مسکرا دیا تھا' زرینہ یزدانی نے باری باری دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دی تھیں' مقیتہ کیک وغیرہ لینے کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''چاچو! جلدی سے میرا گفٹ نکالیں''۔ وہ بڑی دھونس سے بولی تھی اور زرینہ یزدانی کے برابر بیٹھی صدف نے بہت پیار سے اس پر نگاہ کی تھی' کشف کہنے کو اس سے بڑی تھی (ایک سال) مگر وہ اس سے ایسے ہی گفٹ مانگا کرتی تھی' اس کی آنکھیں بہن کو یاد کر کے جھلملا گئی تھیں' زرینہ یزدانی نے اسے پیار سے گھورا تھا اور وہ ہلکے سے مسکراتی اُن لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

''یار! اب تو میرا پیچھا چھوڑ دو اور یہ جو تمہارا مجازی خدا براجمان ہے اس سے مانگو' وہ بھی مانگتا ہے''۔ انہوں نے اسے صاف ہری جھنڈی دکھانا چاہی تھی' اس نے نگاہ اٹھا کر کچھ فاصلے پر موجود مستنیر شاہ کو دیکھا تھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

''زیادہ اترائیے نہیں میرا گفٹ نکالیے' ویسے بھی میں آپ کا پیچھا چھوڑنے کا ارادہ رکھتی ہی نہیں ہوں''۔ وہ ادائے بے نیازی سے بولی تھی۔

''لو...... بے صبری' جنگلی بلی''۔ انہوں نے اس کی ناک کھینچتے ہوئے گفٹ پیک اپنی پشت سے اٹھا کر دیا تھا جسے وہ بے قراری سے کھولنے لگی تھی۔

''کیا چاچو! کبھی آپ کہتے ہیں میں بڑی ہو گئی لیکن برتھ ڈے گفٹ مجھے اب بھی ڈول ہی دیتے ہیں''۔ اس نے منہ پھلا کر کہا تھا۔

''بڑی تو میری بیٹی واقعی ہو گئی ہے لیکن میرے لیے تو ہمیشہ پیاری سی باربی ڈول ہی رہے گی اس لیے مجھے اپنی گڑیا کے لیے گڑیا سے بڑھ کر کوئی تحفہ لگا ہی نہیں''۔ وہ اپنے مخصوص پیار بھرے لہجے میں بولے تھے اور وہ کھلکھلاتے ہوئے ان کے کاندھے پر سر ٹکا گئی تھی۔

''تھینکس چاچو!'' اس کے معصوم انداز پر اُن کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی جبکہ وہ جان کر انجان بنا بیٹھا تھا' مقیتہ نے اسے بریسلٹ' زرینہ یزدانی نے گولڈ کے ٹاپس اور صدف نے گلے میں پہنی سونے کی چین جس میں K+S کا لاکٹ تھا عفیف کے گلے میں پہنا دیا تھا۔

''چالاک لڑکی! ہم سب سے تو گفٹ وصول لیے لیکن نیر بھائی سے ایک دفعہ جو گفٹ کے لیے کہا ہو''۔ مقدیہ شرارت سے کہہ رہی تھی۔

''وہ کیا ہے ناں چاچی! کچھ دیر بعد میں نے اپنے گھر چلے جانا ہے فرار ہونے سے پہلے سوچا کہ آپ سب سے گفٹ لے لوں، مستنیر سے تو گھر جا کر بھی لے سکتی ہوں، انہوں نے کون سا کہیں جانا ہے''۔ آنکھوں کی چمک جہت انوکھی لگی تھی، کچھ کہتی بولتی ہوئی آنکھیں اس کا دل دھڑکا گئی تھیں جبکہ وہ اس کی آنکھوں میں تحیر دیکھ کر پلکیں جھکا گئی تھی، کیک بہت اچھے ماحول میں کاٹا گیا تھا اور ڈنر کے بعد مستنیر شاہ کے رُک جانے کا کہنے کے باوجود وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی، زوہیب یزدانی اس کے اچھے مستقبل کے لیے دعا گو تھے۔

............☆☆☆............

''بتول بی! ایک کپ چائے مجھے کمرے میں دے دیں''۔ وہ ابھی چائے پی کر آیا تھا مگر عادت اب ایسی پختہ ہوگئی تھی کہ وہ آرڈر کرتا روم میں چلا گیا تھا جبکہ وہ کمرے میں جانے کی بجائے کچن میں چلی گئی تھی اور جس وقت ٹرے میں کپ رکھے روم میں داخل ہوئی تھی وہ بیڈ پر سلیپنگ گاؤن میں نیم دراز تھا، وہ چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھتی ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئی تھی اس نے چوڑیاں اتاری تھیں، ٹاپس اتار کر گلے میں پہنی چین اور گلو بند اتار کر ٹشو کی مدد سے میک اپ صاف کیا تھا اور اس سب کام کے دوران وہ دل ہی دل میں اسے مخاطب کرنے کا ارادہ باندھتی رہی تھی مگر ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی اور وہ خود پر جھنجلاتی وارڈ روب کھول کر کھڑی ہوگئی تھی، کئی ہینگر الٹ پلٹ کرنے کے بعد وہ بلیک کلر کی نائٹی لے کر واش روم میں چلی گئی تھی اور جب وہ واپس آئی تھی تو خالی کمرہ اس کا منہ چڑا رہا تھا، اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''خود کو جانے کیا سمجھتے ہیں، غلطی ہوگئی شرمندہ ہوں، معافی مانگنا چاہتی ہوں مگر وہ ہیں کہ مجھے موقع ہی نہیں دے رہے، دادو کے سامنے کیسے کہہ رہے تھے کہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے اور گھر آتے ہی اجنبی بن گئے، خفا ہیں تو اظہار کریں یہ کیا چپ کی مار مار رہے ہیں''۔ وہ با آواز بلند خود سے باتیں کر رہی تھی لیکن اسے احساس نہیں تھا چونکی تو وہ تب تھی جب کمرے میں گھمبیر لب ولہجہ گونجا تھا۔

''نہ سوال سود وزیاں کا کر، ہے کیا وہ جو مجھ کو ملا نہیں
میرے ہمسفر تو یقین کر، مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں
ہیں تیرے کرم کی ہی بارشیں جو سدا رہیں میرے حال پر
کروں تجھ سے کوئی گلہ کبھی، یہ محبتوں کا صلہ نہیں''

وہ اس کے عین سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا اور وہ شرمندگی کے اتھاہ سمندر میں اترتی چلی گئی تھی اور بھیگتی پلکوں کے ساتھ اس نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تھے جنہیں وہ پل بھر میں تھام گیا تھا، اس کے لب کچھ کہنے کی چاہ میں لرز کر رہ گئے تھے، مستنیر شاہ نے بغور اس چہرے کو دیکھا تھا جسے دیکھتے ہی اسے زندگی سے پیار سا ہو گیا تھا، جس کو پانے کے لیے دل مچلتا تھا مگر اس کی خوشی کا خیال اسے رب سے مانگنے نہیں دیتا تھا، مگر اسی رب نے بن مانگے اسے اس کی محبت دے دی تھی مگر یہ سامنے کھڑی لڑکی، وہ بدگمان و نفرت میں اتنی بڑھی کہ اس کی آنکھوں کی جذبے لٹاتی تحریر اور قلب کی دھڑکن سن ہی نہ سکی اور اسے بے دردی سے ٹھکرا دیا، مگر وہ ظرف بڑا کر کے اس کی ہر خطا کو معاف کرتا گیا، دل ہر خطا معاف کرتا جاتا لیکن دماغ کی بھی اپنی تاویلیں تھیں مگر زندگی میں ہر فیصلہ دماغ سے کرنے والا صرف دل کی دھڑکنوں کا ساز سنے جاتا وگرنہ یہ سامنے کھڑی لڑکی بعض اوقات اس حد تک

بڑھ گئی تھی کہ کوئی اور ہوتا تو کب کا زندگی سے ناتا توڑ چکا ہوتا جبکہ وہ اس کی ہر ایک خطا کے باوجود اس کی خاطر جان دینے چلا تھا اور وہ آج معافی کی طلبگار تھی' اس کی آنکھوں میں شرمندگی ہلکورے لے رہی تھی اور یہاں بھی اس نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے ایک لفظ کہنے کا موقع دیئے بغیر کھینچ کر سینے سے لگالیا تھا اور عفیف جو اس کے بُرے رویے کا سوچے بیٹھی تھی اس کے سینے سے لگی بلک اٹھی تھی۔

''مستنیر! آپ بہت اعلیٰ ظرف ہیں کہ مجھے معافی طلب کرنے سے قبل ہی آپ نے معاف کر دیا لیکن میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں کیونکہ میں اب تک شرمندگی کی زندگی جیتی آئی ہوں اور نہیں چاہتی کہ آگے بھی ایسی ہی زندگی جیوں''۔ وہ کچھ دیر بعد اس سے الگ ہوتی کہہ رہی تھی۔

''میں نے زندگی میں صرف محبتیں سمیٹیں' میری زندگی کا محور چاچو اور دادو تھیں' انہوں نے مجھے صرف محبت کرنا سکھایا اور میں نے جیسے جیسے زندگی کی جانب قدم بڑھائے بہت سے احساسات میرے دل و دماغ پر دستک دینے لگے' میں نے کسی سے نفرت نہیں کی تھی کیونکہ مجھے نفرت کرنا سکھایا ہی نہیں گیا تھا مگر پھر زندگی کے حلقے میں نفرت کرنا بھی سیکھ گئی اور میں نے زندگی کی پہلی و آخری نفرت جس سے کی وہ ''جاگیردار اور جاگیردارانہ نظام'' تھا' میرے پیرنٹس کی ڈیتھ بچپن میں ہوگئی تھی اور کیسے ہوئی تھی اس کا علم مجھے 22 سال کی عمر میں ہوا تھا اور میری نفرت ''جاگیرداروں'' کے لیے بڑھ گئی تھی' میری آپ سے ملاقات ہوئی آپ جاگیردار تھے مجھے آپ سے خوف آتا تھا اور آپ میری نفرت کی لسٹ میں ٹاپ پر نہیں دوسرے نمبر پر تھے' پہلا نمبر اصغر شاہ کا تھا مگر آپ نے ہمیشہ میری مدد کی اور مجھے لگتا کہ آپ اچھا بننے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے مستنیر! میں نے آپ سے نہیں ہمیشہ آپ کے حوالے سے نفرت کی' مگر میں نہیں جانتی تھی کہ یہی حوالہ میری پہچان بننے والا ہے اور جب مجھے یہ پتہ چلا کہ آپ اصغر شاہ کے بیٹے ہیں تو میں نے وہ سب کیا جیسا سلوک ایک بیٹی کو اپنے پیرنٹس کے قاتل کے بیٹے سے کرنا چاہیے تھا' اس میں آپ کی خطا نہ تھی مگر اس سب میں آپ کی ذات متاثر ہوئی' مگر مجھے آپ سے ذاتی پُرخاش نہ تھی اس لیے آپ کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے آپ کی خوبیوں کا ادراک ہوا تو میں خود سے اعتراف کرتی چلی گئی مگر آپ سے نہ کہہ سکی اور ایسا کرنے سے مجھے ماہین نے بھی روکا ہوا تھا' میں جاگیرداروں سے نفرت کرتی تھی اور وہ اس نفرت کو ہوا دے رہی تھی اور وہ لمحہ جب آپ نے مجھے لگنے والی گولی اپنے سینے پر کھائی تھی وہ لمحہ مجھے اپنی ہر نفرت بھلا گیا' میں آپ کا حوالہ بھول گئی' مجھے یاد رہا تو اتنا کہ آپ میرے شوہر ہیں اور آپ کو کچھ ہوگیا تو میں بھی جی نہیں پاؤں گی' میں نے آپ کو کبھی بددعا نہیں دی تھی تو کبھی آپ کے لیے دعا بھی نہ کی تھی' مگر اس دن میں نے آپ کی زندگی کی دعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ کو میری آزمائش مقصود نہ تھی آپ جی اٹھے تھے اور آپ کا نیا جیون میرے لیے بھی نیا جیون لایا تھا' میں نے آپ سے کبھی نفرت نہیں کی تھی اور آج میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے زندگی میں کسی کو چاہا ہے تو وہ آپ ہیں' آپ میری محبت اور جیون کا احساس ہیں' آپ بن میری ذات کچھ بھی نہیں ہے' آپ کا حوالہ میری پہچان اور آپ کی محبت میری زندگی ہے' میں آپ بن ادھوری ہوں مستنیر! میری ذات کو اپنے احساس سے مکمل کر دیں' مجھے میری زندگی کی آخری سانس تک کے لیے اپنا ساتھ سونپ دیں' مجھے معاف تو کر چکے ہیں اپنی پناہوں میں جگہ بھی دے دیں' میں آپ سے کچھ اور نہیں مانگتی آپ صرف مجھے اپنی بانہوں کا سہارا اپنا مضبوط ساتھ فراہم کر دیں''۔ وہ نم پلکوں سے اس سے التجا کر رہی تھی۔

''عفیف! اب تک میں تنہا ہی خود سے' آپ سے' اپنی محبت سے' آپ کی نفرت سے' اپنی انا و خودداری سے'

آپ کی ضد وہٹ دھرمی سے' اپنی مردانگی اور آپ کی نسوانیت سے لڑتا آیا ہوں' ہر ایک جذبے کو ''محبت'' نے شکست دے دی اور میں بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میری پہلی و آخری محبت صرف آپ ہیں' زندگی میں آنسو اور مسکراہٹیں آپ کے دم سے ہیں' آپ سے شادی کرنے کی وجہ ''محبت'' تھی' آپ کی ہر بدتمیزی کو سہنے کی وجہ ''محبت'' تھی اور بن مانگے ہر خطا معاف کرنے کی وجہ ''محبت'' ہے' گر محبت نہ ہوتی تو معاف کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا لیکن ایک محبت کے ہونے سے ہمارا رشتہ قائم ہے اور میں چاہوں گا کہ یہ محبت کی حسین ڈور ہماری آخری سانس تک مضبوطی سے بندھی رہے''۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا اور اس نے نم پلکوں سے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں دے دیا تھا اور مستنیر شاہ نے مسکراتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچا تھا اور اس کی پلکوں پہ چمکتے آنسو ہونٹوں سے چنتے ہوئے اپنی محبت کا عملی ثبوت دینا شروع کیا تھا' جبکہ اس کے چہرے پر حیا کی لالی بکھرتی چلی گئی تھی' ایک آسودہ زندگی ان کی منتظر تھی جسے ان دونوں نے مل کر حسین بنانا تھا۔

............☆☆☆............

''بابا چاچو! یہ جہانزیب کے بچے کو سنبھالیں' یہ میرا موڈ خراب نہ کرے' جبکہ میں پہلے ہی غصے میں ہوں''۔ وانیہ نے زوہیب یزدانی کو مخاطب کیا۔

''وانی! بڑوں سے ایسے بات کی جاتی ہے' جہانزیب تم سے پورے 4 سال بڑا ہے''۔ عفیف نے بیٹی کو گھورا تھا اور لمحوں میں اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

''وانی! ادھر آؤ میرے پاس اور بتاؤ اس گدھے نے تم سے کیا کہا ہے؟'' زوہیب یزدانی نے عفیف کو گھورتے ہوئے وانیہ کو اپنے پاس بلایا تھا۔

''بابا چاچو! جہانزیب کہہ رہا تھا کہ میں کل انگیجمنٹ میں پنک ڈریس پہنوں' پنک کلر مجھ پر سوٹ کرتا ہے''۔ وہ جہانزیب کے بہت اشارے کرنے پر بھی کہتی چلی گئی تھی جبکہ وہ اب شرمندگی وخجالت سے سر جھکائے بیٹھا تھا اور کمرے میں موجود سب لوگ اس کی حالت پر مسکرا رہے تھے۔

''جہانزیب کچھ غلط تو نہیں کہتا' میری گڑیا پر پنک کلر واقعی سوٹ کرتا ہے''۔ زوہیب یزدانی نے ایک نگاہ بیٹے پر ڈال کر اسے کہا تھا۔

''بابا چاچو! آپ کہتے ہیں تو مان لیتی ہوں ورنہ مجھے تو جہانزیب کی بات کا ذرا بھی اعتبار نہیں ہے' یہ کہہ رہا تھا کہ میں بغیر میک اپ کے بھی بہت حسین لگتی ہوں' آپ خود بتایئے کوئی دھلے ہوئے منہ کے ساتھ بھی حسین لگتا ہے بھلا؟'' وہ ناک چڑھا کر استفسار کر رہی تھی' جہانزیب کا دل چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دے یا وہ وہاں سے غائب ہو جائے۔

''تجھے عشق لڑانے کے لیے یہی نادان حسینہ ملی تھی''۔ کاشف اس کے کان میں تقریباً گھس کر بولا تھا اور وہ محض اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

''وانی! کچن میں جا کر دیکھو ہانیہ کیا کر رہی ہیں' چائے ابھی تک بنی کیوں نہیں''۔ عفیف نے اُسے وہاں سے ہٹانا چاہا تھا کیونکہ وہ جہانزیب کو زیادہ دیر شرمندگی کے حصار میں دیکھ نہ پائی تھی جبکہ وہ برے برے منہ بناتی کچن میں چلی گئی تھی۔

''ہاں بھئی برخوردار! بچی سے ایسی باتیں کرتے تمہیں شرم نہیں آتی''۔ زوہیب یزدانی مسکراہٹ چھپائے پوچھ رہے تھے۔

''میں ابھی آتا ہوں بابا جان! بہت ضروری کال آ رہی ہے''۔ وہ جلدی سے باہر نکل گیا تھا اور وہ سب مسکرا دیئے تھے۔

وقت بہت جلدی گزر گیا تھا' اور گزرے 25 سالوں میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی تھیں' صدف ہمدانی نے اصغر شاہ کے خلاف کیس لڑا تھا اور وہ جیت گئی تھیں' اصغر شاہ کو قانون نے سزائے موت دے دی تھی' صدف ہمدانی نے غریب لڑکیوں کے لیے ایک ٹرسٹ قائم کیا تھا جہاں انہیں مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا تھا' صدف ہمدانی نے اب تک جتنے بھی کیس لڑے تھے سب میں جیت اس کا مقدر بنی تھی اور وہ عفیف کے ساتھ رہتی تھی' تقریباً 15 برس قبل زرینہ یزدانی کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ مستنیر شاہ اور عفیف کے 2 بیٹے اور ایک بیٹی تھی' آصف' کاشف' وانیہ ان سے چھوٹی تھی' مستنیر شاہ نے باپ کے گناہوں کے کفارہ کی غرض سے وہ تمام زمینیں جو اس کے باپ دادا نے زبردستی کسانوں سے چھین لی تھیں وہ اُن کے اصل حقداروں کو لوٹا دی تھیں اور جو زمینیں اس کے نام تھیں اُن پر اسکول اور ہاسپٹل تعمیر کروا دیئے تھے اور شہر میں رہنے کو ترجیح دی تھی' گاؤں میں اب بہت کچھ بدل گیا تھا' ظفر شاہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی' مظفر شاہ نے شکار کے دوران اپنی ٹانگیں کھو دی تھیں اور اس کی تمام اکڑ وقت کے ساتھ سہارے کی زندگی نے چھین لی تھی اور اطہر شاہ جو پہلے مستنیر شاہ سے صرف متاثر تھا اب اس کے کہنے کے مطابق زندگی بسر کر رہا تھا' عورتوں اور مردوں کو تعلیم کی آزادی دے دی گئی تھی' وہاں کا ماحول کسی حد تک مستنیر شاہ کی سوچوں جیسا ہو گیا تھا اور وہ پہلے کی طرح ہر ہفتے وہاں کا چکر لگایا کرتا تھا' سکینہ شاہ بیٹے کے ساتھ شہر آ گئی تھیں اور 4 سال قبل ہی ان کی ڈیتھ ہوئی تھی' مستنیر شاہ اپنی زندگی سے مطمئن تھا اور عفیف بھی بہترین شوہر کی ہمراہی اور بچوں کے ساتھ بہت خوش و مطمئن تھی۔

زوہیب یزدانی کے دو بچے تھے جہانزیب اور اس سے چھوٹی ہانیہ تھی' اور ان سب نے متفقہ فیصلے اور بچوں کی خوشی دیکھتے ہوئے آپس ہی میں شادیاں کرنے کا سوچتے ہوئے کاشف کی منگنی مستنیر کے دوست واصف کی اکلوتی بیٹی سے اور آصف کی منگنی مظفر شاہ کی دوسرے نمبر کی بیٹی سے طے کر دی تھی' ہانیہ کی ایک سال پہلے ہی واثقہ کے بیٹے سے منگنی ہوئی تھی۔

''مستنیر! تم ہمیشہ سے ہمیں دیتے ہی آئے ہو اور آج میں تم سے جو مانگنے جا رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ تم مجھے انکار نہیں کرو گے''۔ زوہیب یزدانی نے یقین بھرے لہجے میں کہتے ہوئے سامنے صوفے پر عفیف کے برابر بیٹھے مستنیر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''زوہیب! میرے بس میں ہوا تو میں انکار نہیں کروں گا اور آپ نے آج سے 25 برس قبل جو مجھے دیا تھا وہ تو میرے لیے زندگی کی نوید تھی' آپ نے اپنی بھتیجی مجھے سونپ کر میری زندگی پر احسان ہی تو کیا تھا''۔ مستنیر شاہ نے پہلو میں بیٹھی عفیف کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''مستنیر! یہ سمجھ لو ایک بیٹی تمہیں سونپی تھی اور اپنے آنگن کا پھول تمہارے آنگن کو مہکانے کے لیے تمہارے حوالے کر دیا تھا تو آج تم اپنے آنگن کے مہکتے پھول کو مجھے دے دو' میں وانیہ کو اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں' عفیف کے بغیر میرا آنگن سونا ہو گیا تھا' اب اس سونے پن کو میں اس کی پرچھائی سے دور کرنا چاہتا ہوں' میری خواہش ہے کہ وانیہ میرے جہانزیب کی دلہن بن کر میرے آنگن میں اُترے''۔ زوہیب یزدانی نے اپنی اور بیٹے کی دلی خواہش کا اظہار کر دیا تھا' عفیف نے ایک نگاہ چاچو پر ڈال کر شوہر کو دیکھا تھا۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے آپ کو بیٹی دینے کا مطلب ہوگا کہ بیٹی کے مستقبل کے خوف سے مکمل نجات

حاصل ہو جائے اور وانیہ کو تو مجھ سے اور عفیف سے زیادہ ہمیشہ آپ نے محبت اور شفقت دی ہے''۔ مستنیر شاہ مسکرا کر بولا تھا' مقیتہ فوراً مٹھائی لینے دوڑی تھی۔

''اماں جانی! یہ مٹھائی کس خوشی میں کھائی جا رہی ہے؟ کوئی گڈ نیوز ہے تو آئسکریم کھلائیں' مٹھائی بھی کوئی کھانے کی چیز ہے''۔ وانیہ نے ناک چڑھا کر مقیتہ سے کہا تھا۔

''گڈ نیوز جانتی ہو وانی کیا ہے؟'' صدف کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''جہانزیب کی انگیجمنٹ ہو رہی ہے''۔ لاؤنج میں داخل ہوتا جہانزیب حیران رہ گیا تھا۔

''سچ نانو! بٹ ہو کس سے رہی ہے؟'' وہ پُرجوش ہوئی تھی۔

''اوہو...... ہے ایک پریٹی گرل جس پر پنک کلر بہت سوٹ کرتا ہے''۔ زوہیب یزدانی بیٹے کو دیکھ کر مسکرائے تھے اور اس کی آنکھوں میں حیرانگی کی جگہ مسرت کی دوڑتی لہر انہیں مطمئن کر گئی تھی جبکہ وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''بابا چاچو! آپ کس کی بات کر رہے ہیں' جلدی بتائیے ناں' آپ نے جہانزیب کے لیے کون سی لڑکی پسند کی ہے؟'' وہ جوش میں ان کے نزدیک آ گئی تھی۔

''وہ لڑکی...... وہ ہے جسے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں''۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں اس کی ناک کھینچی تھی۔

''بابا چاچو! وہ تو میں ہوں جسے آپ سب سے زیادہ چاہتے ہیں' تو جہانزیب کے لیے مجھے......'' وہ جو اُن کے بولنے پر جوش و خروش سے شروع ہوئی تھی یکدم زبان دانتوں تلے دبا گئی تھی جبکہ وہ سب ہی مسکرانے لگے تھے' مقیتہ نے آگے بڑھ کر وہ کنگن جو اسے زرینہ یزدانی نے پہنائے تھے وانیہ کی کلائی میں سجا دیئے تھے اور یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی جبکہ مقیتہ نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''مما جانی! یہ سب کیا ہے' میری شادی جہانزیب سے؟''

''بیٹا! یہ فیصلہ ہم سب نے مل کر لیا ہے' ہمارے فیصلے پر آپ کو اعتراض ہے تو......''

''بابا جانی! مجھے آپ لوگوں کے فیصلے پر اعتراض نہیں ہے لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتی' مجھے ابھی پڑھنا ہے''۔ اس کی خوبصورت آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

''چندا! ہم ابھی تمہاری شادی نہیں کر رہے' ابھی تو صرف انگیجمنٹ......''

''بابا جانی! میں نے ابھی نہ شادی' نہ منگنی کچھ بھی نہیں کروانا اور جہانزیب سے تو بالکل بھی نہیں' یہ مجھے بہت تنگ کرتا ہے''۔ وہ روتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئی تھی اور وہ سب کے سب ہی حیران پریشان رہ گئے تھے۔

''ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے' اس میں ابھی بچپنا ہے جبکہ اس نے کچھ غلط بھی نہیں کہا' جہانزیب اسے واقعی بہت تنگ کرتا ہے اور اب تمہاری سزا یہ ہے کہ وانیہ کو تم خود مناؤ گے' راضی ہو گئی تو کل ہی انگیجمنٹ کر دیں گے اور نہ ہوئی تو کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لینا''۔ صدف نے مسکراتے ہوئے جہانزیب کو دیکھا تھا۔

''آپی! مجھے کوئی دوسری لڑکی ڈھونڈنی نہیں پڑے گی' میں نادان حسینہ کو ہی منا لوں گا''۔ وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا تھا اور لاؤنج میں ہنسی اور قہقہے بکھر گئے تھے اور ان سب کو ہی یقین تھا کہ جہانزیب یزدانی پیاری سے وانیہ شاہ کو منانے میں کامیاب ہو جائے گا کیونکہ اُسے وانیہ شاہ سے محبت تھی اور محبت اپنی جگہ بنا ہی لیتی ہے۔

............☆☆☆............